تاریخِ ملت

جلد دہم

سلاطینِ ہند

تالیف

مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی
رفیق اعزازی

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی

(سلسلۂ ندوۃ المصنفین)

(۶۰)

تاریخِ ملّت

جلد دہم

سلاطینِ ہند

جلد اوّل

جس میں سندھ کی پہلی مہم، سلاطینِ لنگا اور سلطان محمود غزنوی کے عہد سے لے کر سلطان سکندر لودھی کے زمانے تک کے حالات و واقعات جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں

تالیف

حکیم مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبرآبادی

رفیق ندوۃ المصنفین

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی

باراوّل

صفر المظفر ۱۳۷۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۵۵ء

قیمت غیر مجلد تین روپے آٹھ آنے

قیمت مجلد تین روپے بارہ آنے

مطبوعہ

کوہ نور پریس و لاہور پریس۔ دہلی

فہرست مضامین

تاریخ ہند و

شط العرب کی وادی سے ہی بابل و نینوا متعلق تھے۔ یہیں اولین تہذیب و تمدن کے آئین مرتب ہوئے اور پہلی شہنشاہی قائم ہوئی۔ اس کے بعد مصر و ہند کی تہذیب و تمدن کی بنیاد پڑی۔ تاریخی حیثیت سے یہ نمایاں حقیقت ہے کہ یہاں کی آبادی بہت زیادہ رہی ہے جو اپنی تہذیب و شائستگی کے اعتبار سے ایک درجہ اہم قدیم میں رہتی ہوگی چنانچہ حالات کا بڑا حصہ پردہ خفا میں رہا ہے۔ مسلمانوں نے گو اپنے دور میں بہت کچھ قدیم حالات جمع کر دئے مگر یہ افسوسناک واقعہ ہے کہ مغرب جسے عہد حاضر میں اپنی ترقی علم و حکمت پہ ناز ہے اور جو اپنی تحقیق و تنقید کے زعم باطل پہ ہر غیر معلوم شئے کو احاطہ علم میں لے آنے کا مدعی ہے، اس وقت تک ہندوستان کو اس سے زیادہ نہ سمجھ سکا کہ وہ ایک غیر شائستہ آبادی ہے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام مشرق جہل و تاریکی کا گہوارہ ہے۔

اہل مغرب کو یہاں سوائے عجوبہ پرستی کے کچھ نظر نہ آیا۔ اگر ہندوستان کی تاریخ لکھی بھی تو اپنے ملک کے ناول نویس اور فسانہ نگاروں

اور یورپ کے سفرناموں کی وساطت سے لکھی۔ یہاں کی تاریخوں سے جو کچھ اخذ کیا وہ مصائب تھے مسلمانوں کی آمد سے قبل کی تاریخ پر جو نظر ڈالی وہ صحت سے دور اور مسلمانوں کے عہد کو پیش کیا تو بھیانک صورت میں۔ یہاں کی ہندو مسلم تہذیب پر تمسخر کیا گیا۔ یہاں کے حکمراں طبقہ کو خونخوار ثابت کیا کہ یہ ہستیاں وہ تھیں جن کے جذبات سفاکی و بیرحمی سے لبریز تھے۔ ان کے چاروں طرف تملق و خوشامد کرنے والے درباری تھے۔ رعایا کو تباہ کرتے خزانہ بھرتے تھے۔ لہو و لعب سیر و تفریح یا حرم کی اندرونی زندگی پر بے دریغ دولت صرف کرتے تھے۔ درباریوں سے اپنی زمین بوسی اور جبہ سائی کراتے تھے وہ اگر شراب کے نشہ سے چونک پڑتے تھے تو سوائے جبر و ظلم کے ان کو کوئی اور کام ہی نہ تھا۔ نہ ان کے پاس دماغ تھا اور نہ دل، نہ وہ سوچ سکتے تھے۔ اس کے سوا روحانیت سے انہیں سروکار ہی نہ تھا۔ غرضکہ یہاں کے سلاطین ارتقاء ذہنی سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھتے تھے کہ علوم و فنون کی طرف توجہ دیتے۔ نہ ان کو ملک کی فلاح و بہبود کا خیال تھا۔ الغرض وہ جہل و غرور، بے دردی و بے رحمی کے زبردست مجسمہ بنے ہوئے تھے۔

لیکن کیا وہ شخص جس نے صحیح معنٰی میں ہندوستان کی تاریخ کا غائر مطالعہ کیا ہے اس خاکہ میں کسی جگہ اصلی خط و خال کی جھلک پا سکتا ہے اور کیا یورپ کا عدم علم یا اس کا تعصب ایک حقیقت اور صداقت کو نیست و نابود کر سکتا ہے۔ صداقت شعاری کا یہ پہلو

نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہاں کے سلاطین اگرچہ اسلامی تعلیم کا صحیح نمونہ نہ تھے، نہ ان کی خلفائے راشدین کی سی زندگی تھی اور ان میں بعض جفا پیشہ بھی تھے تاہم وہ مجموعی طور پر اصول معدلت پر کاربند رہے اور رعیت مطلق العنان نہ تھے۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ

"حکومت کفر کے ساتھ تو باقی رہتی ہے مگر ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔"

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان کی تہذیب اپنی خصوصیات کی حامل ہے، یہاں کی ویدانت، فلسفہ، ہیئت، جوتش مشہور ہیں۔ رشی منی اپنی راہبانہ اور حکیمانہ تعلیمات کے لئے خاص امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ مسلمان آئے تو ان سے کچھ باتیں حاصل کیں، مگر بہت زیادہ عطا کیں۔ توحید کا تصور، دختر کشی، ستی کی روک تھام، عقد بیوگان اور مساوات کی تعلیم اور اخلاقی قدریں، عام تعلیم مسلمانوں کی آمد کے نتائج و برکات ہی کہے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے رہنے سہنے، کھانے پینے، لباس، تواضع و مدارات اور تہذیب کے دوسرے پہلوؤں میں تکلف و تجمل و آسائش کی نئی نئی ایجادوں کی بدولت یہاں کے تمدن کی سادہ تصویر میں نہایت دلکش اور دیرپا رنگ بھرے۔ سیاح ابن حوقل اور شاہ بابر کی تحریرات سامنے ہیں۔

سلاطین ہند کی تاریخ کے ضمن میں یہ بات ملحوظ رہے کہ انہوں نے ہند پر قبضہ کیا فتوحات کے دور میں یہاں کے باشندوں کو تکلیف پہنچی مگر اس کی تلافی ان میں رہ کر بس کر بہت کچھ کی۔ مقامی حکمرانوں میں انتشار تھا جس کو اپنے زیر نگیں لا کر ملکی وحدت قائم کی۔ تہذیبی معیار بلند کیا اس بداہت سے انکار سفاہت ہے۔

ہمارا موضوع اس جگہ صرف سلاطین ہند کے تاریخی واقعات پیش کرنا ہیں اور سلاطین کی سیرت اور ان کی ملکی خدمات اور رواداری تہذیبی و علمی ترقی ہیں ان کے مساعی کیا تھے وہ دکھانا ہیں۔ فتوحات کے ساتھ مقبوضہ قوم اور رعایا سے کیسا ان کا سلوک رہا اور ان کو کس ادنیٰ درجہ کا پایا تھا اور اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا۔ ہندوستان میں تعلیم صرف برہمن طبقہ کے لئے محدود تھی مگر سلاطین نے ہی عوام میں چاہے چھتری ہو یا راجپوت یا شودر ہر ایک کے لئے تعلیم پانے کی راہیں کھول دیں جس کی نظیر کائستوں کا وجود ہے۔ جنہوں نے فارسی میں وہ قابلیت کے جوہر دکھائے جس کی مثال کم ملے گی۔ جو ہند کے باشندے فاتحین کے ہاتھوں لگے وہ اسلامی ممالک میں پہونچے ان کی تعلیم و تربیت ایسی ہوئی کہ وہ علوم دینی کے امام کہلائے۔ آگے یہ تمام تفصیلات ملاحظہ سے گذریں گی۔

انتظام اللہ شہابی
اکبر آبادی

عربوں کی آمد کے برکات

اسلام کے دور اول میں عہد حضرت عمرؓ میں ایک مہم آئی جس کا ذکر آگے آتا ہے اس کے کچھ عرصہ بعد عرب تاجروں کے قافلے اور مبلغ ہندوستان آئے۔ مالا بار اور کالی کٹ، سراندیپ وغیرہ کی سرزمین نے خیر مقدم کیا یہاں بس گئے۔ ان کی سادگی خلوص اور بلند اخلاقی نے ان علاقوں کے باشندوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ دیانت و امانت اور عمل و کردار کی عمدگی کا شہرہ ہندو راجاؤں تک پہونچا ایک راجہ نے بھی عقیدت اور احترام کی نظر سے دیکھا اور اپنی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کرا کر سنا۔ یہی وجہ ہوئی کہ ان علاقوں میں اسلامی خیالات اور تہذیب و مدنیت کی بنا پڑی۔ اس سے بڑھکر یہاں کی اقوام میں فہم و ادراک کی وسعت اور علوم و فنون سے لگاؤ پیدا ہونے لگا۔ مسلمانوں سے پہلے علم کے ٹھیکہ دار برہمن تھے۔ عربوں نے بلا استثنا ذات پات تحصیل علم اور ترقی فنون کا ذوق پیدا کر دیا۔ جو لوگ یہاں کے مسلمان ہوئے وہ علم کے ایسے متوالے ہوئے کہ وطن کو چھوڑ علمی مرکزوں میں پہونچے۔ بہت سے وہ تھے جو عرب وطن جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے اور ان کی تعلیم و تربیت مثل اولاد کے کی مورخین کوتاہ بین ان کو غلام قرار دیتے ہیں یہ غلط ہے بلکہ عربوں نے نئی پود کو لے جا کر کچھ سے کچھ بنا دیا۔ یہاں بے نام و نشان رہتے تھے مگر آج

تاریخ کے اوراق کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ رجال کی کتابوں میں سندھ کے متعدد علماء اور محدثین کے نام ملتے ہیں۔

ابو معشر نجیح السندھی گو سندھ کے ایک غلام زادہ تھے۔ عربوں کے ساتھ سندھ سے عرب گئے۔ اور مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ فن مغازی و سیر میں وہ کمال پیدا کیا کہ امام الفن کہلائے۔ صدہا شاگرد پیدا ڈالے۔ ۱۷۰ھ میں وفات پائی تو خلیفہ ہارون الرشید نے اس نو مسلم سندھی کی نماز جنازہ پڑھی [عله]

ان کے صاحبزادے ابو عبدالملک محمد تھے۔ ممتاز اہل علم میں شمار تھا خلیفہ مہدی نے مدینہ سے بغداد بلالیا ۲۴۷ھ میں فوت ہوئے [عله ۲]

امام اوزاعی جو ائمہ اسلام سے ہیں علامہ ذہبی لکھتے ہیں:-

"ان کا خاندان سندھ کے قیدیوں میں سے تھا۔

۱۵۶ھ میں وفات پائی"

ابو محمد خلف بن سالم سندھی متوفی ۲۳۱ھ ابو العباس فضل بن سکین بن سمنت سندھی۔ ابو نصر فتح بن عبداللہ سندھی۔ ابو العطا سندھی ادیب ایسے کثیر التعداد سندھی تھے جو عربوں میں رہ کر ممتاز علماء میں شمار کئے گئے۔ ایسے ہی یہاں کے لوگ فن ادب میں بھی صاحب کمال تھے۔ شاعری میں بھی اپنے استادوں کے ہم پایہ بن گئے۔

چنانچہ ابو تمام نے ابو عطا کے حماسہ میں عربی اشعار نقل کئے ہیں

عله تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۱۲ ۔ عله ۲ کتاب الانساب سمعانی صفحہ ۳۱۴ ۔

سندھی بن شاہک بغداد پہونچے اور وہاں رہ پڑے۔ ان کی نسل سے کشاجم پیدا ہوا جو عربی کا مشہور شاعر تھا۔ ابو نصر فتح بن عبداللہ السندیؒ ایک سندھی غلام تھے۔ تعلیم پاکر الفصیتہ المتکلم مشہور ہوئے۔ پھر وہ لوگ تھے جنہوں نے ملکی مذہب ترک کر کے آغوشِ اسلام میں آکر صاحبِ فضائل و کمال بن گئے۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عربوں کا مفتوحہ علاقہ کے لوگوں پر بھی بڑا اثر پڑا کہ دیکھا دیکھی علم سے ذوق رکھنے لگے اور سندھ سے بغداد گئے اور خلفاء بنی عباس نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور جو علمی سرمایہ لیکر گئے تھے اس کی قدردانی کی۔ فہرست ابن ندیم میں ہندکی ان علمی یادگاروں کا ذکر محفوظ ہے۔ مگر ہندو بھائیوں کی کتابوں سے وہ فراموش ہیں۔

غرضکہ عربوں نے یہاں آکر اپنی قومی روایات کو برقرار رکھا۔

اب ہم عربوں کی مہموں کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

عہد فاروقی میں سندھ پر پہلی مہم

علامہ بلاذری لکھتے ہیں ۱۵ھ میں خلیفہ راشد عمر بن الخطابؓ نے عثمان بن ابو العاصی ثقفی کو بحرین و عمّان کا والی بنایا تو اس نے اپنے بھائی حکم کو بحرین کی جانب بھیجا اور خود عمان کی جانب روانہ ہوا عمّان پہنچ کر ایک لشکر تانہ کی جانب بھیجا۔ جب یہ لشکر واپس آیا تو حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دینے کے لئے لکھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے لکھا اے

ثقیف کے ناتجربہ کار نوجوان نے کیڑے کو لکڑی پر سوار کر دیا بے شک میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر وہ ہلاک ہو جاتے تو میں تیری قوم سے اتنے ہی آدمی لے لیتا اور عثمان نے حکم کو بروص کی جانب بھی روانہ کیا اور اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن العاصی کو خلیج دیبل کی جانب بھیجا۔ دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی اور اس نے فتح حاصل کی۔ اور کامرانی سے واپس آیا۔[علہ]

عہد عثمانی میں سندھ پر مہم

جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور عبداللہ بن عامر کو انہوں نے عراق کا گورنر بنایا اور اس کے پاس یہ حکم لکھا کہ وہ سرحد ہند کی جانب کسی ایسے شخص کو بھیجے جو وہاں کے صحیح حالات معلوم کرے اور واپس آکر خلیفہ کو خبر دے تو عبداللہ نے حکیم بن جبلہ عبدی کو روانہ کیا۔ جب حکیم ہند سے واپس گیا۔ تو اسے حضرت عثمانؓ کے پاس عبداللہ نے بھیج دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے ہندوستان کے شہروں کا حال دریافت کیا تو حکیم نے عرض کیا کہ یا امیرالمومنین میں نے وہاں کے حالات سے بہت اچھی طرح واقفیت حاصل کی ہے اور خوب تحقیقات کی اور وہاں کے لوگوں کو آزمایا ہے۔ آپ نے فرمایا تفصیلی حالات بیان کرو۔ حکیم نے کہا ہندوستان میں پانی تھوڑا ہے۔ کھجوریں ردی ہیں اور وہاں کے لٹیرے دلیر ہیں اگر لشکر کم ہو تو تباہ ہو جائے اور اگر

علہ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۲۲

زیادہ ہو تو بھوکا مر جائے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اس سے فرمایا تو حالات بیان کرتا ہے یا تک بندی کرتا ہے۔ کہا نہیں حضور صحیح حالات بیان کرتا ہوں۔ آپ نے سکوت اختیار فرمایا اور وہاں کسی کو لڑنے کے واسطے نہیں بھیجا۔

عہد علی مرتضیٰ میں سندھ پر مہم

جب ۳۸ھ کا آخر اور ۳۹ھ کا آغاز ہوا تو حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں حارث بن مرۃ عبدی بہ نیت ثواب رضاکارانہ طور پر حضرت علیؓ کی اجازت سے سرحد کی جانب روانہ ہوا چنانچہ اس نے فتح و ظفر حاصل کی اور بہت کچھ مال غنیمت اور قیدی اس کے ہاتھ آئے۔ چنانچہ اس نے ایک دن میں ایک ہزار قیدی تقسیم کئے پھر علاقہ قیقان (قلات) کی طرف بڑھا وہاں مقابلہ سخت رہا۔ اس میں حارث اور اس کے تمام ساتھی بجز چند آدمیوں کے قتل ہو گئے۔ ۴۲ھ میں یہ واقعہ ہوا (قیقان خراسان کے متصل سندھ کے مشہور شہروں میں سے ہے اب پاکستان میں ہے)۔

عہد امیر معاویہ میں سندھ پر مہم

حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت ۴۴ھ میں اس سرحد پر مہلب بن ابی صفرہ نے حملہ کیا اور بنہ اور الاہوار تک آیا۔ یہ دونوں

شہر ملتان اور کابل کے درمیان واقع ہیں یہاں دشمن اس کے مقابل ہوا اور مہلب اور اس کے ساتھیوں سے جنگ کی مگر وہ ناکام رہے بلاد قیقان میں اٹھارہ ترک دُم تراشیدہ گھوڑوں پر سوار مہلب سے ملے۔ انہوں نے مہلب سے جنگ کی اور سب کے سب قتل کر دئے گئے۔ بنہ کی جنگ کے بارے میں ازدی شاعر کہتا ہے :- ؎

(ترجمہ) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جس شب کو مقام بنہ میں ازدیوں پر شب خون مارا گیا۔ وہ مہلب کے لشکر کے بہترین سپاہی تھے۔"

عبداللہ بن عامر گورنر عراق نے حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں عبداللہ بن سوار کو سندھ کا گورنر بنایا اور کہا جاتا ہے کہ خود معاویہ نے اپنی جانب سے عبداللہ کو سرحد ہند کا گورنر بنایا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن سوار نے قیقان پر حملہ کیا اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا۔ پھر عبداللہ امیر معاویہ کے پاس شام حاضر ہوا اور قیقانی گھوڑے تحفہ میں پیش کئے اور کچھ عرصہ ان کے پاس قیام کیا پھر قیقان کی جانب واپس چلا آیا تو اس مرتبہ قیقانیوں نے ترکوں سے فوجی کمک طلب کی اور ترکوں نے اس کو قتل کر دیا۔ عبداللہ بن سوار کے حق میں شاعر کہتا ہے :- ؎

"ابن سوار بہرحال مہمانی کی آگ کو روشن کرنے والا اور بھوک پیاس کو فنا کرنے والا ہے۔"

عبداللہ بن سوار بڑا سخی تھا۔ اس کے لشکر میں کوئی شخص اس کے مطبخ کی آگ کے سوا آگ نہیں جلا سکتا۔ تمام لشکر اس کے دستر خوان پر کھانا کھاتا اس لئے اس کے باورچی خانہ کے سوا اور کہیں آگ نہ جلتی تھی ایک رات اس نے کہیں آگ جلتی دیکھی تو کہا یہ کیا؟ لوگوں نے کہا ایک زچہ عورت ہے اس کے لئے حلوہ بنایا جا رہا ہے تو اس نے حکم دیا کہ تین روز تک تمام لشکر کو حلوہ کھلایا جائے۔

زیاد بن ابی سفیان نے امیر معاویہ کے زمانے میں سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کو سندھ کا والی بنایا۔ سنان بڑا قابل اور خدا پرست آدمی تھا وہ پہلا شخص ہے جس نے لشکر کو طلاق کی قسم دلائی یعنی ہر سپاہی سے قسم لی کہ اگر وہ میدانِ جنگ سے بھاگے تو اس کی بیوی پر طلاق۔ چنانچہ سنان سرحد سندھ پر آیا اور مکران کو بزور شمشیر فتح کیا۔ اور اس کی آبادی میں توسیع کر کے اسے شہر بنا دیا اور وہیں قیام اختیار کیا اور تمام بلاد سندھ کا نظم و نسق قائم کیا اسی کے بارے میں شاعر کہتا ہے :-

"میں نے دیکھا کہ قبیلہ ہذیل نے اپنی قسموں میں منجملہ دیگر قسموں کے ایک قسم ایسی عورتوں کی طلاق کی ایجاد کی ہے جن کو وہ کبھی نہیں پہنچاتے یقیناً آسان ہو گئی مجھ پر ابن محبق کی قسم جبکہ ان عورتوں کی گردنوں نے سنہری زیورات کو بلند کیا نمایاں کیا۔"

یعنی ان عورتوں کی حسین گردنوں اور زیورات کو دیکھ کر آخر دم تک لڑنا اور قسم کو پورا کرنا ہمارے لئے آسان ہو گیا کہ اگر ہم بھاگ گئے تو یہ دشمن کے ہاتھ پڑیں گی۔ عرب عورتوں کو میدانِ جنگ میں ہمراہ رکھتے تھے جس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا ابن کلبی نے بیان کیا کہ جس شخص نے مکران فتح کیا وہ حکیم ابن جبلہ عبدی تھا پھر زیادہ نے سرحد سندھ پر قبیلہ ازدمن سے راشد بن عمر کو گورنر بنایا۔ چنانچہ راشد مکران آیا پھر قیقان پر حملہ کیا اور فتح پائی پھر قوم مید سندھ کے بحری قزاقوں پر حملہ کیا اور اسی حملہ میں قتل ہو گیا اور سنان بن سلمہ نے فوج کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا پھر زیاد نے اس کو سرحد ہند کا گورنر بنا دیا۔ دو سال تک یہاں قیام کیا اعشی ہمدان نے مکران کے بارے میں کہا ہے تو مکران جاتا ہے بے شک وہاں جانا اور آنا بہت بعید یعنی دشوار ہے مکران میرا مقصد نہ تھا اور نہ وہاں کوئی لڑائی ہے اور نہ تجارت مجھ سے وہاں کے حالات بیان کئے گئے ہیں مگر میں وہاں گیا نہیں تاہم اس کے ذکر سے خوفزدہ رہتا ہوں۔ حالات یہ ہیں کہ زیادہ آدمی وہاں بھوکے مر جائیں اور تھوڑے آدمی وہاں مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ عباد بن زیاد نے سرحد سندھ پر سجستان کی جانب سے حملہ کیا۔ چنانچہ سنا روز آیا پھر وہاں سے حوی کھر پر روز بار تک اور علاقہ سیلستان میں ہندمند تک قبضہ کر لیا۔ پھر کش میں اترا اور وہاں سے ریگستان کو طے کر کے قندھار آیا۔ اہلِ قندھار سے لڑا اور ان کو

شکست دی اور میدان جنگ سے بھگا دیا۔ تھوڑے سے مسلمانوں کی شہادت کے بعد قندھار فتح کر لیا۔ عباد نے اہلِ قندھار کی لمبی لمبی ٹوپیاں دیکھیں تو اس نے اسی جیسی ٹوپیاں پہنیں اس وجہ سے ان کا نام عبادیہ رکھا گیا۔ ابن مفرغ نے کہا:۔ ؎

"گرم علاقوں اور ہندوستان کی زمینوں میں بہت سے پیروں کے نشان ہیں اور بہت سے مقتولین کی قمیصیں پڑی ہیں کاش کہ وہ دفن کئے جاتے قندھار میں اور جس کی موت قندھار میں لکھی ہوگی اس کی خبریں اٹکل سے بیان کی جائیں گی یعنی اتنی دور جا کر زندہ واپس آنا یا صحیح خبر میسر آنا بہت دشوار ہے"

پھر زیاد نے منذر بن جارود عبدی کو جس کی کنیت ابوالاشعث تھی سرحد ہند کا گورنر بنایا اس نے بوقان اور قیقان پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے فتح پائی مالِ غنیمت حاصل کیا اور فوجی دستے ان کے شہروں میں پھیلا دیئے اور قصدار کو فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کو گرفتار کیا۔ سنان نے اس سے پہلے قصدار کو فتح کر لیا تھا مگر اہلِ قصدار نے عہد شکنی کی تھی اس لئے دوبارہ فتح کیا قصدار ہی میں منذر نے وفات پائی۔

ایک شاعر کہتا ہے۔ ؎

"منذر قصدار میں اترا اور وہیں قبر میں رہ گیا۔ واپس جانیوالوں کے ساتھ واپس نہیں گیا۔ قصدار اور اس کے انگوروں کے

باغ بھی کس قدر خوش نصیب ہیں۔ دین و دنیا کے کیسے اچھے
نوجوانوں کو انہوں نے اپنے آغوش میں چھپا لیا۔"

پھر عبیداللہ بن زیاد نے ابن قری باہلی کو والی بنایا اور سرحد ہند پر روانہ کیا۔ اللہ پاک نے بلاد سندھ اس کے ہاتھ پر فتح کئے اور اس نے وہاں بہت سخت لڑائیاں لڑیں اور فتح و ظفر حاصل کی اور مالِ غنیمت سے مالامال ہوا۔ مورخین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ عبداللہ بن زیاد نے سنان بن سلمہ کو گورنر بنایا تھا اور ابن حرّی اس کے فوجی دستوں پر سردار تھا۔ حرّی بن حرّی کے بارے میں شاعر کہتا ہے۔ ؎

"اگر بوقان میں میری نیزہ بازی نہ ہوتی تو ابن حرّی کی
فوجیں لوٹ کا مال لے کر واپس نہ آتیں۔"

عہدِ عبدالملک

جب حجاج بن الحکم ابن ابی عقیل ثقفی عبدالملک کی جانب سے عراق کا والی ہوا تو اس نے سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور اسکی سرحد ہند کا گورنر بنایا۔ جب سعید مکران پہنچا تو معاویہ بن حارث علافی اور محمد بن حارث علافی اس کے مقابلے پر نکلے۔ لڑائی ہوئی سعید قتل ہو گیا اور علافی تمام سرحدی علاقہ پر قابض ہو گئے۔ علاف کا نام ربان بن حلوان بن عاف بن قضاعہ ہے۔ قضاعہ قبیلہ جرم کا جدِّ اعلیٰ ہے پھر حجاج نے مجاعہ بن سعر تمیمی کو اس سرحد کا گورنر بنایا۔ مجاعہ نے

یہاں آکر جنگ کی اور مالِ غنیمت حاصل کیا اور قندابیل کے بہت سے گروہوں حصوں کو بھی فتح کیا پھر محمد بن قاسم نے اس فتح کی تکمیل کی مجاعہ ایک سال بعد مکران میں وفات پا گیا۔ شاعر کہتا ہے ؎

"جس کسی جنگ میں تو اے مجاعہ شریک ہوا اسی کا تذکرہ تجھے زیب دیتا ہے۔ کیونکہ تو نے ہر جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھلائے۔"

پھر حجاج نے مجاعہ کی وفات کے بعد محمد بن ہارون نمری کو مکران پر حاکم بنایا۔ اس کی حکومت کے زمانہ میں جزیرہ یاقوت سرندیپ کے بادشاہ نے حجاج کے پاس چند مسلمان عورتیں بطور تحفہ بھیجیں جو اس کے ملک میں مسلمان پیدا ہوئی تھیں اور ان کے باپ دادا سوداگری کرتے تھے اور ان کا وہیں انتقال ہو گیا تھا۔ اور اس نے ان کے ذریعہ حجاج سے تقرب حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا جس کشتی میں یہ عورتیں سفر کر رہی تھیں، اس کو دیبل کے بحری قزاقوں کے ایک گروہ نے چھوٹی چھوٹی جنگی کشتیوں میں سوار ہو کر گھیر لیا، اور کشتی کو معہ سامان اور عورتوں کے پکڑ لیا ان میں سے قبیلہ یربوع کی ایک عورت نے یا حجاج کہہ کر آواز دی۔ حجاج کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے بے ساختہ کہا یا لبیک ہاں میں آیا اور فوراً سندھ کے راجہ داہر کے پاس قاصد بھیجا اور ان عورتوں کے چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ راجہ داہر نے جواب دیا کہ ان عورتوں کو تو دریائی ڈاکوؤں نے پکڑا ہے

جن پر میرا قابو نہیں ۔ آپ ہی ان کی خبر لیں ۔ حجاج یہ سن کر برافروختہ ہو گیا اور اس نے عبیداللہ بن نبہان کو معہ مختصر سپاہ کے دیبل پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا ۔ عبداللہ اس مہم میں قتل ہو گیا ۔ پھر حجاج نے بدیل بن طہفہ کو جو حاکم عمان تھا حکم لکھا کہ وہ دیبل روانہ ہو جائے لیکن جب وہ جزیرۂ یاقوت پہنچا[1] اور دشمن سے مقابلہ ہوا تو اس کا گھوڑا بدکا اور اس کو گرا دیا ۔ دشمن نے اس کو گھیر لیا اور مار ڈالا ۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اسے بدھ مذہب کے جاٹوں نے قتل کیا ۔

ادھر عبدالملک ۸۶ھ میں فوت ہوا اور ولید بیٹھا ۔

عہدِ ولید بن عبدالملک

حجاج نے ولید بن عبدالملک سے اجازت لیکر اپنے چچا زاد بھائی اور داماد محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی جو اس وقت شیراز میں تھا ۔ اس کو حکم دیا کہ وہ رے چلا جائے اور فوج لے کر سندھ پر حملہ آور ہو ۔ محمد بن قاسم کے مقدمۃ الجیش (ہراول) پر ابوالاسود جہم بن زحر ثقفی کو سردار کیا ۔ چھ ہزار سپاہی شام کے لشکر سے اور ان کے علاوہ بہت سے کار آزمودہ لوگ اس کے لشکر کے ساتھ شریک کر دیئے اور تمام ضروری سامان حتیٰ کہ سُتلی اور سوئی بھی اس کے لئے مہیا کی گئی ۔ اور دھنی ہوئی روئی لی اور پرانے انگوری سرکہ میں اسے ڈبو دیا اور پھر سایہ میں خشک کیا اور محمد بن قاسم کے پاس بھیجا اور کہا کہ جب

---

[1] جزیرہ یاقوت اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں کی عورتیں خوبصورت ہوتی تھیں (فتوح البلدان)

تم سندھ پہنچو گے تو وہاں سرکہ بہت کم ہے تو اس روئی کو پانی میں بھگو لینا پھر اس سے روٹی لگا کر کھانا سرکہ کا کام دے گا۔ عرب کے لوگ سرکہ سے روٹی کھانے کے بہت عادی تھے۔

محمد بن قاسم شیراز سے چل کر مکران پہنچا۔ چند روز یہاں قیام کیا۔ پھر قنزپور آیا، اس کو فتح کیا۔ پھر ارمائیل پہنچا اسے بھی فتح کیا۔ محمد بن ہارون بن ذراع محمد بن قاسم سے آملا اور لشکر میں شامل ہو گیا اور اس کے ہمراہ روانہ ہوا مگر ارمائیل کے قریب ہی اس کا انتقال ہو گیا اور قنبیل میں دفن کر دیا گیا۔ پھر محمد بن قاسم ارمائیل سے روانہ ہوا۔ جہم بن زحر جعفی اس کے ہمراہ تھا۔ جمعہ کے روز دیبل پہنچے اور وہ کشتیاں بھی پہنچ گئیں جن پر براہ سمندر فوجیں سامان اور ہتھیار بھیجے گئے تھے۔ محمد بن قاسم نے دیبل پر اترتے ہی لشکرگاہ کے چاروں طرف خندق کھدوائی خندق کے کناروں پر نیزے گاڑ دیئے اور ان پر پھریرے اڑا دیئے اور لوگوں کو ان کے جھنڈے کے نیچے ٹھہرایا گیا۔ عروس (عروسک) نامی منجنیق نصب کی گئی۔ اس منجنیق میں پانچسو آدمی کام کرتے تھے۔

دیبل میں ایک بہت بڑا مندر تھا اس بدھ کے مندر کے برج پر ایک لمبی بلی لگی ہوئی تھی اس بلی پر ایک سرخ جھنڈا تھا یہ جھنڈا اتنا لمبا چوڑا تھا کہ جب ہوا چلتی تو تمام شہر کو گھیر لیتا اور گھومنے لگتا۔

انتظام برید — یہ تیسرے روز حجاج کے خطوط محمد بن قاسم کے پاس آتے تھے اور محمد بن قاسم کے خطوط اس جانب کے

حالات اور طریق کار[1] کے بارے میں حجاج کی رائے معلوم کرنے کے لئے اسکے پاس جاتے تھے۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے پاس حجاج کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ "جہاں اترو وہاں گرد خندق کھود لیا کرو۔ اور اکثر شب بیدار رہو۔ ہمیشہ تلاوت قرآن میں مصروف رہا کرو۔ دعا کرو اور ذکر حق کرتے رہو۔ عروس نامی منجنیق کو مندر کی سیدھ میں نصب کرو اور اس کا ایک پایہ جو مشرق کی جانب کا ہو چھوٹا کرو تاکہ دوسری جانب بڑا ہو جائے۔ اور پتھر بہت اونچا پھینکا جاسکے۔ اور عروس کے چلانے والے کو بلاؤ اور حکم دو کہ اس بلی کو تاک کر نشانہ بنائے جس کا تم نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے۔"

چنانچہ منجنیق کے چلانے والے نے بلی پر نشانہ مارا اور اس کو توڑ دیا کفار اس سے بھڑک اٹھے۔ پھر محمد بن قاسم نے ان پر چڑھائی کر دی۔ وہ بھی جوش میں آکر قلعہ سے باہر نکل آئے۔ مقابلہ ہوا، محمد بن قاسم نے دیبل والوں کو شکست فاش دی۔ حتیٰ کہ میدان سے بھگا دیا اور انہوں نے قلعہ میں جاکر دم لیا۔ محمد بن قاسم نے سیڑھیوں کے لگا دینے کا حکم دیا چنانچہ قلعہ کی دیواروں پر سیڑھیاں لگا دی گئیں۔ اور بہادر سپاہی سیڑھیوں پر چڑھ گئے۔ سب سے پہلے چڑھنے والا اہل کوفہ میں سے قبیلہ مراد کا ایک شخص تھا۔

سنہ ۹۳ھ میں قلعہ دیبل بزور شمشیر فتح ہو گیا۔ تین روز تک برابر

---

[1] تاریخ ہندوستان پہلی جلد صفحہ ۲۰۸

محمد بن قاسم مسلح اور جنگجو اہل قلعہ کو قتل کرتا رہا۔ داہر کا حاکم دیبل سے بھاگ گیا۔

محمد بن قاسم نے فتح کے بعد مسلمانوں کو دیبل میں زمینیں تقسیم کیں۔ ایک مسجد تعمیر کی۔ چار ہزار مسلمانوں کو وہاں آباد کیا اور دیبل کو عساکر اسلامیہ کے لئے ایک فوجی مرکز بنادیا۔ اور اس کے بعد ہارون ابن ابو خالد مروزی سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ قتل کردیا گیا۔

مورخین نے بیان کیا کہ محمد بن قاسم دیبل سے نیرون آیا۔ اہل نیرون نے اس سے قبل اپنے دو سادھو حجاج کے پاس بھیجے تھے اور صلح کرلی تھی۔ لہٰذا انہوں نے محمد بن قاسم کے لئے رسد مہیا کی اور اس کو شہر میں لے گئے۔ سالانہ زر صلح بھی ادا کیا۔ محمد بن قاسم جس شہر سے گذرتا تھا اسی کو فتح کرلیتا تھا حتیٰ کہ دریائے سندھ کے ورے جو نہر تھی اسے عبور کیا۔ یہاں پہنچ کر سربیدس کے سادھو آئے اور باشندگان سربیدس کی جانب سے صلح کرلی اور ان پر خراج مقرر کیا اور وہاں سے سہبان کی جانب روانہ ہوا اور اس کو فتح کیا۔ پھر دریائے سندھ کی جانب رخ کیا اور اس کے درمیانی حصہ پر اترا۔ داہر کو اس کی خبر پہنچی اور اس نے محمد بن قاسم کے مقابلہ کی زبردست تیاریاں شروع کیں۔

محمد بن قاسم نے محمد بن مصعب ثقفی کو سوار فوجی دستوں کیساتھ

سدوسان (سیوستان) بھیجا۔ اہلِ سدوسان نے امن اور صلح طلب کی سادھوؤں کی ایک جماعت نے فریقین کے درمیان سفارت کی خدمت انجام دی۔ چنانچہ محمد بن مصعب نے ان کو امن و امان دی اور ان پر خراج مقرر کیا اور بغرض اطمینان ان سے کچھ معزز آدمی بطور ضمانت طلب کئے اور چار ہزار جاٹوں کو ساتھ لے کر محمد بن قاسم کے ساتھ فوج میں شامل ہوگئے اور سدوستان پر ایک شخص کو حاکم مقرر کر دیا۔ پھر محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو عبور کرنے کی تدبیر کی کیونکہ داہر نے سارے پُل اٹھا لئے تھے۔ چنانچہ راسل کے علاقہ کے پاس خود پُل باندھ کر دریائے سندھ کو عبور کیا۔ راسل ہندوستان کے علاقہ قندھ کچھ کا بادشاہ تھا۔

داہر محمد بن قاسم کو حقیر سمجھتا تھا اور اس کی جانب سے بالکل بے پرواہ تھا آخر کار محمد بن قاسم اور عساکر اسلامیہ کا داہر سے مقابلہ ہوا داہر ہاتھی پر سوار تھا۔ ہاتھیوں کا ایک دستہ اس کے چاروں طرف تھا۔ ٹھاکر راجپوت بھی بہت بڑی تعداد میں اس کے ہمراہ تھے۔ دونوں فریق ایسی سخت لڑائی لڑے کہ اس سے پہلے ایسی لڑائی کبھی نہیں سنی گئی تھی یہاں تک کہ داہر پیادہ پا ہوگیا اور خوب جان توڑ کر لڑا۔ لڑتے لڑتے شام کے وقت ۱۰ رمضان المبارک ۹۳ھ کو قتل ہوگیا۔ مدائنی کی روایت کے بموجب جس شخص نے داہر کو قتل کیا وہ قبیلہ بنو کلاب کا ایک شخص تھا۔ اس نے اس موقع پر یہ شعر کہے:۔

"فوجی سوار اور نیزے اور محمد بن قاسم سب شاہد ہیں کہ بیشک
بس نے بغیر منہ موڑے جنگ داہر میں دشمنوں کی صفوں کے
پرے کے پرے توڑ دیئے حتیٰ کہ تلوار لے کر خاص ان کے بادشاہ
کے سر پر جا پڑا اور اس کو خاک میں لوٹ پوٹ بغیر تکیے کے رخسار و
کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیا۔

داہر اور اس کے قاتل کا مجسمہ بروص بھڑوچ میں بنا ہوا تھا، اور بدیل بن طہفہ کا مجسمہ قند میں ہے اور اس کی قبر دیبل میں ہے۔ علی بن محمد مدائنی ابو محمد ہندی سے نقل کرتے ہیں کہ ابو الفرج نے بیان کیا کہ جب داہر قتل کر دیا گیا تو محمد بن قاسم تمام بلاد سندھ پر غالب آ گیا۔ ابن کلبی نے بیان کیا کہ جس نے داہر کو قتل کیا ہے وہ قاسم بن عبداللہ بن حسن طائی ہے۔

مورخین کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے راور کو بزور شمشیر فتح کیا۔ قلعہ راور میں داہر کی بیوی پناہ گزیں تھی اس کو خوف ہوا کہ وہ پکڑی نہ جائے لہٰذا اس نے خود کو مع اپنی لونڈیوں اور تمام مال و متاع کے جلا ڈالا ستی ہو گئی[1]۔ پھر محمد بن قاسم پرانے برہمن آباد آیا۔ یہ منصورہ سے دو فرسخ ۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ان دنوں میں منصورہ نہ تھا بلکہ اس کی جگہ جھاڑیاں تھیں۔ داہر کی شکست خوردہ فوج اسی برہمن آباد میں تھی۔ لہٰذا انہوں نے محمد بن قاسم سے سخت جنگ کی۔ بالآخر محمد بن قاسم نے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۴۴

برہمن آباد کو بزور شمشیر فتح کیا اور آٹھ ہزار فوجی سپاہیوں کو قتل کیا اور کہا جاتا ہے کہ چھبیس ہزار۔ اور اپنا عامل وہاں قائم مقام چھوڑ دیا۔ محمد بن قاسم برہمن آباد سے راور اور بغرور کے قصد سے روانہ ہوا۔ راستہ میں اہلِ ساوندری آکر ملے، انہوں نے امان کی درخواست کی محمد بن قاسم نے ان کو امان دیدی اور اسلامی فوجوں کی مہمانی اور رہبری کی ان سے شرط کی یعنی جس وقت عساکر اسلامیہ اس طرف سے گذریں تو ان کی رسد کا انتظام کرنا اور دشمن کے علاقہ میں ان کی رہبری کرنا ان کے ذمہ ہے۔ اہل ساوندری آج کل مسلمان ہیں۔ پھر بسمد کی طرف بڑھا اہلِ بسمد نے بھی اہل ساوندری کی طرح ان ہی شرائط پر صلح کی۔ محمد بن قاسم بڑھتے بڑھتے راور تک پہنچ گیا یہ سندھ کے بڑے شہروں میں سے ہے اور ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ چند ماہ تک اہل راور کا محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار اس شرط پر بطور صلح فتح کیا کہ محمد بن قاسم نہ تو ان کو قتل کرے گا اور نہ ان کے مندر سے تعرض کرے گا۔ مصنف کہتا ہے کہ یہ بدھ مذہب کا عبادت خانہ ہے بالکل اسی طرح جیسے عیسائیوں کے گرجے یہودیوں کے کنیسے اور آتش پرستوں کے آتشکدے۔ اہل راور پر خراج مقرر کیا اور ایک مسجد تعمیر کی اور وہاں سے سکہ سکھر کی جانب روانہ ہوا۔ یہ دریائے بیاس کے ورے ایک شہر ہے۔ محمد بن قاسم نے اس کو بھی فتح کیا پھر دریائے بیاس کو عبور کر کے ملتان پہنچا۔ اہل ملتان نے اس سے مقابلہ کیا سخت لڑائی ہوئی۔ زائدہ ابن عمیر طائی نے خوب اپنی بہادری کے جوہر

دکھلائے۔ مشرکین کو میدانِ جنگ میں شکست ہوئی تو بھاگ کر شہر میں گھس گئے اور قلعہ کے دروازے بند کر لئے۔

محمد بن قاسم نے اہل ملتان کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ بہت طویل ہو گیا مسلمانوں کے توشے سامانِ خورونوش ختم ہو گئے جب کچھ نہ رہا تو گدھے ذبح کر کے کھا گئے۔ آخر کار ایک شخص امان لے کر مسلمانوں کے پاس آیا اور اہلِ ملتان جو پانی پیتے تھے اس کے داخل ہونے کی جگہ راستہ سے آگاہ کیا۔ یہ پانی نہر بسمد سے آتا ہے اور شہر کے اندر بڑے حوض کی طرح ایک پانی کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے اور اس کو تلاح "تلاؤ" کہتے ہیں۔ محمد بن قاسم نے اس پانی کے راستے کو پاٹ کر بند کر دیا۔ جب وہ پیاسے مرنے لگے تو انہوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ چنانچہ محمد بن قاسم نے لڑنے والوں کو قتل کیا اور ان کے بیوی بچوں کو قید کر لیا اور بدھ مندر کے پجاری جو چھ ہزار تھے گرفتار کر لئے اور بہت سا سونا مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ یہ تمام اموالِ غنیمت ایک کوٹھڑی میں جمع کیے گئے جو دس گز آٹھ گز تھی۔ اس کی چھت میں ایک روشندان کھلا ہوا تھا۔ تمام اموال جو اس میں امانت رکھے جاتے سب اسی روشندان سے ڈالے جاتے تھے اسی لئے ملتان کا نام فرج بیت الذہب سونے کی کوٹھڑی کی سرحد پڑ گیا۔ فرج بمعنی سرحد ملتان کا یہ بدھ مندر اتنا بڑا مندر تھا کہ اس کے لئے اموال کے تحفے لائے جاتے تھے منتیں مانی جاتی تھیں اہلِ سندھ اس کے حج کے لئے آتے تھے طواف کرتے تھے۔ سر اور ڈاڑھیاں

اس کے پاس منڈلاتے تھے اور کہتے تھے کہ جو بت اس کے اندر ہے وہ حضرت ایوب علیہ السلام ہیں۔

مورخین نے کہا ہے کہ حجاج نے اس جنگ کے آمد و خرچ کا حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ اس نے ساٹھ ہزار چھ کروڑ درہم محمد بن قاسم پر خرچ کئے اور بیس اور ستو ہزار دو ہزار بارہ کروڑ اس کو وصول ہوئے تو اس نے کہا ہم نے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کر لیا یعنی مقتولین کا انتقام لے لیا۔ اور ساٹھ ہزار چھ کروڑ اور داہر کا سر نفع میں رہا۔

۹۵ھ میں حجاج کا انتقال ہو گیا تو محمد بن قاسم کے پاس اس کی وفات کی خبر آئی لہذا ملتان ہی سے راور اور بغرور کی جانب واپس چلا ان دونوں مقاموں کو پہلے فتح کر لیا تھا۔ یہاں آ کر لوگوں کو تنخواہیں دیں اور ایک لشکر بیلمان کی جانب روانہ کیا انہوں نے جنگ نہیں کی اور اطاعت قبول کر لی۔ اہل سرست نے بھی مصالحت کر لی۔ یہ سرست آج کل بصرہ کی فوجوں کی حرب گاہ ہے۔ یہاں کے باشندے میدا بحری قزاق ہیں جو ہمیشہ سمندر میں ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

پھر محمد بن قاسم کیرج آیا تو دوہر پسر داہر مقابلہ کے لئے نکلا۔ لڑائی ہوئی دشمن کی فوج نے شکست کھائی اور دوہر بھاگ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ قتل کر دیا گیا۔ اہل شہر نے ہتھیار ڈال دئے۔ محمد بن قاسم نے حسب دستور مقاتلین کو قتل اور بچوں اور عورتوں کو گرفتار کیا۔ شاعر کہتا ہے ؎

"ہم نے داہر اور دوہر دونوں کو قتل کر ڈالا در انحالیکہ سواروں
کے گروہ کے گروہ ہلاک ہو رہے تھے"

۹۶ھ میں خلیفہ ولید بن عبد الملک نے وفات پائی اور سلیمان
بن عبد الملک اس کی جگہ خلیفہ ہوا تو اس نے صالح بن عبد الرحمن کو عراق
کے خراج پر گورنر بنایا اور یزید ابن ابی کبشہ سکسکی کو سندھ پر تو یزید نے
محمد بن قاسم کو معاویہ بن مہلب کے ساتھ گرفتار کر کے بھیجا۔[۱] تو اسوقت
محمد بن قاسم نے یہ شعر اپنے حسب حال پڑھا ؎

"لوگوں نے مجھے ضائع کر دیا مگر افسوس انہوں نے لڑائی کے دن
اور سرحد کے استحکام کے لئے کام آنے والے کیسے اچھے نوجوان کو
ضائع کیا"

اہل ہند محمد بن قاسم کی گرفتاری پر بہت روئے اور کیرج میں اس کا
مجسمہ بنایا۔ صالح نے محمد بن قاسم کو واسط میں قید کر دیا۔ اس وقت
محمد نے یہ شعر پڑھے ؎

"اگر آج میں واسط اور اس کی سرزمین میں پابند سلاسل دست
بزنجیر طوق در گلو ہوں تو اس پر افسوس نہیں کیونکہ میں نے بہت سے
نوجوان سواروں کو اپنی ہیبت سے خوفزدہ کر دیا ہے اور کتنے ہی
اپنے ہمسروں کو میدانِ جنگ میں مقتول چھوڑ دیا ہے"

اور یہ اشعار پڑھے ؎

---

[۱] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۶۶

"اگر میں مقابلہ میں ٹھیرنے کا ارادہ کر لیتا تو بہت سی عورتیں اور
مرد جو لڑائی کے واسطے تیار کئے گئے تھے وہ پامال کر دیئے جاتے اور
نہ سکسکی گھوڑے ہمارے علاقہ میں داخل ہوتے اور نہ کوئی عکی
مجھ پر امیر ہوتا اور نہ میں مزونی غلام کا تابع ہوتا اے شرفا کو
تباہ کرنے والے زمانہ تیرا برا ہو"

صالح بن عبد الرحمٰن نے خاندان ابو عقیل کے اور لوگوں کے ساتھ محمد بن قاسم کو بھی سخت تکالیف پہنچائیں یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا۔ حجاج نے صالح کے بھائی آدم کو قتل کیا تھا اسی کے انتقام میں محمد بن قاسم کو صالح نے قتل کیا۔[ع] آدم خوارج کا عقیدہ رکھتا تھا خارجی مذہب تھا۔[ع۱]

حمزہ بن بیض حنفی نے محمد بن قاسم کی وفات پر یہ شعر پڑھا ہے ؎

"بے شک مروت رواداری اور جوانمردی محمد بن قاسم کے لئے مخصوص
تھیں سترہ سال کی عمر میں فوجوں کی سپہ سالاری کی۔ تعجب ہے، یہ

ع محمد بن قاسم کے قتل کا سبب یہ ہوا کہ ولید بن عبد الملک نے اپنے بھائی سلیمان کے بجائے اپنے بیٹے عبد العزیز بن ولید کو جانشین کرنا چاہا۔ قتیبہ بن مسلم اور حجاج نے ولید کی رائے کی تائید کی۔ اس سلسلہ میں حجاج نے قاسم کو خط لکھا۔ یہ تجویز پوری نہ ہونے پائی تھی کہ حجاج مر گیا۔ اس کے سات ماہ بعد ولید فوت ہوا۔ سلیمان نے جو جو ولید کے ہم نوا تھے ان کو قتل کرا دیا۔ اس لپیٹ میں قاسم بھی آیا۔ طبری جلد ہشتم صفحہ ۱۲۷۴ میں تفصیل ہے۔

ع۱ الکامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۴۶۵ و تاریخ طبری جلد ۸ صفحہ ۱۳۸۲

سرداری پیدائش سے کس قدر قریب ہے؟"

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

"سترہ سال کی عمر میں مردوں کی سپہ سالاری کی جبکہ اس کے
ہم سن اس سرداری سے غافل کھیل کود میں مصروف تھے"[1]

فاتح سندھ کی رواداری

محمد بن قاسم فاتح سندھ کی فاتحانہ سرگرمی اور مجاہدانہ کارنامے تفصیلی بیان کیئے جا چکے اس جگہ اس کے کردار اور اس کی رواداری کے واقعات پیش کیئے جاتے ہیں۔

بج رائے حاکم سیوستان پر ابن قاسم حملہ کرنے بڑھا۔ بج رائے مقابلہ کو تیار ہوا۔ اہل شہر نے کہا:۔

"مسلمانوں کا مقابلہ مناسب نہیں۔ صلح و آشتی سے کام لیجیے مسلمان صلح کی درخواست کو رد نہیں کریں گے اور وہ کسی کے مذہب میں مداخلت نہیں کرتے۔ لہٰذا کشت و خون کا ہنگامہ برپا کرنا فضول ہے۔"

چنانچہ راجہ داہر کے برادر زادہ بج رائے نے اپنا خاص جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ اس وقت مسلمان باجماعت نماز میں مشغول تھے۔ یہ حال دیکھ کر جاسوس واپس آیا اور راجہ سے کہا یہ لوگ اس قدر متحد اور

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۴۵

متفق ہیں کہ ان کا مغلوب کرنا سخت دشوار ہے۔ ننج رائے مرعوب ہو کر
رات ہی کو سیوستان سے فرار ہو گیا۔

جس روز راجہ داہر مارا گیا تو بہت سے لوگوں نے درخواست پیش
کی کہ ہم بخوشی مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ داخل اسلام
کئے گئے مگر دوسرے ہی روز فاتح سندھ نے اعلان کرایا:۔

"جو شخص چاہے اسلام قبول کرے اور جو چاہے اپنے آبائی
مذہب پر قائم رہے۔ ہماری طرف سے کوئی تعرض نہ ہو گا۔"

برہمن آباد جب فتح ہوا تو یہاں کے بعض باشندے ڈر سے بھاگنے
لگے۔ اس موقع پر محمد بن قاسم نے اعلان کرا دیا اور اس کا یہ سلوک رہا کہ
جو شخص اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے اسے بھاگ جانے دو۔ باشندگان
شہر سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ سوداگر دوکاندار اور اہل حرفہ بدستور
اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔ امن و امان کا اعلان کر دیا گیا۔ جنگی
قیدی جب محمد بن قاسم کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے ان کو رہا
کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ جو اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی
تعرض نہیں کیا جائے گا نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی
قسم کی مداخلت کی جائے گی نہ زمینیں چھینی جائیں گی۔ نہ جان و اموال
کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔

الور فتح ہو چکا تو محمد بن قاسم نے تعجب سے دیکھا کہ بہت سے
لوگ اس کے بڑے بت خانے نو دھار میں بت کے آگے سجدے میں

پڑے ہیں یہ اس کو پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مندر ہے۔ اس کے اندر محمد بن قاسم داخل ہوا اور واپس آیا۔ ایک چیز بھی نہیں بگاڑی بلکہ نکلنے کے بعد اعلان عام کر دیا:۔

"اس شہر کے باشندے ہر قسم کے ٹیکس اور محصول سے معاف کئے جاتے ہیں"

ملتان کو محمد بن قاسم نے فتح کیا اور کس طرح کیا۔ مورخ کا بیان ہے:۔ مسلمانوں نے بزور شمشیر ملتان پر قبضہ کیا اور اہل شہر کو کسی قسم کا نقصان پہونچائے بغیر امن وامان اور معافی کا اعلان کر دیا۔ محمد بن قاسم نے ہر جگہ شہروں کو لوٹنے اور رعایا کے اموال پر قبضہ کرنے سے روکا۔ مندروں کی مورتیوں کو جو جواہرات سے مرصع اور سونے چاندی کی بنی ہوئی تھیں کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ محمد بن قاسم کو سندھ کے لئے سپہ سالار بنا کر حجاج بن یوسف نے بھیجا تھا۔ تاریخ اسلامی میں حجاج اپنے ظلم وجور میں بری طرح بدنام ہے مگر فتح سندھ کے سلسلہ میں حجاج نے محمد بن قاسم کو جو ہدایتیں دی ہیں وہ پڑھنے کے لائق ہیں۔ فتح دیبل کی خوشخبری سن کر حجاج نے لکھا تھا۔

جب ملک پر تم قابض ہو جاؤ تو قلعوں کی استواری اور لشکر کی رفع احتیاج کے بعد تمام اموال وخزائن کو بہبود رعایا اور رفاہ خلق میں خرچ کرو اور یاد رکھو کہ کاشتکاروں کاریگروں

سوداگروں اور پیشہ وروں کی خوش حالی وفارغ البالی سے ملک آباد و سرسبز ہوتا ہے۔ رعایا کے ساتھ ہمیشہ رعایت کرو تاکہ وہ تمہاری طرف محبت کے ساتھ راغب ہوں کہیں یہ لوٹ کھسوٹ کی تعلیم ہے؟ ملک اور رعایا کے ساتھ رفق و ملاطفت کی کیسی دل نشین تاکید ہے۔"

محمد بن قاسم جب نیروں میں مقیم تھا تو حجاج کا گرامی نامہ موصول ہوا "اہل نیروں کے ساتھ نہایت نرمی اور دل دہی کا سلوک کرو۔ ان کی بہبودی کے لئے کوشش کرو۔ لڑنے والوں میں جو تم سے اماں طلب کرے۔ اس کو ضرور اماں دو۔ کسی مقام کے اکابر وارر تمہاری ملاقات کو آئیں ان کو قیمتی خلعت اور انعام واکرام سے سرفراز کرو۔ عقل و دانائی کو اپنا راہبر بناؤ جو وعدہ کسی سے کرو۔ ضرور پورا کرو تمہارے قول وفعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد واطمینان ہو۔"

کیا ان ہدایات میں وہ ساری باتیں درج نہیں ہیں جو ایک ذمہ دار کا فریضہ ہوتا ہے۔ ایک طرح غور کیا جائے کہ جو ہدایتیں ہیں وہ ملک وقوم کی فلاح و بہبودی سے متعلق ہیں یا ان میں ملک اور قوم کا جانی مالی اور سیاسی نقصان ہے۔ اخلاق واعمال کی پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے یا ظلم و جبر اور بربریت کی طرف۔

سیوستان کی فتح کی خوش خبری معلوم کر کے محمد بن قاسم کے نام اوپر سے ہدایت پہونچی کہ "جو کوئی تم سے جاگیر و ریاست طلب کرے تم اس کو ناامید نہ کرو، التجاؤں کو قبول کرو۔ امان وعفو سے رعایا کو

مطمئن کرو۔ سلطنت کے چار ارکان ہیں۔ اول مدارا و درگذر اور محبت دوم سخاوت و انعام۔ سوم دشمنوں کی مزاج شناسی اور ان کی مخالفت میں عقل کو ہاتھ سے نہ دینا۔ چہارم قوت و شہامت۔ تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو۔ جب وہ مال گذاری دینے کا اقرار کریں تو ہر طرح ان کی امداد و اعانت کرو۔"

محمد بن قاسم دریا پار ہو کر جب داہر کی فوج سے نبرد آزما ہوا تو حجاج بن یوسف کا ہدایت نامہ ملا۔ "پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو۔ تکبیر و قرأت قیام و قعود اور رکوع و سجود میں خدائے تعالےٰ کے روبرو تضرع و زاری کرو۔ زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھو۔ کسی شخص کو شوکت و قوت خدا تعالےٰ کی مہربانی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اگر تم خدا تعالےٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً مظفر و منصور رہو گے۔ ممالک اسلامیہ کے بادشاہ گورنر جنرل اور وزیر اعظم تمہارا انتظام و اہتمام اور ہر ایک کام شرع کے مطابق ہو۔ جو لوگ بزرگ اور ذی وقعت ہو ان کو ضرور اماں دو لیکن شریر اور بدمعاشوں کو دیکھ بھال کر آزاد کیا کرو۔ اپنے عہد و پیمان کا ہمیشہ لحاظ رکھو اور امن پسند رعایا کی استمالت کرو۔"

ایک دوسرے خط میں محمد بن قاسم کی خدمت کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ "برہمن آباد کی فتح کے بعد پجاریوں کا ایک معزز وفد محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ شکوہ پیش کیا کہ مسلمان سپاہیوں

کے خوف سے ہندو مندروں میں پوجا کے لئے بہت کم آنے لگے ہیں۔ ہماری آمدنی کم پڑ گئی ہے۔ ایام محاصرہ میں بعض مندروں کو نقصان پہونچا ہے۔ اس کی مرمت اب تک نہ ہو سکی ہے۔ لہٰذا آپ ان مندروں کی اپنے اہتمام میں مرمت کرائیں اور ہندوؤں کو مجبور کریں کہ وہ بے خوف و خطر مندروں میں آکر پوجا کریں۔"

محمد بن قاسم نے جواب دیا کہ "تمہارے مندر کا تعلق شہر الور سے ہے اور وہ میرے قبضہ میں نہیں میں کیسے دخل دوں۔" پجاریوں نے کہا اب ان مندروں کا معاملہ ہم لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ لہٰذا اب سب کچھ آپ ہی کو کرنا چاہیئے۔"

محمد بن قاسم نے فوراً یہ تفصیل لکھ کر حجاج کو خبر دی۔ حجاج نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ برہمن آباد کے ہندو اپنے مندروں کی عمارت درست کرنا چاہتے ہیں چونکہ انہوں نے اطاعت قبول کر لی ہے۔ لہٰذا ان کو اپنے معبودوں کی عبادت میں آزادی حاصل ہے۔

غرضکہ یہ تھی محمد بن قاسم کی رواداری کی مختصر داستان۔ اب محمد بن قاسم کے جانے کے بعد کے حالات بیان کئے جاتے ہیں۔

یزید بن ابی کبشہ سکسکی والی سندھ کی وفات کے بعد حبیب بن مہلب کے تقرر سے سندھ کے امن و امان کو نقصان پہونچا۔ خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ۹۹ھ میں ابن مہلب کو معزول

کر کے عمرو بن مسلم باہلی کو امارت سندھ پر بھیجا اور یہاں کے اصلی باشندوں میں سے ارباب اقتدار کو تبلیغی دعوت نامے بھیجے جس سے سمجھدار لوگ بے حد متاثر ہو کر ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ بھی تھا۔

اس کے بعد آل مہلب نے خلافت سے بغاوت کی۔ اپنے سابق اثرات سے فائدہ اٹھا کر سندھ کو اپنا مرکز قرار دیا۔ وداع ابن حمید یہاں ان کا سرغنہ بنا مگر ہلال بن احوز تمیمی کی سرکردگی میں خلیفہ کا لشکر آیا جس نے آل مہلب سے مقابلہ کر کے ان کا خاتمہ کیا۔

۱۰۷ھ میں عمرو بن مسلم باہلی کے بجائے جنید بن عبدالرحمٰن المری کو یہاں کا امیر بنا کر بھیجا گیا۔ راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز سے امان طلب کر کے اور اجازت حکمرانی لے کر برہمن آباد کو اپنا پایہ تخت بنا کر حکومت کرتا رہا۔ جنید سے اس کے تعلقات بگڑ گئے جس کی وجہ سے دونوں میں جنگ آزمائی ہوئی۔ جے سنگھ مارا گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا۔ مارواڑ گجرات گیا پھر آگے بڑھ کر کشمیر کی سرحد تک پہنچا۔

۱۱۱ھ میں باب خلافت کی طرف سے جنید صوبہ خراسان کا والی بنا دیا گیا اور سندھ کی حکومت تمیم بن زید عتبی کے ہاتھ میں آئی

مشہور شاعر فرزدق نے اسی کے نام اپنا مشہور قصیدہ لکھ کر بھیجا تھا۔
تمیم کامیاب حکمراں ثابت نہ ہوسکا جلد فوت ہو گیا جس سے ملک میں عام ابتری پیدا ہو گئی تو سندھ کی عنان حکومت عارضی طور پر دوبارہ جنید کے سپرد کی گئی وہ خراسان میں رہ کر یہاں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ مگر انتظامی حالت سندھ کی روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ آخرش والی عراق کی طرف سے حکم بن عوانہ کلبی امیر سندھ بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے ایک قلعہ بند شہر محفوظہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کو سندھ میں اسلامی حکومت کا پایۂ تخت اور مسلمانوں کا مرکز قرار دیا۔ امن و امان قائم کرنے کے لئے فوجیں بھیجیں جس سے ملک میں نئے سرے سے امن و امان قائم ہو گیا۔ فتوحات سے واپسی میں اس نے دوسرے شہر منصورہ کی بنا ڈالی جو آخر میں اسلامی حکومت کا پایۂ تخت بنا۔
۱۲۱ھ (۷۳۸ء) یا ۱۲۲ھ (۷۳۹ء) میں حکیم ایک لڑائی میں کام آیا عراق کی حکومت یوسف بن عمر ثقفی کے ہاتھ میں تھی چنانچہ سندھ کی حکومت محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو کے ہاتھ میں دی گئی۔ اس کے دور میں بغاوت کو فروغ حاصل ہوا مگر وہ اپنی پامردی اور شجاعت سے مقابلہ کرتا رہا یہاں تک کہ باغیوں کو شکست دی۔ اسی اثناء میں آل مہلب نے مروان بن یزید بن مہلب کی سرکردگی میں پھر سر اٹھایا۔ مروان قتل کیا گیا جس کے بعد یہ فتنہ بھی رفع ہوا۔ اس اثناء میں خلافت دمشق پر ہشام کی جگہ ولید آیا اس نے ہشام کے والیوں کو معزول کیا۔

اور ۱۲۶ھ میں عمرو بن ثقفی بھی معزول کیا گیا اور سندھ کی ولایت کی باگ یزید بن عرار کے ہاتھ میں آگئی۔ یہ سندھ میں اموی سلطنت کا آخری والی تھا۔ اس دور میں دارالخلافت انقلابات کا آماجگاہ رہا یہاں تک کہ اموی خلافت کا خاتمہ ہوگیا اور ۱۳۲ھ سے عباسیوں کا پرچم لہرانے لگا۔ عباسیوں کے دعاۃ اور اموی سلطنت کے مخالفین دور دور کے صوبوں میں پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ سندھ میں اموی سلطنت کا چراغ پہلے گل ہوا۔

منصور بن جمہور کلبی جو دارالخلافہ سے فتنہ برپا کرتا ہوا سندھ تک آپہونچا تھا ۱۳۱ھ میں ابن اعرار سے مقابلہ کر کے اس کو قتل کیا اور اپنی آزاد حکومت سندھ میں قائم کر لی۔

عہد بنی عباس

منصور بن جمہور کلبی سے سندھ کی اسلامی حکومت کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ منصور کو مغربی سندھ کے علاقہ قندابیل اور دیبل وغیرہ کا حاکم بنایا اور خود حکومت سندھ کے انصرام میں مصروف ہوگیا۔ اس زمانہ میں خلافت عباسیہ کی طرف سے ابو مسلم خراسانی مشرقی ممالک کا نگراں تھا۔ اس نے سندھ کی ولایت کے لیے ابو مسلم عبدالرحمن بن مسلم مغلس عبدی کو مامور کیا۔ وہ فوج لے کر دیبل پہنچا۔ یہاں منظور کلبی نے مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ یہ سن کر منصور خود آگے بڑھا۔ منصورہ کے قریب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا مغلس عبدی کو شکست ہوئی وہ گرفتار ہو کر

۱۳۳ھ میں قتل کیا گیا۔ ابو مسلم خراسانی نے یہ روداد سن کر موسیٰ بن کعب تمیمی کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ سندھ پر حملہ کے لئے روانہ کیا اس نے منصور کو شکست دی وہ فرار ہوا اور صحرا میں پیاس کی شدت سے جان دی اس طرح ۱۳۴ھ میں سندھ کی حکومت خلافت عباسیہ کے زیر اقتدار آئی۔

موسیٰ پہلا عباسی امیر سندھ تھا۔ کچھ دنوں یہاں مقیم رہا فاتحانہ سرگرمی دکھائی اور اپنے بیٹے عیینہ کو اپنا قائم مقام بنا کر عراق واپس گیا۔ عیینہ کامیاب حکمران ثابت نہیں ہوا۔ ملک کے مقیم عرب باشندوں میں قبائلی جنگ شروع ہو گئی۔ قحطانی و نزاری قبیلے اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اس نے سب کو قتل کرایا۔ پھر اس کے خلاف بعض سازشیں بھی ہوئیں۔ بالآخر خلیفہ منصور عباسی ۱۴۳ھ میں عمر بن حفص کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔ عیینہ بغاوت پر آمادہ ہوا۔ عمر بن حفص نے کامیاب پیش قدمی کی اور امان دیکر منصورہ پر قبضہ کیا اور عیینہ کو گرفتار کر کے دارالخلافہ بھیج دیا۔ لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں قتل کر دیا گیا۔

عمر بن حفص کا دور حکومت کئی حیثیتوں سے اہم ہے۔ اسی کے عہد حکومت میں شیعی اور خارجی دونوں فرقوں کے مبلغین سندھ میں وارد ہوئے۔ چنانچہ ۱۴۲ھ ۷۵۹ء میں خارجی فرقہ کا مبلغ حسان بن مجاہد ہمدانی سندھ میں داخل ہوا مگر عمر بن حفص سادات کا طرفدار تھا۔

خارجیوں کو اس کی حمایت حاصل نہ ہو سکی اس لئے یہ مبلغین موصل واپس چلے گئے۔

دوسری طرف حضرت عبداللہ بن محمد معروف بہ عبداللہ الاشتر ابن النفس الذاکیہ مدعی خلافت سندھ میں وارد ہوئے۔ عمر بن حفص نے اپنے فطری رجحانات سے ان سے چشم پوشی کی اس طرح وہ خود سندھ میں شیعیت کی تحریک کے فروغ پانے میں معاون بنا۔ حضرت عبداللہ بن محمد معروف بہ عبداللہ الاشتر بن محمد النفس الذاکیہ کی عقیدت سے پذیرائی کی اور رازداری کے ساتھ ان کو راجہ کے حدود حکومت میں ٹھہرادیا اور یہ اپنے طریقہ کی تبلیغ میں مصروف رہے اور شیعیت کی اشاعت ہوتی رہی۔ اتفاق سے ۱۵۱ھ میں خلیفہ المنصور عباسی کو حضرت عبداللہ الاشتر کے حالات معلوم ہوگئے۔ اس نے ان کی گرفتاری کا حکم بھیجا اس حکم کی تعمیل میں ایک دوسرے فدائی کو الاشتر کا نام دے کر یہاں سے دارالخلافت بھیجا گیا جو وہاں قتل کیا گیا۔

المنصور کو اس واقعہ کی بھی آگاہی ہوگئی مگر صورت حال ایسی تھی کہ وہ عمر بن حفص کے خلاف کسی جرم کا کوئی ثبوت نہ رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ وہ اس کے تدبر و دانائی کا قائل تھا اس لئے اس نے اس کو سندھ کی ولایت سے ہٹا کر افریقہ جیسے بڑے صوبہ کی ولایت پر مامور کر دیا۔ اور سندھ کی ولایت کا پروانہ ہشام بن عمرو ثعلبی کو دیا جس نے ۱۵۱ھ میں یہاں آکر زمام حکومت سنبھال لی۔

منصور عباسی نے ہشام کو بھی عبداللہ الاشتر کی گرفتاری کا حکم بھیجا مگر در پردہ یہ بھی سادات کا ہم نوا تھا۔ اس نے ان کی گرفتاری سے اغماض کیا۔ مگر اس کے بھائی سفیح بن عمرو ثعلبی نے اچانک ان کے دستہ کو دیکھ لیا اور حملہ آور ہو کر قتل کر ڈالا۔ ہشام نے ان کے اہل و عیال اور محمد بن عبداللہ معروف بہ ابن الاشتر کو منصور عباسی کے پاس بھیج دیا جس نے اس کو مدینہ منورہ کے عامل کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ حضرت عبداللہ الاشتر نے سندھ ہی میں جام شہادت نوش کیا۔ مگر شیعیت کے اثرات فنا نہ ہو سکے۔ اس کے بعد ہشام ثعلبی نے توسیع مملکت کی فکر کی اور بھروچ ملتان اور گندہار کو قبضہ میں لایا پھر ۱۵۷ھ میں رخصت لے کر وطن گیا اور وہیں فوت ہوا۔ سندھ کی ولایت پر معبد بن خلیل تمیمی مامور کیا گیا۔ اس نے ۱۵۹ھ میں وفات پائی تو روح بن حاتم مقرر کیا گیا۔

اس زمانہ میں ہندوستان کے خلاف بحری مہم بھی جاری رہی چنانچہ عربوں کے جنگی بیڑے ساحل گجرات سے آکر ٹکرائے خلیفہ مہدی کا بھیجا ہوا ایک عربی بیڑا گجرات کے ساحل پر عرب تاجروں کے کسی تنازع کے سبب سے آیا تھا۔ اس بیڑے میں حضرت مولانا ابو حفص ربیع بن صبیح سعدی محدث بھی تھے جو سندھ آئے۔ اور امامت پر مامور ہوئے جو ہند کی سرزمین میں آسودہ خواب ہیں۔

از تبع تابعین و کملائے محدثین است از حسن البصری و عطاء روایت

می کند عابد و مجاہد بود ۱۶۰ھ ملک سندھ رحلت فرمود۔[ع۵]

سندھ کی ولایت میں تغیر و تبدل ہوتا رہا چنانچہ ۱۵۹ھ میں روح بن حاتم جو والی مقرر ہو کر آیا اسی سال واپس بلا لیا گیا۔ اس کی جگہ بسطام بن عمر کو دی گئی مگر ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ میں وہ بھی طلب کر لیا گیا اور روح بن حاتم کو دوبارہ بھیجا گیا مگر چند ہی مہینوں میں اس کی ناکامی ظاہر ہوئی تو نصر بن محمد بن اشعث خزاعی والی سندھ ہو کر آیا مگر وہ بھی اسی سال واپس بلا لیا گیا اور سندھ کی زمام سلطنت ایک ہاشمی محمد بن سلیمان بن علی کے ہاتھ میں دی گئی جس نے عبدالملک بن شہاب مسمعی کو اپنا نائب بنا کر بھیجا جو اس سے پہلے بھی بحری حملہ میں آچکا تھا۔ مگر اس کی نیابت بھی قائم نہ رہ سکی اور نصر دوبارہ مقرر ہو کر آیا۔ پھر زبیر بن عباس اس عہدہ پر بھیجا گیا۔ اس کے بعد صبیح بن عمر تغلبی کے ہاتھوں میں سندھ کی ولایت سپرد کی گئی۔ اس دور میں یہاں تمیمی و حجازی نزاع شباب پر پہنچ گیا تو نصر بن محمد بن اشعث تیسری مرتبہ یہاں والی ہو کر آیا اور ۱۶۱ھ سے ۱۶۴ھ تک کامیاب حکمرانی کر کے فوت ہوا۔

خلیفہ مہدی نے اپنے غلام لیث بن طریف کو اس عہدہ پر مامور کر کے بھیجا مگر سندھ میں داخلی بدامنی کا دور دورہ ہو چکا تھا۔ اس نے اس کو فرو کیا تو جاٹوں نے منظم بغاوت کی۔ خلیفہ مہدی نے لشکر بھیج کر لیث کی مدد کی۔ ۱۶۵ھ میں یہ بغاوت فرو ہوئی۔ اس کے بعد ہارون رشید

ع۵ تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۳

کی خلافت کا دور آیا۔ اس نے ۱۷۱ھ میں سالم یونسی کو والی بنا کر بھیجا
اس نے چار سال حکمرانی کی اس کے بعد ۱۷۴ھ میں اسحاق بن سلیمان
ہاشمی آیا وہ اسی سال وفات پا گیا تو اس کا لڑکا یوسف بن اسحٰق اس کا
قائم مقام بنا۔

اس کے بعد خلیفہ ہارون رشید نے طیفور بن عبداللہ بن منصور
کو والی بنا کر بھیج دیا اور ملک میں قبائلی لڑائی پھر شروع ہو گئی تو جابر
بن اشعث طائی آیا اس کی ناکامی پر سعید بن سلیم بن قتیبہ مقرر کیا گیا۔
اس نے اپنے بھائی کثیر بن مسلم کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیا تو مزید بدامنی
پیدا ہوئی۔ اس لئے عیسٰی بن جعفر بن منصور عباسی کو اس ولایت کی
مہم سپرد ہوئی اس نے محمد بن عدی ثعلبی کو اپنا قائم مقام بنایا۔ اس نے
سندھ میں ناکامی کے بعد ملتان کا رخ کیا وہاں بھی ناکام رہا تو
عبدالرحمٰن یہاں کا والی بنا کر بھیجا گیا۔ پھر ایوب بن جعفر بن سلیمان
آیا۔ ان پے در پے ناکامیوں کے بعد ہارون رشید کی نگاہ انتخاب
آل مہلب پر اٹھی اور اس نے ۱۸۴ھ میں داؤد بن یزید بن یزید بن حاتم
مہلبی کو سندھ کی عنان حکومت دی۔

داؤد مہلبی نے پہلے مغیرہ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ سندھ میں ان دنوں
عربوں کی قبائلی خانہ جنگی برپا تھی۔ مغیرہ نزاریوں کو مطیع کرنے میں ناکام
رہا اور واقعات کی اطلاع داؤد کے پاس بھیجی تو وہ خود سندھ آیا اور اپنی
سخت گیریوں سے سندھ سے نزاریوں کی طاقت کا خاتمہ کیا وہ تقریباً

۲۰ سال تک امن و امان سے حکومت کرتا رہا۔

۲۰۵ھ / ۸۲۰ء میں اس کی وفات کے بعد مامون نے اس کے بیٹے بشیر کو یہاں کی سندھ ولایت بھیجی اور دس لاکھ درہم و ڈھائی لاکھ روپیہ سالانہ خراج مقرر کیا۔ بشیر چند سال حکمرانی کرتا رہا مگر پھر خراج کا بھیجنا بند کر دیا اور اطاعت سے انحراف کیا تو مامون نے پہلے ۲۱۱ھ / ۸۲۶ء میں حاجب بن صالح کو بھیجا۔ بشیر نے اس کو شکست دی تو ۲۱۳ھ / ۸۲۷ء میں عثمان بن عباد جبلی اور اس کے بھائی محمد بن عباد کو سندھ کے معاملات درست کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے آکر ۲۱۳ھ / ۸۲۷ء میں سندھ کو اپنا اقتدار میں لے لیا۔ یہاں کے معاملات کو یکسو کر کے وہ بشیر کو ساتھ لے کر بغداد چلا گیا۔ پھر موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمکی کو والی بنا کر بھیجا جو ۲۱۸ھ تک رہا۔ اس کے بعد عمران بن موسیٰ معتصم کے عہد میں آیا۔ واثق باللہ نے ۲۲۷ھ میں ایتاخ ترکی کو والی مقرر کیا۔ متوکل کے عہد میں ہارون بن ابی خالد مروذی کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا مگر حجازیوں کے سرگروہ عمر بن عبدالعزیز ہباری نے سندھ پر اقتدار حاصل کر لیا[۱] اور خالد کو قتل کرادیا اور متوکل کو درخواست اپنی ولایت کے لئے دی۔ خلیفہ نے منظور کر لی۔ کچھ عرصہ بعد اس نے خود مختار حکومت قائم کر لی۔ مگر حالات بگڑتے گئے جو عرب قبائل یہاں آباد ہوئے تھے وہ باہمی دست و گریبان ہو گئے حکومت کمزور ہو گئی۔ ہندو راجاؤں نے بہت سے علاقہ پر

---

[۱] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۹۶ ۔ عہد اسلامی کا ہندوستان صفحہ ۷

قبضہ جمایا۔ اب صرف دو حکومتیں قائم ہو گئیں ایک کا دار السلطنت منصورہ تھا دوسری کا ملتان۔

حکومت ہباریہ اس حکومت کے حالات بیان کرنے سے پہلے عربی قبائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔ عرب خاندان سندھ میں آباد ہو گئے۔ جیسے بنو سَمہ (ملتان میں) ہباری (قریشی منصورہ میں بنو ثقیف (بھکر الور میں)۔ ان کے علاوہ بنی تمیم آل مغیرہ عباسی صدیقی فاروقی عثمانی، اشعری۔ بنو اسد۔ بنو عتبہ سادات وغیرہ ملک کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئے۔ صدیوں سندھ میں رہنے سہنے شادی بیاہ کرنے سے ان کی اصل عربی معاشرت میں فرق آگیا اور آہستہ آہستہ وہ مخلوط معاشرت کے خوگر ہو گئے۔ اور پھر خاندان کے نام سندھی تلفظ میں ایسے ہو گئے کہ شناخت مشکل ہو گئی۔ مثلاً مغیرہ سے موریہ۔

ابتدائے عہد میں ولاۃ سندھ کی طرف سے زمین کے بڑے بڑے قطعات مثلاً صوبہ تحصیل وغیرہ ان خاندانوں کو ٹیکس وصول کرنے اور انتظامی امور کے انجام دہی کے لئے سپرد کئے گئے جس پر وہ نسلاً بعد نسل بطور وراثت قابض رہے۔ سندھ کی مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان میں سے قریش کے ایک خاندان نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس خاندان کا پہلا حاکم عمر بن عبد العزیز ہباری مذکور الذکر ہوا جو ۲۴۰ھ میں سندھ کا خود مختار حاکم بنا اور تیس برس حکومت کر کے وفات پا گیا اس کے بعد اس کا لڑکا عبداللہ

تخت نشین ہوا۔

سنہ ۲۷۹ھ میں ایک عام بلوہ ہوا جس میں عمر جو بنو کندہ کا غلام تھا سندھ پر قابض ہوگیا۔ گو منصورہ پر عبداللہ کا دوبارہ قبضہ ہوگیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ملتان اس کے اقتدار سے باہر رہا۔ کیونکہ بنو سامہ کا خاندان جو عمان میں آباد تھا اس کی ایک شاخ بنو منبہ ملتان میں بس گئی تھی۔ اس نے اس بدامنی سے فائدہ اٹھا کر ملتان پر قبضہ کرلیا اور سنہ ۲۹۰ ہجری میں بلا شرکت غیرے وہ ایک بڑی طاقت ور اور وسیع سلطنت ہوگئی۔ غرض سندھ کے دونوں حصوں پر دو قبیلے عرصہ دراز تک حکمران رہے۔

سنہ ۲۷۰ھ میں جب فاطمی حکومت مصر میں قائم ہوئی تو عبداللہ المہدی کی طرف سے داعی ابوالقاسم بن فرخ کا بھائی ہشیم نامی سندھ میں ان کا پہلا داعی بن کر آیا اور فاطمی حکومت کی دعوت میں مصروف ہوگیا۔

عزیز باللہ خلیفہ (متوفی سنہ ۳۸۶ھ) کے عہد میں جلیم بن شیبان[۱] یاسیبان کو فوجی مدد کے ساتھ بھیجا گیا جس نے اچانک سنہ ۳۶۳ھ کے بعد ملتان پر قبضہ کرلیا۔[۲]

یہ امر قابل ذکر ہے کہ سندھ بلوچستان کے علاقے چونکہ بحرین و

---

[۱] منتہی الافکار حلمی و موسم بہار جلد سوم صفحہ ۲۴ و ۷۷ بمبئی۔

[۲] موسم بہار جلد سوم کتاب الہند بیرونی

عمان اور یمن کے سواحل سے آمد و رفت اور تجارت کے ذریعہ پیوستہ تھے۔ اس لئے عربی سواحل کے مذہبی و سیاسی اثرات سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں پر لازماً پڑتے رہے اس کا نتیجہ تھا کہ سندھ کے سومرہ نام قبیلہ نے جس کی اصلیت پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ غالباً ۳۷۰ھ میں اسماعیلی دعوت قبول کر لی۔ ۴۰۱ھ میں محمود غزنوی نے جب ملتان کی اسماعیلی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تو گمان غالب یہ ہے کہ یہ لوگ ملتان سے بھاگ کر منصورہ چلے آئے اور اچانک منصورہ کو ہباری خاندان سے چھین کر وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔

۴۱۹ھ میں محمود غزنوی نے یہاں سے بھی ان کو بیدخل کر دیا۔ اب ملک میں کوئی مرکزی حکومت نہ رہی لیکن چھوٹے بڑے زمیندار جن کو ہندوستانی عام طور پر رائے اور راجہ کہتے ہیں متعدد تھے جن میں سومرہ کا خاندان سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس سبب سے مصر کے فاطمی امام نے اس کو سندھ کی مذہبی سرداری عطا کی اور شیخ کا خطاب عنایت کیا۔ یہ خاندان سندھ میں تقریباً دو سو برس سے با جگذار کی حیثیت سے ملک کے ایک حصے پر قابض تھا[عل] جن میں سے ان کے نامور اشخاص بھونرا۔ ہودل۔ بیلا ہیں سومرہ اول سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ) کا ہم عصر ہے۔ اور چونکہ اس نے سلطان سے مقابلہ کی طاقت اپنے میں نہیں دیکھی اس لئے اپنی جگہ پر خاموش رہا۔

عل تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۲۷ بمبئی

اس کی وفات کے بعد اوس کے لڑکے پال بن سومرہ کو جو سلطان مسعود غزنوی (سنہ ۴۲۱ھ و سنہ ۴۳۰ھ) کا ہم عصر تھا در وزیوں (شام میں اسمٰعیلیوں کا ایک فرقہ) کے امام نے خط لکھکر ابھار اغالبًا اُسی وقت سے ملک کے تمام اسمٰعیلی خاندان سامرہ (سومرہ) کی معیت میں انقلاب کی کوشش میں لگ گئے اور دس برس کے بعد سلطان عبد الرشید غزنوی سنہ ۴۴۴ تا سنہ ۴۴۱ھ کے عہد میں مرکزی سلطنت کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاکر سومرہ دوم نے بمقام تھری ریگستان علاقے میں سنہ ۴۴۵ھ میں مطابق سنہ ۱۰۵۲ء ایک سلطنت قائم کی اور سندھ کے ایک قبیلہ سعد نامی کی لڑکی سے شادی کرلی جس سے اس کا ولی عہد پیدا ہوا۔ (۱) یہ خاندان روز بروز ترقی کرتا گیا۔ آہستہ آہستہ تمام سندھ اور ملتان پر قابض ہوگیا۔ سنہ ۵۷۱ھ میں سلطان محمد غوری نے اسمٰعیلیوں سے ملتان لے لیا تب اچھ میں انہوں نے سلطنت جمائی۔ سنہ ۵۷۴ ہجری میں اس نے اچھ بھی چھین لیا۔ اور سندھ پر علی کرماخ کو حاکم بنایا۔ اس وقت محمد تغلق کے عہد تک سندھ اور ملتان دونوں دہلی کے ماتحت رہے اور ایک حاکم (صوبہ دار) ہمیشہ وہاں حکومت کرتا رہا لیکن سومرہ (اسمٰعیلی) ایک ماتحت کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے میں کامیاب رہے۔ وہ ہر وقت آزادی کی فکر میں لگے رہتے اور جب کبھی اس کا موقع ملتا آزاد ہو جاتے اور مجبور کیے جانے پر پھر ماتحت ہو جاتے جیسا کہ علاء الدین خلجی۔ ملک تغلق۔ سلطان محمد تغلق

کے ابتدائی اور آخری عہد میں ہوتا رہا۔

(۲) ۵۲ے ھ کے بعد اور ۶۳ے ھ کے درمیان سمہ قوم نے سومریوں سے سلطنت چھین لی۔

سومرہ قوم کی اصلیت

سومرہ قوم کے متعلق جس نے پانچویں صدی ہجری کے اواسط سے آٹھویں صدی کے اواسط تک سندھ پر حکومت کی۔ اتنا تو یقینی طور سے ثابت ہے کہ یہ مذہبًا مسلمان اور مسلکاً اسمٰعیلی تھے لیکن ان کی قومیت پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ جو کسی طرح نہیں اٹھتا۔

ان کے نام بیشتر ہندوانہ ہیں اور بعض مورخین کی تصریح بھی ملتی ہے کہ وہ ہندو تھے۔ یورپ کے مورخوں نے تو علانیہ لکھا ہے کہ یہ نومسلم راجپوت تھے۔ مگر قیاس کے سوا انہوں نے اس کی کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔ اسی سلسلہ میں سب سے اہم چیز اسمٰعیلی دروزی امام کا ایک خط ہے جس میں ۴۲۳ھ ہجری میں شیخ ابن سومر راجہ پل کو سندھ اور ملتان میں دوبارہ اسمٰعیلی حکومت کے قیام کے لئے غیرت دلائی گئی ہے۔ شیخ بن سومر راجہ پل کے نام سے اس کا نومسلم ہندو ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

تاریخ معصومی میں جو ۱۰۱۱ھ کی تصنیف ہے یہ لکھا ہے کہ غزنویوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر سومرہ (حرم سومرہ) نے سومرہ نام ایک شخص کو اپنا افسر بنا کر حکومت قائم کر لی اور صاد (سعد) نامی ایک زمیندار

کی لڑکی سے شادی کی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بھونگر رکھا گیا اور وہ اس کا جانشین ہوا۔ اس کے بعد اس کی نسل کے چند اور بادشاہ ہوئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی رائے ہے[۵] کہ نومسلم سومری راجہ نے کسی قدیم عرب مسلمان خاندان میں شادی کی اور اس سے نسل چلی اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ ہندی عربی مخلوط نسل کا تھا۔ اس خاندان کے بادشاہوں کے نام معصومی کی کتاب میں حسب ذیل ملتے ہیں:۔

(۱) سومرہ۔ (۲) بھونگر۔ (۳) دودا۔ (۴) تاری (شہزادی کا نام)۔ (۵) سنگھار۔ (۶) ہموں (سنگھار کی بیوہ)۔ (۷) پتھو (شاید کہ پتھو ہو)۔ (۸) خیرا۔ (۹) ارمیل۔

تاریخ طاہری میں جو ۱۰۳۰ھ کی تصنیف ہے سومرہ قوم کی اصلیت کے متعلق یہ مذکور ہے کہ سندھ میں دلورائے ایک راجہ تھا۔ اس نے اپنے بھائی چھوٹا امرانی پر ظلم کیا۔ چھوٹا امرانی فریاد لے کر خلیفہ بغداد کی خدمت میں گیا۔ خلیفہ نے سامرا (عراق کے شہر کا نام) کے سو عربوں اور سادات کو اس کے ساتھ کر دیا۔ سید السادات نے سندھ آ کر سکونت اختیار کر لی اور دلورائے نے اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی۔ تاریخ طاہری نے دلورائے اور اس کے بھائی کے اختلاف کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چھوٹا بھائی بچپن سے اسلام کی طرف مائل تھا۔ اور قرآن

---

[۵] عرب و ہند کے تعلقات۔

پڑھتا تھا اور دل میں مسلمان ہوگیا تھا۔ وہ چھپ کر حج کو چلا راستے میں ایک عجیب طریقہ سے فاطمہ نام ایک لڑکی سے شادی کرلی۔ اس کتاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ "سومرہ" قوم سامرہ کے عربوں سے نکلی ہے جو سندھ میں دوسری صدی ہجری میں قبیلہ تمیم کے ساتھ آئی۔ تمیم عباسیہ کے زمانہ میں سندھ کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔ غرض سومرہ کی وجہ تسمیہ کو مصنف نے عراق کے "سامرا" سے نکالنے کی کوشش کی ہے لیکن سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ شہر سامرہ جن کی عربی اصل سومن رائے (جو اس کو دیکھے وہ خوش ہو) یہ شہر معتصم عباسی نے ۲۲۷ھ میں بسایا تھا۔ دوسری صدی میں اس کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ پھر عباسی دور میں قبیلہ تمیم کا جو گورنر موسیٰ بن کعب تمیمی کے نام سے آیا تھا۔ وہ سفاح کے زمانہ میں ۱۳۲ھ ۱۳۶ھ) یہاں آیا تھا جبکہ سامرہ کا وجود بھی نہ تھا اس لئے سومرہ قوم کے نام کا جوڑ شہر سامرا سے پیدا کرنے کی کوشش لفظی صنعت گری کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

تحفۃ الکرام نے سومرہ بادشاہوں کے نام حسب ذیل لکھے ہیں:۔

(۱) سومرہ۔ (۲) بھونگر بن سومرہ۔ (۳) دودا بن بھونگر۔ (۴) سنگھر۔ (۵) حنیف (یا خفیف)۔ (۶) عمر (یا آنر)۔ (۷) دودا دوم۔ (۸) پٹھو۔ (۹) گھنرا اول۔ (۱۰) محمد تور۔ (۱۱) گھنرا دوم (۱۲) دودا سوم (۱۳) تائی۔ (۱۴) چنیسر۔ (۱۵) بھونگر دوم۔ (۱۶) حفیف (یا خفیف دوم) (۱۷) دودا چہارم۔ (۱۸) عمر سومرا۔ (۱۹) بھونگر۔ (۲۰) ہمیر (یا امیر)۔

ظاہر ہے کہ ان ناموں کی ساخت تمام تر عربی ہے۔ عمر نام حقیقت میں اثر باؤ نار ہے چنانچہ یہی نام ابن بطوطہ اور سراج عفیف میں ہے۔ حفیف اس سومرہ سردار بادشاہ کا نام تھا جو سلطان محمود غزنوی کا معاصر تھا۔ چنانچہ سلطان کے درباری شاعر فرخی نے سومنات کی فتح پر جو قصیدہ دربار میں پیش کیا تھا اس میں اس کا نام موجود ہے۔

۶۲۰ھ میں ایک دو سال پہلے سلطان جلال الدین خوارزم شاہ چنگیزی مغلوں سے بھاگ کر سندھ میں بمقام ٹھٹھہ آیا تو اس وقت کے سومری بادشاہ کا نام فرشتہ میں جنیر لکھا ہے جو اصل میں چنیر ہے طبقات ناصری "ملک سنان الدین چنیر والی دیول وسندھ" کے لقب و نام سے اس کا ذکر آیا ہے جس نے ۶۲۵ھ میں بادشاہ دہلی کی اطاعت قبول کی تھی چنیر کی اصل "چند ایشور" بتاتے ہیں چندر چاند اور ایشور خدا نام کی یہ اصل ہند ونسل کا پتہ دیتی ہے اور ملک سنان الدین کا لقب اس کے اسلام کو ظاہر کرتا ہے۔

ان سومری بادشاہوں کے نام معتبر معاصر حوالوں سے ثابت ہیں۔ بعض ناموں کی تصحیح قیاساً بھی کی جاسکتی ہے۔ مثلاً سومرہ نام کی اصل سوم رائے معلوم ہوتی ہے۔ سوم کے معنی ہندی میں چاند کے ہیں وہ اصل میں رائے ہے جیسے بلھرا جو گجراتی راجاؤں کا عربی تلفظ کا نام ہے اصل میں ولبھ رائے ہے۔ اسی طرح سنگھر کو سنگھ رائے اور بھونگر کو بھونگ رائے گھمرا کو گھن رائے پٹھو کو پتھو سمجھا جائے۔

فرخی نے والی منصورہ خفیف کی شکست اور فرار کی جو کیفیت اپنے قصیدے میں لکھی ہے اس موقع کے یہ چند شعر قابل ذکر ہیں :-

وزاں حصار بمنصورہ روئے کرد و برانار ۔۔۔ برآں ستارہ کجا راند حیدر از خیبر
خفیف چوں خبر خسرو جہاں بشنید ۔۔۔ دواں گذشتہ و بجوئے اندر او فتاد بہ بحر
حقیف راسپہ و پیل و مال چنداں بود ۔۔۔ کہ بیش ازاں نبود در ہوا حبانا زر

ان شعروں میں گو خفیف کو سومری نہیں کہا گیا ہے مگر مورخین نے خفیف کو سومرہ سلاطین ہی کی فہرست میں درج کیا ہے۔

ان شعروں میں اس بادشاہ کی فوج ہاتھی اور مال ومنال کا یہ حال لکھا ہے کہ وہ شمار میں غبار زرہ سے بھی زیادہ تھا۔ اس کو کسی قدر زیادہ مبالغہ سمجھا جائے پھر بھی وہ اہمیت رکھتا ہے۔

پایۂ تخت اس کا پتہ واضح طور سے نہیں چلتا کہ سومرہ قوم کا اصل وطن سندھ کے کس حصہ میں تھا۔ تاریخ کی چھان بین سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی بڑی آبادی سندھ کے مشرق جانب کے زیرین حصہ میں ضلع پارکر اور تھری میں تھی اور اسی لئے ان کا پہلا سیاسی مرکز تھری محمد نور مقام میں تبدیل ہو گیا۔ اور وہ ان کا عرصۂ دراز تک پایۂ تخت رہا عمر کوٹ یا امر کوٹ (انر کوٹ) بھی عرصہ تک اُن کا پایہ تخت بنا رہا۔ سلطان محمود کے زمانہ میں اُن کا پایۂ تخت منصورہ تھا جس کا دوسرا نام بقول ابوالفضل بھکر ہے۔

سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں اُچھ ان کا پایہ تخت تھا اور

آخر زمانہ میں (سنہ ۷۵۲ھ) ان کا مرکزی مقام ٹھٹھہ نظر آتا ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کی سلطنت کی وسعت ملتانی سرحد سے لے کر زیریں سندھ کے نصر پور بلکہ کچھ (رگج) تک تھی جس میں مختلف انقلابوں کے بعد وہ اپنا پایہ تخت بدلتے رہے۔

اس قوم کے افراد کی تعداد کا صحیح پتہ معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن محمود بیگڑہ گجرات کے عہد نویں صدی میں سندھ کی جو فوج اس کے مقابلہ کے لئے آئی تھی اس کی تعداد چالیس ہزار تھی اس سے ان کی آبادی کا ایک خفیف سا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ان لوگوں نے سندھ پر تین سو برس سے زیادہ حکومت کی جس میں اس قوم کی مختلف شاخوں نے حصہ لیا۔ ان کے بعض حکمران چالیس برس تک برسر حکومت رہے۔ انہوں نے جس قدر گاؤں مشہور قصبے آباد کئے۔ ان کی صحیح فہرست ہم تک نہیں پہونچی۔ لیکن تین بڑے شہروں سے ان کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ امرکوٹ (عمرکوٹ) ٹھری اور ٹھٹھہ سے ان شہروں میں انہوں نے متعدد قلعے بھی تیار کئے جن کا ذکر تحفۃ الکرام میں موجود ہے لیکن چونکہ محمد تغلق کے عہد تک مغلوں کی یورش بکثرت سندھ پر ہوئی۔ اس سبب سے ان کی اکثر عمارتیں ویران ہو گئیں اور بہت کم آثار باقی رہے۔

سمہ | سندھ کی دوسری نومسلم قوم سمہ ہے جس نے سومریوں کے بعد ملک میں طاقت حاصل کی۔ طبقات بہادر شاہی میں ہے

کہ سمہ قوم ان لوگوں میں سے ہے جو تمیم انصاری کے خاندان کے ہیں لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ سندھ میں ان کا وجود عربوں کے سندھ فتح کرنے سے قبل نظر آتا ہے۔ چنانچہ چچ نامہ میں جو سندھ کی سب سے قدیم تاریخ ہے مذکور ہے کہ محمد بن قاسم کے پاس سمہ قوم کے کچھ لوگ آئے اور اطاعت کے صلہ میں انعام حاصل کیا۔ [ع۱] اس کے علاوہ کچھ اور کاٹھیاواڑ میں بھی ان کا خاندان تھا اور آج بھی موجود ہے۔ جو ہندو مذہب رکھتا ہے۔ کچھ اور جام نگر کے ہندو جام سمہ خاندان سے ہیں۔ جوناگڈھ میں سمہ خاندان نے ۸۷۵ھ سے ۱۴۷۲ء یعنی چھ سو برس حکومت کی۔ [ع۲] ان کا مذہب بھی ہندو تھا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سمہ قوم سندھ میں اسلام سے قبل موجود تھی، مذہب ہندو تھا اس قوم نے اسلام قبول کر لیا مگر اسلام کی صحیح تاریخ نہیں معلوم اس قبیلہ کے مسلمان والی آج بھی جام کہلاتے ہیں۔ جام کے لفظ سے بعض لفظ پرستوں نے جام جمشید سے ان کا رشتہ جوڑا ہے جو سراسر وہم ہے۔

تاریخ طاہری کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام مخدوم زکریا ملتانی رح کے فیض کے اثر سے یہ لوگ مسلمان ہوگئے۔ کیونکہ اس قوم کے امراء سے ان کے تعلقات وابستہ تھے۔۔ اس کے بعد

ع۱ چچ نامہ قلمی دارالمصنفین اعظم گڈھ

ع۲ تاریخ مصطفی آباد (جوناگڈھ) حصہ اول صفحہ ۴۴ بمبئی

ان کے خلیفہ جلال الدین بخاری اور ان کے پوتے مخدوم جہانیاں جلال الدین حسین بخاری کے ذریعہ اس قوم میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور یہ قوم آخر تک حضرت مخدوم کی اولاد کے ساتھ عقیدت کا نذرانہ پیش کرتی رہی۔ چنانچہ احمد آباد (گجرات) میں بھی قطب عالم اور شاہ عالمؒ کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے گہرے رہے۔ اور اسی سبب سے جام نے اپنی لڑکی شاہ عالم صاحبؒ سے منسوب کردی تھی جن سے ایک لڑکا پیدا ہوا مگر زندہ رہا۔ ان کے نام بھی نو مسلم ترکوں کی طرح کہیں خالص سندھی اور کہیں اسلامی مخلوط ملتے ہیں۔ یہ مذہب کے لحاظ سے مسلمان اہل سنت و الجماعت سے تھے۔ اور اسی لیے سندھ کے جاموں کی شادیاں گجراتی سلاطین کے ساتھ ہوتی رہیں۔

تاریخ طاہری میں مرقوم ہے کہ سمہ قوم کی آبادی سمندر کے کنارے تھی۔ جو لوگ جزیرے نمائے کچھ سے نکل کر کاٹھیاواڑ کے شمال مغربی ساحل پر جنہوں نے قبضہ کیا وہاں جام نگر بسا کر پایۂ تخت بنایا اور وہ ریاست بھی آج تک موجود ہے۔

تیسرے گروہ نے کاٹھیاواڑ میں جونا گڈھ کو آباد کیا جس کی حکومت گجراتی سلاطین نے ختم کردی اور یہ سب ہندو تھے۔ لیکن دریائے سندھ سے لے کر کیچ مکران تک کی آبادی نو مسلم سمہ کی تھی۔ رائے کچھ کے زیر سایہ رہتے تھے۔ جب طاقتور ہوگئے تو کچھ پر قبضہ کرلیا۔ اور آہستہ آہستہ بالائے سندھ آبادی بڑھاتے گئے۔ سومرہ قوم کے آخر

زمانہ میں یہ خاصے طاقتور ہو گئے تھے۔ اور آخری سومرہ بادشاہ جس کا پایۂ تخت ٹھٹھہ تھا۔ محمد تغلق سے جنگ لڑتے لڑتے بے حد کمزور ہو گیا تھا۔ سمہ قوم کا سردار انار نامی نے اس سے فائدہ اٹھا کر انقلاب سلطنت کی کوشش کی۔ اور اس میں کامیاب ہوا (سنہ ۷۵۲-۷۶۶ھ) پہلے ان کا پایۂ تخت ساموئی تھا۔ اور سومریوں پر فتح پانے کے بعد ٹھٹھہ ہو گیا۔

ان کے حکمرانوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے :-

(۱) جام انار۔ (۲) جام جونا۔ (۳) جام تماچی۔ (۴) جام خیرالدین۔ (۵) جام صنیہ۔ (۶) جام تماچی دوم۔ (۷) جام صلاح الدین۔ (۸) جام نظام الدین۔ (۹) جام علی شیر۔ (۱۰) جام دن۔ (۱۱) فتح خان (۱۲) جام تغلق۔ (۱۳) جام مبارک۔ (۱۴) جام سکندر۔ (۱۵) جام رائے ودن۔ (۱۶) جام سنجر۔ (۱۷) جام ننا نظام الدین۔ (۱۸) جام فیروز

جام فیروز سے شاہ بیگ ارغوانی والی قندھار نے ۹۲۷ھ میں سندھ کا ملک چھین لیا۔ اس خاندان نے (۱۹۲) برس حکومت کی۔ سمہ ابتدا میں سومریوں سے جنگ کرنے میں مصروف رہے۔ اور جب استقلال کے ساتھ تمام حکومت ہاتھ میں آگئی اور امن وامان قائم ہو گیا تو ملک کو فروغ دینے میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ جام سنجر نے سب سے پہلے عدالت کی طرف توجہ کی اور وہ تمام خرابیاں جو عدالت قاضی شاہد اور اس محکمہ کے عمال میں ہوتی ہیں ان کو دور کرنے کی بے حد کوشش کی۔ قاضیوں

کی تنخواہیں بہت زیادہ کردیں تاکہ رشوت کا سدباب ہو۔ خیرالدین کے عہد میں قافلوں اور کاروانوں کے راستوں کی حفاظت اور تجارت کو بہت فروغ ہوا۔ ڈاکوؤں کا قلع قمع کیا گیا۔ سمہ قوم سیدوں کی بڑی عزت کرتی تھی انہوں نے بہت مدرسے اور خانقاہیں بنائیں۔ بڑی بڑی مسجدوں کی بنیادیں رکھیں۔ ہمسایہ سلطنتوں سے اچھے تعلقات قائم رکھے۔ چنانچہ ملتان اور گجرات کے سفیر ایک دوسرے کے یہاں اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ گجراتی بادشاہوں کے ساتھ ان کے ازدواجی تعلقات بھی قائم ہو گئے تھے جس کے باعث بعض اوقات سیاسی فائدہ بھی اٹھا لیتے۔ علماء کے بڑے قدردان تھے۔ محمد بن سعد جلال الدین دوانی کو سندھ میں آنے کی انہوں نے دعوت دی تھی لیکن موت نے علامہ موصوف کی آمد کی آرزو پوری نہ ہونے دی۔ مولانا میر معین الدین سید ابوالغیث۔ مولانا محمد اثیر الدین بہری (منطقی) مخدوم عبدالعزیز بہری محدث جیسے وزراء سندھ میں وزارت پر مامور رہے۔

کاشتکاری اور باغبانی

یگانہ روزگار فاضلوں نے سندھ میں عمریں گزاریں۔ عمدۃ الملک دریا خاں اور سارنگ خاں جیسے وزراء سندھ میں وزارت پر مامور تھے۔ کاشتکاری اور باغبانی پر بھی انہوں نے کافی توجہ کی۔ ارغون کے آنے سے قبل سندھ میں بکثرت باغات تھے۔ اون کے لئے بڑے بڑے کنویں بنوائے

گئے جن کو اونٹ کھینچتے تھے۔ تجارت کو فروغ ہوا۔ ملتان کشمیر خراسان اور گجرات وغیرہ دوسرے صوبوں اور ملکوں سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ جام نظام الدین کے حالات میں معصومی نے لکھا ہے کہ:۔

"جام نظام الدین در اوائل حال طالبعلم می بود۔ و در خوانق و مدارس میگذرانیده و بغایت متواضع و خلیق بود۔ و بصفات پسندیدہ و اخلاق حمیدہ متصف۔ و زہد و عبادت بدرجہ کمال داشتہ۔ و فضیلت و حالت او زیادہ از آں بود کہ شمہ از اں تحریر توان نمود (ص ٧٤)۔"

اس کی صلح پسندی کی یہ تصویر ملاحظہ ہو:۔

"جام نظام ہر ہفتہ باصطبل خود می رسید و دست بہ پیشانیئے اسپاں می کشیدہ و می گفتہ کہ اے دولتمندان غیر غزا نمی خواہم کہ سواری بہ شما واقع شود چرا کہ در حدود اربعہ حکام اسلام مدار دعا کیند کہ بے سبب شرعی بجائے تروم و کسے بزا ایں جا نیاید مبادا خون مسلمانان بے گناہ ریختہ شود و عند اللہ سبحانہ شرمسار شوم۔"

اس کے زمانہ میں سندھ میں احکام شریعت کی ترویج کا حال یہ تھا کہ

"در زمانِ دولت او احیائے سنن نبوے شیوع یافتہ بود کہ مافوق آں تصور نتواں کرد۔ کہ در مساجد اقامت جماعت بہ نہجے می بود کہ خرد و کبیر محلہ در مسجد حاضر آمدہ بگذاردن نماز

تنہا راضی نبودند ساگر وقتے از یکے جماعت فوت شدے بغایت
نادم گردیدہ و در دو سہ روز باستغفار مشغول می بود (صفحہ ۲۷۵)

سلاطین لنگاہ ملتان میں

نویں صدی ہجری کے وسط میں ملتان پایہ تخت دہلی کے ماتحت ایک صوبے کی حیثیت رکھتا تھا۔ سیدوں کے آخری بادشاہ علاء الدین کے عہد میں۔ کابل۔ غزنہ اور قندھار پر مغلوں کا قبضہ ہو جانے کی وجہ سے وہ ملتان پر جو قندھار کے بالمقابل واقع ہے آئے دن یلغار کر کے لوٹ مار کرتے تھے۔ ۸۴۷ھ (۱۴۴۳ء) میں ایسی حالت ہو گئی کہ وہاں کوئی حاکم نہ رہا۔ اس لئے اہل شہر نے مل کر شیخ بہاء الدین کی خانقاہ کے متولی شیخ یوسف قریشی کو اپنا حاکم بنایا۔ ملتان اچھ۔ اور ارد گرد کے مقامات میں ان کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا گیا ملتانیوں کی خوش قسمتی سے شیخ میں حکومت کی اعلیٰ لیاقت موجود تھی۔ ان کے حسن انتظام سے تمام مخلوق خوش ہو گئی۔ ملتان کے اطراف میں ایک نو مسلم قوم لنگاہ رہتی تھی۔ جو نسلاً راجپوت تھی۔ اس قوم کا سردار رائے سہرا نام قصبہ سوئی میں زمیندار تھا۔ اس کے آباؤ اجداد حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور ان کے خلفاء کی تبلیغ سے اسلام لائے تھے۔ اس نے شیخ یوسف کو پیغام دیا کہ سلطان بہلول لودی بادشاہ دہلی کی طرف سے ہمیشہ خطرہ لگا رہیگا اس لئے فوری امداد کے لئے میری قوم لنگاہ کا دل ہاتھ میں لیجئے تا کہ وہ وقت پر کام آئے۔

شیخ نے اس کی درخواست منظور کی۔ اور اس کی استدعا پر اس کی لڑکی سے شادی بھی کرلی۔ وہ لڑکی کے بہانے کبھی کبھی آیا جایا کرتا۔ ایک دفعہ وہ اپنی پوری قوم کو ساتھ لایا۔ اور شیخ سے عرض کیا کہ میری قوم کا معائنہ کرکے میرے لائق کوئی خدمت عنایت کریں۔ شیخ نے قبول کرلیا۔ رائے عشاء کے وقت لڑکی سے ملنے کے بہانے قلعہ میں داخل ہوا اور پھر فریب سے لنگاہ قوم کو اندر لاکر قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ اور شیخ یوسف کو نکال دیا۔ شیخ دہلی پہونچے اور بہلول لودی سے مدد کے طالب ہوئے۔

شیخ نے کل گیارہ برس حکومت کی رائے سہرہ نے ملتان پر قبضہ کرکے ۸۵۸ھ مطابق ۱۴۵۴ء میں تخت سلطنت پر قدم رکھا اور اپنا لقب قطب الدین لنگاہ مقرر کیا۔ یہ شخص بڑا مدبر تھا۔ اس انقلاب کے باوجود اُس نے کسی قسم کی بدامنی نہیں ہونے دی۔ یہ بڑا محنتی آدمی تھا۔ اہل کمال کا بے حد قدردان تھا۔ بادشاہ کا سارا وقت ان کل پرزوں کے درست کرنے میں صرف ہوتا جو بادشاہ گری سے بگڑ گئے تھے۔ اور مغلوں کی لوٹ مار سے جو ویرانی چھاگئی تھی اس کو دور کرنے پر توجہ مبذول کرتا رہا۔ سولہ سال سلطنت کرکے ۸۷۴ھ مطابق ۱۴۶۹ء میں دنیا سے رخصت ہوگیا۔

اس کے مرنے پر اس کا بڑا لڑکا حسین لنگاہ تخت نشین ہوا۔ حسین جفاکش، صاحبِ علم اور اہل ہنر کا قدردان تھا۔ اس نے ابتداء ہی میں

قلعہ شور بھیر چنیوٹ پر قبضہ کرلیا۔ شیخ یوسف نے بہلول لودی کو توجہ دلائی کہ حسین لنگاہ دھن کوٹ (سرحدِ پنجاب) تک آگیا ہے۔ چنانچہ لودی نے اپنے لڑکے باربک شاہ کو فوج لے کر ملتان بھیجا جس کو حسین شاہ نے بآسانی شکست دیدی۔ اور کوٹ کرور کے حاکم کی بغاوت کو جو خود اس کا بھائی تھا فرو کر کے انتظام سلطنت میں مشغول ہو گیا۔ دو ہیلہ قوم کا سردار ملک سہراب ملتان آیا اور بادشاہ کا ملازم ہو گیا۔ بادشاہ کی عنایت دیکھ کر قوم بلوچ ملتان آدھمکی۔ اور شاہی وفاداری کا یقین دلا کر جاگیریں حاصل کیں۔ اس سے حسین شاہ کے پاس ایک اچھی بہادر قوم کی فوج تیار ہو گئی۔ سمہ قوم کے دو سردار بایزید اور ابراہیم بھی سندھ چھوڑ کر دربار میں حاضر ہوئے۔ بایزید کو شور کوٹ اور ابراہیم کو اُچھ عنایت ہوا۔ دہلی میں بہلول کے بعد سکندر لودی تخت نشین ہوا۔ تو تعزیت کے لئے سفیر بھیجے اور اس طرح صلح کی بنیاد رکھ کر تحفوں کا تبادلہ کیا۔ سلطان محمود گجراتی سے بھی اس کے تعلقات اچھے تھے اور سفیر آیا جایا کرتے تھے۔

لنگاہ بادشاہوں کے کارنامہ

ملتان کی یہ نومسلم خود مختار ریاست تقریباً ۸۵ برس قایم رہی اس کی فوجی و عسکری قوت کے ثبوت کے لئے حسب ذیل اقتباس کافی ہے جو معصومی کی تاریخ سے ہے:۔

"واتاں جانب رائے زادہا لنگاہ وبلوچان وسایر سپاہ

روبرو آمدہ (۱۵۲) چون غلبہ مرزا شاہ حسین بگوش سلطان
محمود لنگاہ حاکم ملتان رسید۔ مردم باطراف وسرحدہا فرستاد۔
تا لشکر بلوچ وجٹ وسایر سپاہ را جمع سازند۔ ودر عرض
یک ماہ ہشتاد ہزار سوار و پیادہ در ملتان جمع آمدہ جمعیتے عظیم
بہم رسید۔ (۱۵۳)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نومسلم سلطان کے پرچم کے نیچے کتنی قومیں جمع تھیں۔ ملتان چونکہ اس زمانہ میں ایران وخراسان وافغانستان سے آنے والی قوموں کا رہگزر تھا اس لئے نئے نئے حملوں کا ہمیشہ نشانہ رہا۔ اسی وجہ سے یہاں کے بادشاہوں کو اصلاحی کاموں کے بجائے فوجی استحکام کے وقت دولت اور دماغ کو زیادہ صرف کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ان مشکلات کے باوجود ان بادشاہوں کو موقع ملا تو اصلاحی وتعمیری کاموں کی طرف بھی فراخ دلی سے متوجہ ہوئے۔ چنانچہ شیخ یوسف کے عہد میں زمینداروں کی حالت سدھارنے میں کافی کوشش کی گئی۔ شاہ حسین کے زمانہ میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ پنجاب کی سرحد دھن کوٹ سے دریائے سندھ کے کنارے تک اس کے حدود وسیع ہو گئے۔ اس کا فوجی نظام بھی قابل تعریف تھا۔ اس نے اپنی فوج میں لنگاہ۔ سندھی۔ مکرانی۔ بلوچی زیادہ ترتی کئے جس سے اُن کی طاقت بڑی زبردست ہو گئی۔ نقد تنخواہ کی بجائے افسروں کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں۔ اور عام سپاہیوں کو یہ جاگیرار

تنخواہیں دیتے تھے۔

یہ بادشاہ علم کا بھی قدر دان تھا۔ دربار میں بڑے بڑے علماء حاضر رہتے اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا۔ اسی کا اثر تھا کہ وزراء اور امراء بھی علم کے بڑے قدر دان تھے۔ چنانچہ وزیر بایزید خاص طور پر قدر دانی میں شہرۂ آفاق تھا۔ خراسان اور ہندوستان کے بہت سے عالم وہاں جاکر مقیم ہو گئے۔ شیخ جمال الدین قریشی اسی دربار سے فیضیاب تھے۔ مولانا فتح اللہ اور مولانا عزیز اللہ اسی عہد کے باکمال لوگ ہیں جن کے ذریعہ ہندوستان میں معقولات کو رواج ہوا۔ میر عماد گردیزی مرزا شہید انہی دنوں ملتان آکر مقیم ہوئے۔ شیخ بہاء الدین قریشی اس عہد کے صوفیوں میں ممتاز تھے۔ مولانا بہلول قوت گویائی اور شیریں زبانی میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ قاضی محمد بھی اس عہد کے مشہور علماء میں سے تھے۔

مدرسے بھی ہر جگہ جاری تھے۔ جن میں سے قاضی جامعی کا مدرسہ زیادہ مشہور تھا۔ اس کے صدر مدرس مولانا ابراہیم جامعی تھے جو ساٹھ برس تک اس مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے۔ مولانا سعید الدین لاہوری بھی اسی مدرسہ کے معلم تھے جو آخر میں صدر ہو گئے۔

اس عہد میں علم فقہ کا بڑا زور تھا یہاں تک کہ دربار میں بھی شرح وقایہ اور ہدایہ ہی کا چرچہ رہتا تھا۔ دوسرے ملکوں کے ساتھ بھی سلاطین ملتان کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے۔ چنانچہ

دہلی، کشمیر، گجرات۔ سندھ اور خراسان سے سفیروں کی ہمیشہ آمد ورفت رہتی۔ سرحدی مقام ہونے کے سبب خراسان سے زیادہ گھوڑوں کی تجارت ہوتی۔

سلاطین کو باغ لگانے کا بھی بے حد شوق تھا۔ سلاطین ملتان کی یادگار میں آج بھی لنگاہ خاں کا باغ موجود ہے جو بلدیہ کے زیر انتظام ہے[1] اور سُنا ہے کہ لنگاہ قبیلہ کے مسلمان خاندان آج بھی موجود ہیں اور اس نسبت سے اپنے کو منسوب کرتے ہیں[2]۔

---

[1] ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد چہارم صفحہ ۴۲۷، حیدرآباد

[2] ہندی الاصل اور ہندوی النسل سلاطین از علامہ سید سلیمان ندوی

سُلطان محمُود غزنوی

سلطان محمود ابن سبکتگین نوشیرواں عادل کی اولاد سے تھا

مصنف طبقات ناصری لکھتا ہے:۔

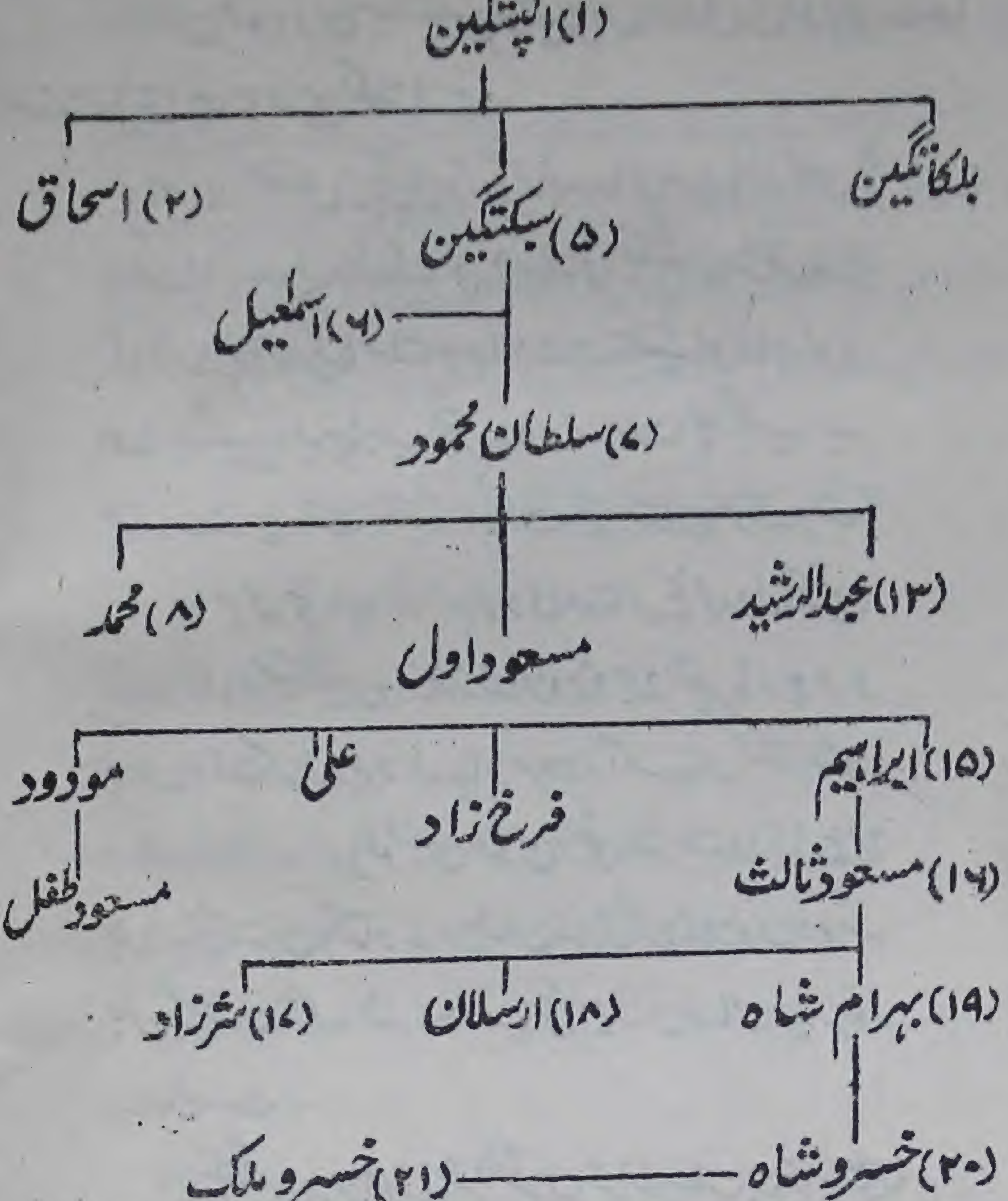
امام ابوالفضل بیہقی می آرد "کہ نصر حاجی مرد بازرگان بود درعہد امارت عبدالملک نوح سامانی سبکتگین را بخرید بہ بخارا برد چوں آثار کیاست وجلادت بر ناصیۂ او ظاہر بود اورا الپتگین امیر حاجب تجرید و در خدمت الپتگین بہ طخارستان رفت ووقتیکہ ایالت طخارستان حوالہ او شد"

امام محمد علی ابوالقاسم عمادی در تاریخ مجدول چنین آوردہ کہ امیر سبکتگین از فرزندان یزدجرد شہریار بود و دراں وقت کہ یزدجرد درعہد امروز در آسیاں کشتہ شد درعہد خلافت امیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ واتباع یزد جرد بہ ترکستان افتادند وایشان قرابتی کردند وچوں دو سہ بطن بگذشت ترک شدند وقصرہای ایشان دراں دیار ہنوز برجا ایست۔

امیر سبکتگین (بن جوق) قرا الحکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا القمان بن فیروز بن یزدجرد بن شہریار الفارس (ملک العجم) ؎۱۵

؎۱۵ طبقات ناصری صفحہ ۲۶۷

شجرۂ خاندان غزنویہ



خاندانی حالات | محمود کے والد امیر سبکتگین تھے۔ امیر سبکتگین امیر الپتگین کے داماد تھے۔ الپتگین امرائے

دولت سامانیہ سے تھا اور اس دولت کی طرف سے ملک خراسان کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ سامانیہ سے پہلے صفاریہ خود مختار ہوئے۔ ان ہر دو کی حکمرانیاں ماوراالنہر کے علاقہ پر تھی دارالسلطنت بخارا تھا۔ صفاریہ اور سامانیہ حکومتوں نے کابل وقندھار تک علاقہ وسیع کر لیا۔ امیر الپتگین مذکور جو امیر ابوالیث سامانی سے خفا ہو کر بخارا سے نکل کر غزنی چلا آیا، اور یہاں اپنی حکومت قائم کی[1]۔ یہ شہر کابل سے پچھتر میل جنوب میں کوہستان بابا کی شاخ گل کوہ پر واقع ہے۔

سبکتگین

سبکتگین (۳۶۶ھ ۹۷۶ء سے ۳۸۷ھ ۹۹۷ء) الپتگین کی وفات کے بعد نئی سلطنت کا امیر بنا۔ پنجاب کے راجہ جے پال اور امیر سبکتگین میں وہی پرانے سرحدی تنازع تازہ ہو گئے۔ پشاور سے جلال آباد تک کا علاقہ جو ملغان کہا جاتا ہے۔ پنجاب و غزنی کی حکومتوں سے کس حکومت کے زیر اثر رہے۔ آخر پنجاب کے راجہ جے پال نے اس نزاع کا فیصلہ کرنے کے لئے اور سلطنت غزنی کا قصہ پاک کرنے کے لئے ایک طوفانی لشکر لے کر ہاتھیوں پر سوار چلا اور وادی ملغان میں اتر گیا۔ اِدھر سبکتگین اور اس کا نو عمر لڑکا محمود تازہ دم ترکوں کے ساتھ میدان میں آیا۔ دونوں داد شجاعت دے رہے تھے کہ اچانک برق و باراں کا طوفان امنڈ آیا۔ اور راجہ جے پال کا منصوبہ ہمیشہ کے لئے خاک میں مل گیا۔ آخر کار صلح ہو گئی اور راجہ جے پال دس لاکھ درم اور پچاس

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۱۴۴

ہاتھی دینے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ تھی وہ پہلی جنگ جس نے ہند کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا۔

راجہ جے پال کی وعدہ خلافی اور سبکتگین کا حملہ ہندستان پر

اس کے بعد راجہ جے پال نے واپس آکر رقم ادا کرنے کے بجائے ان سفیروں کو جو رقم لینے آئے تھے گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کر دیا۔ سبکتگین یہ سنتے ہی بجلی کی مانند تیزی سے ہندوستان کی سمت روانہ ہوا۔ ادھر راجہ جے پال نے دہلی قنوج اور کانجر کی فوجی مدد لی اور مقابلہ کے لیے نکل پڑا۔ درۂ خیبر اور پشاور کے درمیان لڑائی ہوئی ہندی فوجوں نے شکست کھائی اور پشاور تک اٹک پار کے ممالک پر غزنی سلطنت کا قبضہ ہو گیا۔ اب غزنی کے ترکوں کے لئے ہندوستان کا راستہ کھل گیا تھا اور دہلی کانجر اور قنوج پر انہیں اپنی ترکتازیوں کا حق تھا کیونکہ یہ ممالک دشمن کے ہمنوا تھے۔

سلطان محمود

محمود اپنے باپ سبکتگین کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا جس کا منشا اپنی سلطنت غزنی کو وسعت و استحکام دینا تھا۔ وہ اپنی ۳۳ سال کی حکمرانی میں کامیاب ہوا۔

محمود کی ترکتازیاں

اس نے اپنے چاروں طرف کی سلطنتوں کو چاہے وہ مسلمان کی ہوں یا نامسلم کی، ہلا ڈالا اور اپنی حکومت کے حدود آگے بڑھاتا گیا۔ اس نے غزنی کی ایک طرف۔ کاشغر کی اسلامی ایلخانی حکومت کو دوسری طرف خود اپنے آقا سامانیون

کی سلطنت، تیسری طرف دیلمیوں اور طبرستان کی حکومت آل زیاد کو، مشرقی سمت میں غوریوں کی سرزمین کو جن میں سے کچھ مسلمان ہو چکے تھے پھر اسی مشرقی سمت میں ملتان اور سندھ کی عرب حکومتوں کو اور ادھر لاہور اور ہندوستان کے بعض دوسرے راجاؤں کی سلطنتوں کے کھنڈر پر اپنی غزنی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی۔ یہ تھیں اس نامور "بت شکن" کی سر گرمیاں جس نے ہندوستان کی ساری اسلامی سلطنتوں کا قلع قمع کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ غزنی کے سلاطین کی یہ لڑائیاں ہندوستان سے کسی مذہبی جذبہ کے ماتحت تھیں یا محض جغرافی ماحول اور نئی حکومتوں کے شکست و تغیر کے زیر اثر پیش آئیں۔"

سلطان محمود کے حملے ہندوستان پر | محمود کو دوسری سمت کی مخالف حکومتوں

سے جب فرصت ملتی ہندوستان پر چڑھ آتا۔ وہ اپنے دور میں سب سے پہلے ۳۹۰ھ (۱۰۰۱ء) میں ہندوستان میں داخل ہوا۔ جنوبی ہند کے جاٹوں کی سرکوبی کی اور چند سرحدی ضلعوں پر قبضہ کیا۔ دوسرے سال پھر آیا۔ پشاور کے آگے خیمہ زن ہوا۔ زور کا رن پڑا۔ راجہ جے پال نے شکست کھائی، اور گرفتار کر لیا گیا۔ محمود نے بڑھ کر دوسرے شہر ہند پر قبضہ کر لیا۔ جے پال نے خراج دے کر رہائی حاصل کی اور اپنی سلطنت انند پال کے سپرد کر کے چتا میں بیٹھ کر جل مرا۔

۳۹۵ھ / ۱۰۰۴ء میں سلطان نے بجے رائے والی بھیرہ سے جنگ آزمائی کی اس نے بھی فرار کی حالت میں خودکشی کر لی اور بھیرہ اور اس کے مضافات سلطنت غزنی میں ملائے گئے۔ پھر ملتان کے والی ابوالفتوح باطنی نے بجے رائے کی مدد کی ناکام کوشش کی تھی، ۳۹۶ھ / ۱۰۰۵ء میں محمود اس کو سزا دینے آیا، رائے انندپال ابوالفتوح کی مدد کے لئے آیا مگر ناکام ہو کر فرار ہوا۔ ابوالفتوح نے محمود کی اطاعت قبول کی[۱]۔ محمود نے انندپال کے بیٹے سکھ پال کو بھیرہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ وہ اسلام لے آیا تھا پھر مرتد ہو گیا۔ محمود ۳۹۸ھ / ۱۰۰۷ء میں اس کی گوشمالی کے لئے آیا اور حبس دوام کی سزا دی۔

پھر ۳۹۹ھ / ۱۰۰۸ء میں معرکہ آرائی ہوئی۔ اس مرتبہ انندپال کی مدد پر اجین، گوالیار، کالنجر، قنوج، دہلی اور اجمیر کے راجہ اور ملتان کے والی داؤد فوجیں لے کر آئے۔ حب الوطنی کا عام جذبہ پیدا ہوا، اور عورتوں نے اپنے زیور بیچ کر چرخے کات کر اور محنت مزدوری کر کے لڑائی میں مدد دینے کے لئے روپیہ بھیجا مگر ہندوستانی راجاؤں کی پچھلی خانہ جنگیوں کا غبار دل سے دور نہیں ہوا تھا۔ وہ کسی ایک کی کمان میں فوجوں کو نہ دے سکے محمود نے راج پوتوں کی اس ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کیا۔ ہندوستانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ محمود کے خلاف یہ آخری مشترکہ قومی مظاہرہ تھا جس میں نہ صرف ہندو بلکہ ہندوستان میں عربوں کی واحد حکومت کا حکمران بھی شریک تھا۔ مگر ہندوستان کو شکست ہوئی اس کے بعد رایان ہند

---

[۱] تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد اول صفحہ ۲۶۸

یکے بعد دیگرے مغلوب ہوتے گئے اور بیش بہا خزانے خصوصًا مندروں کے جواہرات فاتح کے ہاتھ آتے گئے۔ اس حملہ میں محمود نے نگر کوٹ (کانگڑہ) کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد ۴۰۱ھ ۱۰۱۰ء میں ابوالفتوح داؤد کا خاتمہ کرنے ملتان آیا اور اس کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد اس نے ۴۰۴ھ ۱۰۱۴ء میں راجہ بھیم پال سے قلعہ نندونا لیا، ۴۰۵ھ ۱۰۱۴ء میں تھانیسر پر قبضہ کیا۔ پھر ۴۰۶ھ ۱۰۱۵ء میں کشمیر کی ناکام مہم پیش آئی، اس کے بعد ۴۰۹ھ ۱۰۱۷ء میں قنوج اور متھرا پر قبضہ کیا۔ پھر ۴۱۲ھ ۱۰۲۱ء میں کشمیر پر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ ۴۱۳ھ ۱۰۲۱ء میں وہ پورے پنجاب کو غزنی کا صوبہ بنانے کی نیت سے انتظامات کے ساتھ آیا اور پنجاب کا الحاق غزنی سے کر لیا۔ آنند پال کے لڑکے ترلوکن پال کا انتقال ہو چکا تھا، راجہ بھیم اس کا جانشین تھا۔ وہ پنجاب کو چھوڑ کر رائے اجمیر کے پاس چلا گیا جہاں ۱۰۲۶ء میں اس نے وفات پائی۔

محمود نے لاہور کا پہلا حاکم اپنے غلام ایاز کو بنایا۔ اس کے بعد ۴۱۳ھ ۱۰۲۲ء میں گوالیار اور کالنجر کو قبضہ میں لے لیا۔ پھر ۴۱۶ھ ۱۰۲۵ء میں سومنات کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ اور اس مہم گجرات کی فتح کی تکمیل ۴۱۷ھ ۱۰۲۶ء میں کی۔ پھر اسی سال ۴۱۷ھ ۱۰۲۶ء میں ملتان کے قزاقوں کی سرکوبی کی، اور ۴۱۹ھ ۱۰۲۷ء میں جاٹوں کی چھیڑ چھاڑ کا بدلہ لینے کے لئے آیا اور کامیاب رہا۔ اس طرح محمود کے براہ راست قبضہ میں پنجاب، سندھ اور ملتان کے صوبے آ گئے۔[۱]

---

[۱] تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲

اور کشمیر، قنوج، کالنجر، گوالیار اور گجرات اس کے باج گزار بنے۔

مندروں پر حملہ آوری کا حقیقی سبب یہ تھا کہ مندر دولت کے خزانہ تھے زر و جواہر کا انبار تھا۔ محمود نے ہندوستان کے ان حملوں میں بلیشمار مندروں سے دولت حاصل کی۔ سومنات میں دو سو من وزنی سونے کی زنجیر لٹکتی تھی جس میں گھنٹیاں آویزاں تھیں جس حجرے میں بت تھا اسکی قندیلوں کو روشن کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ روشنی کے لئے اس میں جواہر و الماس جڑے ہوئے تھے۔ جن کی جگمگاہٹ سے ہمہ دم روشنی رہتی تھی۔ محمود کے یہ حملے بت شکنی کے لئے نہیں حصول زر کے لئے تھے اور اس مقصد میں وہ اپنی توقعات سے زیادہ کامیاب رہا۔

نظم صوبۂ پنجاب

محمود نے پنجاب کو سلطنت غزنی کا ایک صوبہ قرار دیا۔ اس نے اس صوبہ کے مرکز سے دور رہنے ہونے کی وجہ سے یہاں ایک نیا نظم قائم کیا۔ ایاز کے بعد فوجی اور انتظامات اختیار علیحدہ علیحدہ حکام کے سپرد کئے۔ انتظامی امور ابو الحسن علی المعروف بہ قاضی شیرازی کے سپرد کئے۔ اور سپہ سالاری کے عہدہ پر علی اری یارگ کو مامور کیا۔ لیکن گورنر اور سپہ سالار دونوں کا ایک دوسرے سے سروکار نہ رکھا، یہ دونوں براہ راست غزنی کے ماتحت تھے۔ اور پرچہ نویسی پر ابو الحکم نام کے ایک افسر کو مقرر کیا۔

اگرچہ محمود نے ہندوستان کو اپنا وطن نہیں سمجھا اس کو غزنی پیارا تھا۔ اور اسی کو اس نے آباد کیا۔ تاہم ہندوستان سے اس کو ایک

رابطہ پیدا ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے جنگی ہاتھیوں پر اس کو ایسا ناز تھا کہ وہ خلیفہ بغداد کو بھی اعتماد پر دھمکی دینے سے باز نہ آیا۔ اور الفیل ما الفیل کا عبرت آموز جواب پایا۔

محمود کی رواداری اس نے اپنی ساری عمر میں کبھی کسی ایک ہندو کو بھی جبر سے مسلمان نہیں بنایا۔ اور نہ امن کی حالت میں کسی ایک مندر کو توڑنے اور بت شکنی کرنے کا کوئی واقعہ پیش آیا۔ اس نے ہندوستانی مقبوضات کے لئے اپنا سکہ ہندی زبان میں جاری کیا۔ اور اپنی فوج میں ہندوؤں کو معزز عہدوں پر بھی سرفراز کیا۔ ہندو راؤ اس کی فوج کا اعلیٰ افسر تھا۔ تولک بھی رکن سلطنت تھا۔

محمود کا علمی دربار

محمود غزنوی اسلامی تاریخ کا گوہر شب چراغ ہے۔ وہ جس حیثیت کا فاتح اور کشور کشا تھا۔ اس حیثیت سے علم دوست اور علم پرور بھی تھا۔ وہ خود عالم۔ شاعر اور مصنف تھا۔ اس کے دربار میں فردوس سے شاعر البرونی سے حکیم اور اس کے عہد کے علماء اور فضلا کا مجمع رہتا تھا علم و فضل میں وہ کسی سے کم نہ تھا بلکہ ممتاز فرما تروا تھا۔ فارسی اس کی مادری زبان تھی۔ عربی سے بھی واقف تھا۔ فقہ و حدیث اور عجم و عرب کی تاریخ میں پوری دستگاہ رکھتا تھا۔ اس کی حدیث دانی کے متعلق ابن خلکان

کا بیان ہے کہ

وکان مولعا بعلم الحدیث وھو یسمع ویستفسر الاحادیث عل	علم حدیث کا بڑا دلدادہ تھا اس کا سماع کرتا تھا اور اس کے متعلق علماء سے سوالات کیا کرتا۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ

"وہ علماء اور اصحاب کمال کا قدر دان تھا۔ ان کا اعزاز واکرام اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا۔ دور دور سے علماء آکر اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے جنہوں نے اس کے لئے کتابیں بھی لکھیں عہ۔"

شیخ محی الدین عبدالقادر جواہر مضیئہ میں لکھتے ہیں:۔

"محمود ممتاز فضلا میں تھا۔ فصاحت و بلاغت میں یگانہ تھا" عہ

ابن عماد حنبلی نے لکھا ہے کہ

"محمود بڑا ذی دور رس اور صائب الرائے تھا۔ اس کی مجلس علماء و فضلا کا مرجع تھی" عہ

شیخ محی الدین عبدالقادر نے امام مسعود کے حوالہ سے بیان کیا ہے:۔

ولہ التصانیف فی الفقہ والحدیث والخطب	فقہ حدیث خطبات اور رسائل میں محمود کی تصانیف ہیں اور اس کے اشعار

عہ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۸۶ — عہ ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۲۶۱

عہ جواہر مضیئہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ — عہ شذرات الذہب جلد ۳ صفحہ ۲۲۰

والسائل وله شعر جید بھی اچھے ہوتے ہیں۔
اس کی مشہور تصنیف التفریدہ ہے جو فقہ حنفی سے متعلق ہے۔ اس میں ساٹھ ہزار مسائل ہیں۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں اس کا حوالہ موجود ہے۔
تاریخ الفسٹن میں ہے:۔

"محمود کے فخر و اعزاز کا واقعی سبب یہ تھا کہ وہ سپہ گری اور بہادرانہ زندگی کے باوجود علوم و فنون کے ترقی دینے میں بڑا سرگرم تھا اور یہ اس کے دور کی عجیب و غریب خوبی تھی اور آج تک کوئی بادشاہ علوم پروری میں اس سے سبقت نہ لے جا سکا۔ باوجودیکہ محمود نہایت کفایت شعار تھا۔ مگر علوم و فنون کے باب میں بڑا فیاض واقع ہوا تھا۔ اس نے خاص غزنی میں ایک بہت بڑا مدرسہ تعمیر کرایا اور مختلف زبانوں کی عجیب و غریب کتابیں جمع کیں۔ اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے اس نے بہت سارا پیہ مقرر کیا اور طلبہ اور ارباب کمال کے وظائف کے لئے ایک مستقل فنڈ قائم کیا۔ ایک لاکھ سالانہ محض علماء کے وظائف مقرر کئے۔ علماء و مشاہیر کے ساتھ اس احترام سے پیش آیا تھا کہ اس کے دارالسلطنت میں اتنے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے کہ ایشیا کے کسی بادشاہ کو یہ فخر شاصل تھا۔[1]

---

[1] تاریخ الفسٹن ترجمہ اردو صفحہ ۵۵

کتب خانہ محمود نے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ

"درجوار آں مسجد مدرسہ بنا نہاد و بنفائس کتب و غرائب نسخ موسح گردانید دہات بسیار بر مسجد و مدرسہ وقف فرمود"[1]

پہلے حنفی مسلک رکھتا تھا پھر امام شافعی کا مسلک اختیار کیا۔

علمی مجلس و مباحثے علمی دربار میں علماء سے فقہ و حدیث و کلام کے مسائل دریافت کرتا جو مسلک پسند آتا اختیار کرتا۔ چنانچہ استواعلی العرش کے مسئلہ پر متکلم محمد بن ہیثم اور محدث و فقیہ القفال مروزی سے مباحثہ کرایا۔ متکلم کا مسلک پسند آیا اسے قبول کیا۔[2]

فکر سخن محمود خود بلند مرتبہ کا شاعر تھا۔ پاکیزہ مذاق رکھتا تھا۔ اس نے شاعری کا محکمہ قائم کیا۔ اس کا عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دے کر افسر مقرر کیا۔ چار سو شعراء دامن دولت سے وابستہ تھے ابوالحسن علی بن قلوغ خرمن۔ حسن بن اسحاق فردوس۔ منوچہر کی۔ وامقالی وغیرہ۔

حمداللہ متوفی کا بیان ہے کہ

"محمود علماء و شعراء کا قدردان تھا چار لاکھ دینار سالانہ ان پر صرف کیا کرتا تھا"[3]

---

[1] فرشتہ صفحہ ۳۲ مطبوعہ نولکشور۔ [2] الہدایۃ النہایہ جلد ۱ صفحہ ۳ [3] تاریخ گزیدہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۵

ایک نو وارد شاعر کو تین ہزار موتی محمود نے عطا کئے۔ عنصری نے
اس واقعہ کو لکھا ہے ؎

بیک عطا کہ ہزاراں گہر بشاعر داد — کز آں خزینہ گہے زرد چہرہ گہہ لاغر

سلطان محمد

سلطان محمد (ب ۴۲۱ھ ۱۰۳۰ء) محمود کی وفات کے بعد
تخت پر بیٹھا۔ اس کے بھائی مسعود نے جب
اس پر فوج کشی کی تو اس نے اسی ہندوستانی سپہ سالار سوبندرائے
کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ مگر وہ اس جنگ میں کام آیا۔ تاہم معلوم ہوا
کہ اس لشکر کو اتنی اہمیت حاصل تھی کہ وہ تاج و تخت کا فیصلہ کر سکتے تھے۔
سوبندرائے کے مارے جانے کے بعد سلطان محمد خود فوج لے کر گیا۔
اور میدان جنگ میں گرفتار کر لیا گیا۔

سلطان مسعود

سلطان مسعود (ب ۴۲۱ھ ۱۰۳۰ء - ۴۳۲ھ ۱۰۴۱ء) کو ہندوستان
کے نظم حکومت میں محمود کے قائم کئے ہوئے دوعملی
نظام سے سابقہ پڑا، یہ دوعملی نظام پنجاب میں نہ چل سکا۔ قاضی شیرازی
اور علی اری یارک میں اختلاف پیدا ہوا۔ وزیر غزنی نے یارک کو شیریں
گفتاری سے پایہ تخت بلوایا۔ اور ۴۲۳ھ ۱۰۳۱ء میں بلخ میں اس کو قید کر دیا۔
پھر پنجاب کی سپہ سالاری پر احمد نیا لتگین بھیجا گیا۔ اس کے بعد
سلطان مسعود نے ۴۲۴ھ ۱۰۳۲ء میں کشمیر کے قریب قلعہ سرستی پر فوج کشی
کی اس کو فتح کر لیا۔

سلطان مسعود کے واپس جاتے ہی لاہور میں انتظامی و فوجی حکام

کی جنگ پھر شروع ہوگئی۔ مگر وزیر اعظم عربی نے اس مرتبہ نیا لتگین کی حمایت کی۔ اس نے قاضی شیرازی سے بے پرواہ ہوکر ہندوستان پر فوجی حملہ کردیا۔ اور سرعت سے بڑھتا ہوا بنارس تک پہنچ گیا۔ اس شہر کو لوٹا۔ قاضی شیرازی نے غزنی اطلاع دی کہ نیا لتگین نے بیشمار دولت حاصل کی ہے۔ خود مختاری کی طرف مائل ہے اپنے کو محمود کا بیٹا کہتا ہے۔ نیا لتگین نے واپس آکر قاضی کو قلعہ میں قید کردیا۔

سلطان مسعود نے ۴۲۶ھ ۱۰۳۴ء میں احمد نیا لتگین کی سرکوبی کے لئے ایک ہندو سپہ سالار ناتھ کو بھیجا مگر وہ ناکام رہا۔ اس کے بعد اس کی سرکوبی کے لئے ایک دوسری فوج بھیجنی چاہی، مگر مہم کی دشواریوں کو دیکھکر کوئی آمادہ نہ ہوا۔ آخر ایک دوسرا ہندو سپہ سالار تلک آگے بڑھا اس نے اس مہم کو انجام دینے کا بیڑا اٹھا لیا۔

تاریخ بیہقی میں ہے سالار تلک سوبندرائے کی جگہ غزنی کی ہندو فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس کے مکان پر نوبت بجتی تھی اور علم خیمہ اور چتر عطا ہوا تھا۔ تلک لاہور آیا تو نیا لتگین فرار ہوچکا تھا۔ اس نے اس کے سر کی قیمت پانچ لاکھ درہم مقرر کی، پھر چن چن کر اس کے سپاہیوں کو اس وقت تک مارا جب تک انہوں نے نیا لتگین کا ساتھ چھوڑنے کا وعدہ نہیں کرلیا۔ پھر جاٹوں نے بحر سندھ عبور کرتے ہوئے نیا لتگین کو بھی پکڑ لیا اور اس طرح اس کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ گویا غزنوی سلطنت کے استحکام میں ہندوؤں اور جاٹوں نے رضاکارانہ

حصہ لیا۔

اس کے بعد سلطان مسعود نے ۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء میں ہندوستان کا رخ کیا اور قلعہ بانسی اور سونی پت پر قبضہ کیا۔ اور اپنے لڑکے مجدود کو پنجاب کا گورنر بنا کر غزنی واپس گیا۔ اور ایاز کو اس کا اتالیق مقرر کیا۔ اسی زمانے میں دوسری طرف سلجوقیوں کو عروج حاصل ہو رہا تھا، اور ان کا سیلاب بڑھتا ہوا غزنی تک آ رہا تھا۔ مسعود نے اس اُبھرنے والی نئی طاقت کا مقابلہ کیا۔ اور ۴۳۲ھ/۱۰۴۰ء میں مرو کے میدان میں اس کو فاش شکست ہوئی۔ مستقبل کا نقشہ اس کی نگاہ میں آیا اور اس نے غزنی اپنے پایۂ تخت کو پنجاب میں لے آنے کا فیصلہ کیا۔ تین سو اونٹوں پر زر و جواہر اور مال و دولت کا انبار لاد کر چلا۔

ہندوستان کی دولت ہندوستان کو آ رہی تھی کہ اثنائے راہ میں اس کے ترک اور بیشتر ہندو سپاہیوں نے اس سے بے وفائی کی۔ خزانہ لوٹ لیا۔ سلطان کو حراست میں لے لیا اور اس کے نابینا بھائی سابق سلطان محمد کو قید سے نکال کر تخت نشین کر دیا۔ اور چند دنوں کے بعد مسعود قتل کر دیا گیا۔

سلطان مسعود کے قتل کے بعد اس کے بیٹے۔ مودود نے غزنی میں تخت نشینی اختیار کی اور ۴۳۳ھ/۱۰۴۱ء میں حملہ کر کے محمد کا خاتمہ کیا۔ ہندوستان کے امراء مودود اور محمد کی کشمکش میں محمد کے طرفدار تھے۔ اس طرح پایہ تخت غزنی اور ہندوستان کے امرائے

غزنی کی پالیسی میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

سلطان مودود

سلطان مودود (۴۳۲ھ ۱۰۴۱ء ۔ ۴۴۱ھ ۱۰۴۹ء) اس کے باوجود ہندوستان کے امرائے غزنی سے مرعوب نہیں ہوا۔ اس نے ابونصر محمد بن احمد کو لاہور کا حاکم مقرر کیا۔ اور خود ملتان سے لاہور آیا اور ہانسی اور تھانیسر تک کا دورہ کر کے واپس آیا۔ اس اثنا میں سلجوقیوں کا زور بڑھتا گیا اور مودود کو ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ یہ دیکھکر اس کے بھائی مجدود نے مودود سے ناراض ہو کر امراء کی مدد سے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ مودود نے ۴۳۵ھ ۱۰۴۲ء میں پنجاب پر فوج کشی کی، مگر مجدود نے لاہور کو بچا لیا لیکن اسی اثناء میں مجدود اپنے خیمہ میں مردہ پایا گیا۔ اس کا دست راست ایاز بھی مر گیا اور مودود کے قبضہ میں پنجاب آگیا۔

غزنویوں کی خانہ جنگی اور ہندوستان میں جذبہ وطنیت

غزنویوں کی خانہ جنگی اور سلجوقیوں سے ان کی معرکہ آرائی سے ہندوستان کے راجپوتوں نے پورا فائدہ اٹھایا، ان میں وطن اور دھرم کو بچانے کا نیا جذبہ پیدا ہوا۔ جو لوگ ترکوں کے خوف سے جنگلوں میں پناہ گزیں تھے۔ خود اعتمادی کے ساتھ نکل پڑے، تقدیر نے یاوری کی، راجہ دہلی کی سرکردگی میں ۴۳۵ھ ۱۰۴۲ء ہی ہانسی اور تھانیسر پر قبضہ کر لیا۔

محمود نے ہندوؤں کے مقدس مقامات میں سے جن کو فتح کیا تھا۔ ان میں سے صرف نگر کوٹ پر اپنا قبضہ رکھا انہوں نے اس کو بھی واگذار

کرلیا۔ جس سے ہندوستان میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ جاتری جوق در جوق تیرتھ کے لئے آنے لگے۔ اب راجپوتوں کے دل بڑھے ہوئے تھے۔ وہی اور مضافات کے علاقے تو غزنویوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے وہ لاہور کا فیصلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے یہ دیکھکر غزنوی امرا میں بھی نئی حرارت آئی۔ اختلاف کو بھلا دینے کا عزم کرکے اُٹھے راجپوتوں کا لشکر بغیر لڑے واپس چلا گیا۔ مودود نے سنہ ۴۴۰ھ / ۱۰۴۸ء میں اپنے لڑکے ابوالقاسم محمود کو لاہور کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اور علی کو ہند کا سپہ سالار بنایا جس نے پشاور، کشمیر اور ملتان کی بغاوتیں فرو کیں۔ لیکن ہانسی، تھانیسر اور نگر کوٹ کے قلعے قبضہ میں نہ آسکے۔

سلطان عبدالرشید

مودود کی وفات کے بعد علی بن ربیع ایک امیر نے اس کے تین چار برس کے بچے مسعود ثانی کو تخت پر بٹھا دیا۔ مگر دوسرے امرا نے مودود کے بھائی علی بن مسعود کی اطاعت کی اور علی بن ربیع ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان چلا آیا۔ اور پشاور سے سندھ تک کے علاقے کو قبضہ میں لے لیا۔ اسی اثنا میں سلطان مودود کے چھوٹے بیٹے عبدالرشید (۴۴۳ھ / ۱۰۵۱ء - ۴۴۴ھ / ۱۰۵۲ء) نے غزنی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ربیع کو غزنی واپس بلا لیا اور اسکی جگہ نوشتگین کرخی کو ہندوستان اور سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔

نوشتگین حاکم پنجاب

غزنوی حکمرانوں کی خانہ جنگی کے بعد نوشتگین گویا ہندوستان کا باضابطہ سرکاری حاکم تھا۔

اس کے ساتھ مستحکم فوج بھی آئی تھی۔ اس نے قلعہ نگر کوٹ پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔

سلطان فرخ زاد

اس اثناء میں غزنی میں پھر انقلاب حکومت ہوا جس کے بعد فرخ زاد بن مسعود (۴۴۴ھ / ۱۰۵۲ء — ۴۵۰ھ / ۱۰۵۹ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے کسی کو ہندوستان کا والی بنا کر نوشتگین کو اپنی وزارت کے منصب کے لئے طلب کرلیا۔

سلطان ابراہیم

اس کے بعد سلطان ابراہیم بن مسعود (۴۵۰ھ / ۱۰۵۹ء — ۴۹۲ھ / ۱۰۹۸ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے چالیس برس حکمرانی کی۔ لیکن اپنے پورے دور حکومت میں اس نے ہندوستان پر صرف دو مرتبہ چڑھائی کی۔ آخری مرتبہ ۴۷۳ھ / ۱۰۷۹ء میں آیا اور اجودھن (پاک پٹن) پر قبضہ کیا۔ پھر قلعہ روپر پر دھاوا کیا، اسی طرح روپال اور نیتی کال کو قبضہ میں لایا اور بڑھتا گیا۔ سہارن پور کے ضلع تک آیا اور کئی قلعوں پر قبضہ کرکے واپس گیا۔

سلطان مسعود بن ابراہیم

سلطان مسعود بن ابراہیم (۴۹۲ھ / ۱۰۹۸ء — ۵۰۸ھ / ۱۱۱۴ء) اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں ہندوستان کا والی طغا تگین بنایا گیا۔

طغا تگین حاکم پنجاب

گنگا کو عبور کرکے مختلف مقاموں کو قبضہ میں لایا اور کثیر دولت کے ساتھ لاہور واپس گیا۔

سلطان ارسلان

مسعود بن ابراہیم کی وفات کے بعد سلطان ارسلان (۵۰۸ھ / ۱۱۱۴ء — ۵۱۱ھ / ۱۱۱۷ء) کا دور آیا۔ اس زمانے میں

غور و خوارزم نئی طاقتیں اُبھر رہی تھیں۔ ایک نے سلجوقیوں کی جگہ لی اور دوسری نے غزنویوں کا خاتمہ کیا۔ ارسلان کے زمانہ میں سنجر سلجوقی نے غزنی پر قبضہ جما لیا تو وہ ہندوستان چلا آیا، اور یہاں سے ہندوستانی لشکر فراہم کر کے غزنی پر چڑھائی کی اور اپنے پایۂ تخت کو واپس لے لیا۔ لیکن سنجر نے واپس آ کر پھر غزنی پر قبضہ جما لیا۔ ارسلان پہاڑوں میں چھپ رہا جہاں سے پکڑ کر لایا گیا اور قتل کیا گیا۔

محمد باہیم والی پنجاب

اس زمانے میں ہندوستان کی ولایت کی زمام محمد باہیم کے ہاتھ میں تھی وہ اپنی دانشمندی سے پنجاب کو بچائے رہا۔ اور پایہ تخت غزنی کے انقلابات کے اثر سے یہ صوبہ محفوظ رہا۔

بہرام شاہ

اس کے بعد بہرام شاہ بن مسعود (۵۱۱ھ ۱۱۱۷ء — ۵۴۷ھ ۱۱۵۲ء) سلطان سنجر کی بخشش کے طور پر جو بہرام کا ماموں بھی تھا۔ غزنی کے تخت پر بیٹھا محمد باہیم نے غالباً ارسلان کی ہمدردی میں ہندوستان میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مگر بہرام نے غفلت نہ برتی فوراً کوچ کر کے (۵۱۴ھ ۱۱۲۰ء) میں ہندوستان آیا محمد باہیم کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوا۔ مگر پھر خطا معاف کر کے ہندوستان کی حکومت اس کے سپرد کر کے واپس چلا گیا۔

قلعہ ناگور پر قبضہ

اس کے بعد محمد باہیم نے قلعہ ناگور فتح کیا۔ اس کو مستحکم کر کے اپنا مامن بنایا، اور عظیم الشان

لشکر فراہم کرلیا اور مختلف راجاؤں سے معرکہ آرا رہا۔

محمد باہیم کی بغاوت اور زوال

اس اثنا میں اس کو اپنی طاقت پر پھر اعتماد ہوگیا اور غزنی کی کمزور سلطنت کے ماتحت رہنا جو خود قوی دشمنوں کے نرغہ میں اس وقت تھی، پسند نہیں کیا۔ سلطان بہرام اس کو سزا دینے پھر آیا، ملتان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ محمد باہیم شکست کھا کر مارا گیا۔

حسین بن ابراہیم والی پنجاب

سلطان بہرام ہندوستان میں حسین بن ابراہیم علوی کو حاکم بنا کر چلا گیا۔ جب غوریوں کا حملہ غزنی پر شروع ہوا تو بہرام مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر ہندوستان چلا آیا، پھر موقع پا کر واپس گیا۔ اور غزنی پر قبضہ کیا۔

غزنی کی بربادی

لیکن پھر ۵۴۴ھ / ۱۱۵۱ء میں علاء الدین حاکم غور نے غزنی پر قبضہ کر لیا اور شہر میں آگ لگا دی۔ اسی سے "جہاں سوز" کا لقب پایا، سلطان بہرام غزنی کی بربادی کا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور اسی غم میں ہندوستان واپس آ کر ۵۴۷ھ / ۱۱۵۲ء میں اس دنیا سے چل بسا۔

خسرو شاہ

اس کے لڑکے خسرو شاہ (۵۴۷ھ / ۱۱۵۲ء - ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء) نے غزنی ہی میں اپنا تخت بچھانا چاہا۔ مگر غوری آن موجود ہوئے اس لئے وہ نامراد ہندوستان واپس آیا۔

غزنوی سلاطین کا مامن ہندوستان

اب غزنویوں کا مامن یہی ہندوستان تھا۔ اور ان کا پایہ تخت غزنی کے بجائے لاہور تھا۔

ملک خسرو

خسرو شاہ نے ۵۵۵ھ میں لاہور میں وفات پائی ملک خسرو (۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء۔ ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء) میں اس کا جانشین ہوا۔ اور اس نے بیس برس امن وامان سے اپنے مقبوضات ہند پر حکمرانی کی۔

راجہ جموں کی دعوت شہاب الدین غوری کو

اس اثنا میں سلطان شہاب الدین غوری کا آفتاب اقبال طلوع ہوا۔ غزنوی سلطنت لاہور کی سرحد مشرق میں سیالکوٹ تک تھی۔ اور یہی راجہ جموں کی سرحد اس سے ملتی تھی، یہاں کے راجہ چکردیوں نے سلطان شہاب الدین کو پنجاب کا خاتمہ کرنے کی دعوت بھیجی شہاب الدین کے حملے ہندوستان پر شروع ہو گئے۔ اور پشاور، ملتان اور سندھ کو اس نے فتح کیا۔ پھر ۵۷۶ھ/۱۱۸۶ء میں لاہور پر فوج کشی کی خسرو ملک کا قلعہ بند ہو گیا۔ اور شہاب الدین کو واپس جانا پڑا، ۵۸۰ھ/۱۱۸۶ء میں وہ پھر ہندوستان آیا اور سیالکوٹ کے قلعہ کو فتح کر کے اس کو مستحکم کیا۔

آل سبکتگین کا زوال

اس کے بعد ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء میں وہ پھر لاہور آیا اور خسرو ملک اور اس کے پورے خاندان کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا۔ وہاں سے زابلستان کے قلعہ میں قید کر دیا۔

جہاں اس نے ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء میں وفات پائی۔

غزنوی سلطنت کے خاتمہ میں ہندو و مسلم حکمرانوں کا اشتراک

اس طرح ہندو و مسلم دونوں حکمرانوں کی باہمی صلاح و اشتراک عمل سے ہندوستان میں آل سبکتگین کی غزنوی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

غزنوی سلاطین کے دور میں ہندوستان میں علوم و فنون کی ترقی

غزنوی سلاطین کی علم پروری شہرت عام رکھتی ہے۔ ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے۔ اور فارسی و عربی ادب میں ان کے نقوش تابندہ ہیں۔ غزنوی سلاطین میں بیشتر خود صاحب علم و فضل تھے سلطان محمود کی فتح مندیوں اور کشور کشائیوں کے ساتھ اس کے علم و فضل کا شہرہ بھی کچھ کم نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شاعری پر اس نے شاہانہ توجہ کی ایک مستقل محکمہ قائم کیا۔ اس کے خوان کرم سے چار سو شاعر بہرہ یاب تھے۔ فردوسی، اسید طوسی، عجدی، غفاری، فرخی، حکیم سنائی، منوچہری و امغانی وغیرہ میں سے ہر ایک اقلیم سخن کا تاجدار تھا۔ دوسری طرف جلیل القدر عربی گو شعراء اس کے دامن فیض سے وابستہ تھے مگر انکے کلام کا عام جوہر نگاہوں کے سامنے نہ آسکا بلکہ غزنوی عہد کی تاریخ سے ان کے نام و نشان بھی رفتہ رفتہ محو ہو گئے مگر عرب تذکرہ نگاروں نے تتمتہ الیتیمہ و یتیمہ القصر اور شذرات الذہب وغیرہ میں ان کا

تذکرہ محفوظ رکھا ہے۔ اگر محمود، صاحب تاج وتخت نہ ہوتا تو اس کا شمار پانچویں صدی کے ممتاز اہل علم میں ہوتا۔ ابن شیبہ کا بیان الجواہر الخلیہ میں منقول ہے کہ سلطان محمود اعیان فقہار میں سے تھا، اور فصاحت و بلاغت میں یگانۂ روزگار تھا، علم وفقہ وحدیث میں اس کی تصنیفات، خطبے اور رسائل ہیں۔ وہ بہترین شعر بھی کہتا تھا۔ اس کی تصنیفات میں کتاب التفرید جو فقہ حنفی میں ہے ممالک غزنی میں عام شہرت رکھتی ہے۔ اس کی مجلس علمار سے معمور رہتی وہ علم حدیث کا شائق تھا، علمار اس کی موجودگی میں حدیث کا سماع کرتے اور وہ بھی روایت لینے والوں میں سے ہوتا اور احادیث کے متعلق استفسا کرتا رہتا اور اس طرح تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں اس کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حنفیت کے بعد شافعی مذہب کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ امام الحرمین نے بھی اپنی تصنیف مغیث الخلق میں ذکر کیا ہے۔ اور قاضی ابن خلکان نے بھی اس حیثیت سے اس کے سوانح اپنی کتاب میں درج کیے ہیں۔ سلطان مسعود بھی علم و علمار کا قدردان تھا۔ مختلف مایہ ناز کتابیں اس کے لیے تصنیف کی گئیں۔ فنون ریاضی میں بیرونی کی کتاب القانون المسعودی فقہ حنفی میں قاضی ابو محمد ناحی کی کتاب المسعودی، اس عہد کی یادگار ہیں شعرار کا بھی قدردان تھا۔ اور غیر معمولی بخششیں دیتا تھا۔ سلطان ابراہیم علم وفن سے دلچسپی رکھتا تھا۔ بہترین خطاط تھا۔ ہر سال ایک

مصحف اپنے ہاتھ سے لکھکر صدقات کے ساتھ مکہ معظمہ بھیجا کرتا تھا
بہرام شاہ بھی علم و علماء کا قدر دان تھا۔ کتابیں جمع کرنے کا شائق
اور اپنے سامنے پڑھوا کر سننے کا عادی تھا۔ مختلف کتابیں اس کے لئے
لکھی گئی ہیں۔ نظامی گنجوی نے اپنی مخزن الاسرار اس کے لئے لکھی،
کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ عربی سے فارسی میں اس کے لئے کیا گیا ہے۔ اور
ابوالمجید مجدود بن آدم سنائی نے کتاب الحدیقہ تصنیف کی۔

شعراء غزنوی سلاطین کی علم پروری سے ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے۔ اور
فارسی و عربی ادب میں ان کے نقوش تازہ ہیں۔ پنجاب میں ان کے پچاس
ساٹھ سال کی حکمرانی کے دور میں یہاں فارسی گو ہندوستانی شعراء بھی
پیدا ہو گئے۔ چنانچہ عوفی نے اپنے تذکرہ میں ان کے لئے ایک مستقل باب
قائم کیا ہے۔ ان میں ابوالفرج بن مسعود متوفی ۴۸۴ھ رونی اور
مسعود بن سلمان اور روزبہ بن عبداللہ لاہوری خاص طور پر لائق
ذکر ہیں۔ رونی کا فضل و کمال یہ ہے کہ عوفی کے بقول انوری جیسا
قصیدہ گو شاعر اس کا تتبع تھا۔ رونی کا انتخاب لاہور کے ایک قصبہ
رونی کی طرف تھا۔ سعد بن سلمان کو سلطان مسعود نے ۴۲۶ھ میں
ہندوستان بھیجا اور متوفی الممالک کے عہدہ پر مامور کیا۔ اور وہ یہاں
کے ممتاز امراء میں سے تھا۔ مسعود سعد بن سلمان اس کا خلف الرشید
تھا۔ وہ لاہور ہی میں پیدا ہوا اور یہیں نشوونما پائی، سلطان ابراہیم کے

عہد میں امتیاز حاصل کیا، علوم میں دستگاہ حاصل کرنے کے بعد فن شعر کی طرف متوجہ ہوا۔ حکومت کی ممتاز خدمتوں پر مامور رہا۔ اور شعراء کی قدردانی کرتا رہا۔ ۴۷۵ھ میں شاہی عتاب میں آیا اور چند سال کے بعد جب معافی ملی تو ہندوستان آکر خانہ نشین ہو گیا۔ مسعود سعد سلمان کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ ہندوستان کا پہلا شاعر ہے۔ جس نے عربی و فارسی کے ساتھ ہندوی یا ہندوستانی زبان میں بھی شاعری کی اور اس زبان میں اپنا مستقل دیوان اپنی یادگار چھوڑا۔ جو عبدالقادر بدایونی کے زمانے تک موجود تھا۔ ابوالعلاء عطار بن یعقوب متوفی ۴۹۱ھ اس عہد کے ممتاز شعراء میں سے تھا۔ وہ بھی شاہی عتاب میں آیا تھا۔ وہ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں صاحب دیوان ہے۔ عربی و فارسی تذکروں میں حالات ملتے ہیں۔ نیز تصوف کا بھی ذوق تھا کشف المحجوب میں ذکر آیا ہے۔

علماء و محدثین قضاۃ

اسی طرح اس عہد میں ہندوستان میں ممتاز علماء اسلام اور مشائخ صوفیہ کے فیوض و برکات کا سرچشمہ جاری ہوا۔ چنانچہ شیخ ابوالمنصور بن علی غزنوی کو جو ممتاز اہل علم میں سے تھا۔ سلطان مسعود غزنوی نے ۴۲۶ھ میں ہندوستان بھیجا لاہور میں قیام تھا۔ یہاں دیوان الانشاء کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی جو علوم ہندسہ ہیئت، نجوم اور فلسفہ ہنود میں استاد فن مانا گیا، اسی عہد میں گذرا ہے

بیرون، سندھ ہی کا ایک گاؤں تھا، جس سے منسوب کیا گیا۔ وہ شیخ بوعلی سینا کے معاصرین میں سے تھا۔ اور ان دونوں میں مراسم قائم تھے وہ سالہاسال ہندوستان میں قیام پذیر رہا اس کی تصنیفات کتاب الہند جو خاص ہندوستان کے موضوع پر لکھی گئی۔ کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ وغیرہ شہرت عام رکھتی ہیں۔ شیخ ابوالحسن علی بن عمر لاہوری متوفی ۵۲۹ھ اس عہد کے نامور محدث، ادیب و شاعر تھے۔ شیخ عبدالصمد بن عبدالرحمٰن لاہوری ان کے تلامذہ میں سے اور سمعانی صاحب کتاب الانساب کے شیخ حدیث تھے۔ اسی طرح شیخ ابو جعفر عمر بن اسحٰق دانشی لاہوری اس عہد کے ممتاز عالم و شاعر تھے۔ عوفی نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اور کلام کا نمونہ درج کیا ہے۔ شیخ عمرو بن سعید لاہوری متوفی ۵۸۱ھ فقیہ و محدث تھے۔ حافظ ابوموسیٰ مدینی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ شیخ ابوالقاسم محمود بن محمد لاہوری اس عہد کے ممتاز محدثین میں سے تھے۔ فقہ میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ ابوالمظفر سمعانی سے حدیث و فقہ کی تحصیل کی حموی نے معجم البلدان میں اور سمعانی نے کتاب الانساب میں تذکرہ کیا ہے ۵۴۰ھ کے قریب اسی طرح شیخ ابوالحسن مخلص بن عبداللہ ہندی ابونصر ہبیتہ اللہ فارسی وغیرہ اس عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے۔

مشائخ اس عہد کے ممتاز مشائخ میں حضرت فخرالدین حسین زنجانی لاہوری کا اسم گرامی سر فہرست آسکتا ہے۔ وہ حضرت ہجویری

کے خواجہ تاش تھے۔ فقہ و دیگر علوم دین اور راہ سلوک میں شان امتیاز رکھتے تھے شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے سلوک کی منزلیں طے کیں۔ پھر ہندوستان تشریف لاکر لاہور میں اقامت گزیں ہوئے۔ جس دن حضرت ہجویری لاہور تشریف لائے، اسی شب میں وصل فرمایا۔

حضرت ابوالحسن علی بن عثمانی ہجویری لاہوری کو بھی علوم دین اور تصوف میں شان امتیاز حاصل تھی۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے راہ سلوک طے کی، پھر مختلف ممالک اسلامی کی سیاحت کی، اور ممتاز اکابر عصر حضرت ابوالقاسم قشیری، شیخ ابوسعید بن ابوالخیر، ابو علی فضل بن محمد فارمدی و دیگر محدثین و صالحین سے کسب کمال فرمایا۔ پھر ہندوستان تشریف لائے اور لاہور کو مستقر بنایا گنج بخش و داتا گنج بخش کے لقب سے مشہور ہیں۔ ۴۶۵ھ میں واصل بحق ہوئے۔ مزار مرجع خلائق ہے۔

حضرت داتا گنج بخش صاحب تصنیفات ہیں۔ یہ پہلے شیخ طریقت ہیں جن کی تصنیفات سے ہندوستان میں علوم تصوف کی اشاعت ہوئی۔ کشف المحجوب ان کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے۔ یہ فن تصوف کی بنیادی کتاب ہندوستان میں سمجھی گئی اور مشائخ ہند نے اس کو اپنے سامنے رکھا اور آج قدر و منزلت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ ان کی دوسری تصنیفات میں مختلف رسائل منہاج الدین، کتاب الفناء و البقاء، اسرار الخلق والمؤنات، کتاب البیان لاہل العیان بحر القلوب اور الرعایہ لحقوق اللہ ہیں۔

اسی طرح حضرت شریف احمد بن زین چشتی ملتانی اکابر صوفیہ میں سے تھے۔ سرزمین ہند میں پیدا ہوئے، بغداد تشریف لے گئے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے فیوض حاصل کئے۔ پھر قریہ چشت میں آکر شیخ مودود چشتی سے بیعت ہوئے اور پھر ہندوستان واپس تشریف لائے اور خلائق کو نفع پہونچایا، ۵۷۷ھ میں وفات پائی اور نواحی ملتان میں آسودۂ خواب ہوئے۔

شیخ جمال السنہ ثقۃ الدین یوسف بن محمد در نبوی افاضل روزگار میں سے تھے خسرو ملک کے زمانہ میں درجۂ امارت پر سرفراز ہوئے۔ پھر تارک دنیا ہوئے، اور لاہور میں اصلاح خلق کی خدمت میں مصروف ہو گئے، جوانی میں شعر و شاعری کا بھی مذاق تھا۔ لاہور ہی میں وفات پائی اور عوفی کے بقول قبر زیارت گاہ خلائق ہے۔ اور لوگ برکت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح شیخ جمال الدین یوسف بن ابوبکر گردیزی اس عہد کے اکابر فقہا میں سے تھے۔ عبادت و ریاضت کی طرف رجوع ہو گئے اور مرجع خلائق بنے۔ ۵۳۱ھ میں ملتان میں وفات پائی۔

ممتاز اعیان

غزنوی کے عہد کے ان ممتاز اعیان میں جن کا تعلق ہندوستان سے وابستہ ہو گیا۔ احمد بن نیا لتگین متوفی ۴۲۵ھ تھا جس کا ذکر اوپر تفصیل سے گزر چکا۔ اسی طرح اریاق الحاجب بھی محمود کا غلام تھا، اس کے زمانے میں لاہور کا

والی بنایا گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد المقتول سنہ ۴۳۲ھ میں مامور کیا گیا تھا۔ محمود کا مشہور غلام ابوالنجم ایاز غزنوی کا تعلق بھی ہندوستان سے وابستہ ہوگیا تھا۔ اس نے شیخ افضل الدین محمد کاشانی سے علوم کی تحصیل کی تھی۔ ایاز و محمود کے واقعات عام شہرت رکھتے ہیں۔ وہ سلطان مسعود کے زمانے میں مجدود کے ساتھ سنہ ۴۲۷ھ میں ہندوستان آیا۔ وہ مجدود کا اتالیق تھا، امور مملکت انجام دیتا رہا اور لاہور ہی میں سنہ ۴۴۹ھ میں وفات پائی۔ نوشتگین حاجب اوپر گزرا جس کو سلطان عبدالرشید نے ہندوستان میں مامور کیا تھا۔ طغاتگین مشہور غزنوی سپہ سالاروں میں سے تھا۔ اس کا ذکر بھی اوپر گزر چکا۔ اسی طرح محمد باہیم حاجب متوفی سنہ ۵۱۱ھ کا ذکر بھی گزر چکا ہے۔ حضرت سالار مسعود غازی المقتول سنہ ۴۲۴ھ اس عہد کے ممتاز اعیان و سالار فوج میں سے تھے[1]

---

[1] لباب الالباب جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ التواریخ بدایونی۔ عہد اسلامی کا ہندوستان از مولانا سید ریاست علی ندوی صفحہ ۱۰۱

سلطان معزالدین محمد بن شام غوری

غوری سلطنت کا بانی عزالدین حسین عربی و ایرانی مخلوط النسل کے قبیلہ سے تھا جو آل شنسب کہے جاتے تھے۔ ۴۹۳ھ/۱۰۹۹ء میں خود مختار حکومت کی بنا عزالدین نے ڈالی اس کا پوتہ معزالدین محمد بن شام مشہور شہاب الدین تھا جس نے غزنی کو فتح کیا جس کی وجہ سے صوبہ دار بنا۔ پھر اپنے برادر سلطان غیاث الدین کے مرنے کے بعد پوری سلطنت کا مالک بنا۔ تھوڑے عرصہ میں اس نے خود اور اپنے گورنروں کے ذریعہ پشاور سے بنگال تک علاقہ زیر نگیں کر لیا۔ دوسری طرف ملتان و سندھ میں اپنا اقتدار بٹھایا۔

سلطان معزالدین ۵۳۲ھ میں غور میں پیدا ہوا۔ اس کا بھائی حکمران غور کا تھا اس نے بدو شعور کے بعد سے ہی اپنی حرب دانی کی وجہ سے سپہ سالار کے عہدہ تک پہنچ گیا۔

معزالدین نے عنان حکومت سنبھالتے ہی محمود غزنوی کے مثل فتوحات کا داعی ہوا۔ غزنوی حکومت کا دائرہ جہاں تک تھا اس حصہ کو پہلے قبضہ میں لانا چاہا چنانچہ پنجاب پر پہلے اس کی توجہ تھی اس کے علاوہ قرامطہ جنہوں نے الحاد پھیلا رکھا تھا ان کے وجود سے اسلام کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔

قرامطہ کا استیصال

چنانچہ سب سے پہلے سلطان ۵۷۱ھ/۱۱۷۵ء میں ملتان کے ملاحدہ کی سرکوبی کے لئے پہونچ گیا۔ رانی کی لڑکی سے شادی کی۔ ملاحدہ گجرات کے بگھیلے راجہ بھیم دیو کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ سلطان نے حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ ملاحدہ روپوش ہو گئے اور ان کی مرکزیت ختم ہو گئی۔

غزنوی سلطنت کو مٹانا

اس کے بعد اس نے ہندوستان سے غزنوی سلطنت کے نشان کو مٹانے کے لئے پے در پے حملے کئے، اس غرض سے اس نے جموں کے راجہ چکر دیو سے دوستی کر لی تھی اور اسی کی دعوت پر آ کر غزنوی سلطنت پنجاب کے خلاف اس نے اپنی فوجی مہم کا آغاز کیا چنانچہ اسی سلسلہ میں سب سے پہلے اس نے پشاور کی شہر پناہ پر دستک دی اور ۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء میں پشاور پر قبضہ کر لیا۔ دو سال کے بعد اس نے لاہور پر چڑھائی کی۔ پھر ۵۸۱ھ/۱۱۸۰ء میں وہ دوبارہ پنجاب آیا اور اس کے دوسرے سال جیسا کہ اوپر گزرا۔ بالآخر ۵۸۲ھ میں اس نے لاہور فتح کر کے غزنوی شاہزادہ خسرو ملک کو گرفتار کر لیا اور ہندوستان سے غزنوی سلطنت کا نشان مٹ گیا۔

ہندوستان میں مستحکم سلطنت کی بنا رتاسیس

تیسرے مقصد کو حاصل کرنے کے

لیے اس نے سب سے پہلے ۵۷۴ھ/۱۱۷۸ء میں گجرات پر چڑھائی کی۔ اور اسکے
صدر مقام نہلواڑہ کا محاصرہ کیا۔ مگر گجرات کے راجہ مول راج اور
اس کے چچا راجہ بھیم بگھیلا نے اس کو شکست دی، دوسرا حملہ اس نے
۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء میں بھٹنڈا پر کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ یہ مقام دلّی کے
راجہ پرتھوی راج کے قبضہ میں تھا۔ سلطان کی واپسی میں جو
پرتھوی راج نے اس کا تعاقب کیا۔ تراوڑی کے میدان میں دونوں
فوجوں کا مقابلہ ہوا غوری نے شکست کھائی اور بھٹنڈا اس کے قبضہ
سے نکل گیا۔ ایک سال کے بعد ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء میں سلطان دوبارہ آیا۔ اور
اسی تراوڑی کے میدان میں ان ہی دونوں کا دوبارہ مقابلہ ہوا۔
پرتھوی راج لڑائی میں مارا گیا اور دہلی اور اجمیر کی سلطنتیں اس کے
قبضہ میں آگئیں۔ اور مشہور قلعے سرستی، ہانسی، ہمانہ اور سکرام وغیرہ
اس سلطنت کے حدود میں داخل ہو گئے۔ سلطان نے پرتھوی راج
کے قدیم خاندانی اعزاز کو برقرار رکھا اور اس کے لڑکے کو اجمیر کے
تخت پر بٹھا دیا۔ اور اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اپنا نائب السلطنت
بنا کر غور و واپس چلا گیا۔ قطب الدین ایبک نے پہلے سکرام بھرولی
کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ اس کے بعد قطب الدین نے اپنے طور پر
فتوحات میں اضافہ کیا۔ اسی سال میں ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء میں میرٹھ فتح ہوا
اور ۵۸۹ھ/۱۱۹۴ء میں علی گڑھ قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد ۵۹۰ھ/۱۱۹۵ء میں سلطان
شہاب الدین پھر ہندوستان آیا اور اٹاوہ کے قریب چنداور میں

قنوج کے راجہ جے چند کو شکست دی۔ اور وہ لڑائی میں مارا گیا۔ اور قنوج سے بنارس تک کا علاقہ غوری سلطنت کے حدود میں داخل ہو گیا۔ پھر قطب الدین ایبک نے ۵۹۱ھ / ۱۱۹۴ء میں گجرات کے پایہ تخت پٹن کو فتح کیا۔ اور ۵۹۲ھ / ۱۱۹۵ء میں اس نے انہلواڑہ لوٹا، اور راجہ بھیم نے شکست کھائی۔ پھر تیسرے سال ۵۹۳ھ / ۱۱۹۶ء میں تیسری مرتبہ گجرات پر حملہ کیا اور اپنے مقبوضات کے لئے نائب حکومت مقرر کر کے چلا آیا۔ مگر گجرات پھر قبضہ سے نکل گیا۔ دوسری طرف ۵۹۲ھ / ۱۱۹۵ء میں چند و جاتی آبو اور ناگور کے راجاؤں نے اجمیر پر قبضہ کرنا چاہا۔ مگر ایبک نے سب کو شکست دے دی۔ اسی طرح ۵۹۳ھ / ۱۱۹۶ء میں اس نے بیانہ کو فتح کیا۔ اور گوالیار کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں کے راجہ نے خراج دینا منظور کیا۔ پھر اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی کو فوج دے کر بھیجا جس نے ۵۹۶ھ / ۱۱۹۹ء میں بہار کو فتح کیا۔ پھر آگے بڑھ کر بنگال کے پایہ تخت ندیا پر قبضہ کیا۔ اور دوسری طرف کالنجر کے راجہ پرمل پر حملہ ہوا۔ اس نے اطاعت قبول کی، پھر مہوبہ کالپی اور بدایوں اسلامی اقتدار میں داخل ہوئے یہاں تک کہ ۶۰۲ھ / ۱۲۰۵ء میں سلطان شہاب الدین غوری آخری مرتبہ ہندوستان آیا۔ اس وقت ہندوستان کی اسلامی سلطنت پشاور سے بنگال تک کے طول و عرض میں پھیل چکی تھی۔

وفات سلطان ہو لکر قوم کے فساد کے فرو کرنے کے سلسلہ میں ہندوستان آیا تھا انہیں مطیع کیا۔[۱] ۲۵ فروری ۱۲۰۶ء کو

---

[۱] ہندی قرون وسطیٰ جلد دوم صفحہ ۲۰۷

لاہور میں داخل ہوا۔

۳ شعبان ۶۰۲ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۲۰۶ء کو جب سلطان لاہور سے میک (دہمک ضلع جہلم) میں پہونچا تو بقایا عمرو ہیں گذاری ملاحدہ نے جو لشکر میں خدمت دربانی پر مامور تھے۔ موقعہ پاکر انتقاماً سوتے میں چھریوں سے شہید کر ڈالا[۱]۔ لاش غزنی لائی گئی اور سپرد خاک کی گئی۔ طبقات ناصری میں سنہ وفات یہ ہے:۔

شہادت ملک بحر و بر معز الدین — کز ابتدائے جہان شہ چو او نیامد یک
سوم زغرہ شعبان بسال شش صد و دو — فتاد در رہ غزنیں بمنزل دمیک[۲]

جانشین سلطان کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ اس کے تین ترک غلام فوجی گورنر منصب کے فرائض اس کی زندگی میں انجام دیتے تھے۔ اور وہی اس کے جانشین بن کر غوری سلطنت کے دعویدار ہوئے اور وہ سلطان تاج الدین یلدز، سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان ناصر الدین قباچہ تھے۔ ان میں سے اول الذکر یلدز نے غور میں اس کی جانشینی کی۔ اور پشاور کے اس پار کا علاقہ اس کے زیر تصرف رہا۔ قطب الدین ایبک دلی کی سلطنت پر بیٹھا اور ناصر الدین قباچہ کا تعلق بھی ہندوستان ہی سے تھا اس نے سندھ میں اپنی بادشاہی کا اعلان کیا ابتداءً ان تینوں میں زور آزمائی بھی ہوئی ۶۰۵ھ ۱۲۰۹ء میں

---

[۱] گزیدہ مسلوئی۔ مبارک شاہی۔ جہاں کشائے جوینی۔

[۲] طبقات ناصری صفحہ ۱۲۴

ایک چڑھائی کرتا ہوا غزنی تک قابض ہوگیا۔ مگر پھر ناکام واپس ہوکر اپنی سلطنت پر قناعت کرنی پڑی، سات سال کے بعد تاج الدین نے ہندوستان کا رُخ کیا۔ مگر قطب الدین کے زور آور پنجوں کی گرفت میں آگیا۔ اور بدایوں میں قید کردیا گیا۔ پھر قطب الدین نے غزنی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور دلّی کو پایۂ تخت بنائے رکھا۔ دوسری طرف ناصرالدین قباچہ کی نگاہیں بھی پنجاب پر تھیں، اس سے بھی اس کی معرکہ آرائیاں ہوئیں مگر قباچہ پیش نہ پاسکا۔ بالآخر سندھ کی سلطنت بھی اس نے کھوئی۔ ۶۲۴ھ ۱۱۲۷ء میں یہ صوبہ دلّی کے ماتحت آگیا۔ اور قباچہ نے دریا میں ڈوب کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا۔

سیرت و کردار سلطان شہاب الدین متقی دیندار شجاع اور عدل پرور تھا۔ رعایا کے ساتھ حُسن سلوک سے پیش آتا اور ان کے معاملات کا منصفانہ فیصلہ کرتا تھا۔ غزنی کا قاضی ہر ہفتہ میں چار دن اس کی موجودگی میں امیر حاجب و امیر داد کے مشترکہ اجلاس میں مقدمات و معاملات کی سماعت کرتا تھا۔ اور اگر کوئی صاحبِ معاملہ براہ راست توجہ سلطانی کو منعطف کرانا چاہتا تو اس کی سماعت خود کرتا تھا۔ اور قوانین احکام شریعت کے مطابق نافذ کئے جاتے تھے۔ وہ خود صاحبِ علم تھا۔ فقہا و علماء اس کی مجلس میں پابندی سے شریک رہتے اور فقہ و دیگر علوم دین کے مسائل زیر بحث رہتے تھے۔ وہ مذہبًا شافعی تھا۔ صاحبِ تفسیر کبیر امام فخر الدین

رازی کو سلطان سے تقرب حاصل تھا۔ وہ عقیدت مندی کے ساتھ ان سے پیش آتا ہفتہ میں ایک دن شاہی محل میں مجلس وعظ منعقد ہوتی۔ امام رازی کے بیان سے کبھی کبھی روتے روتے اس کی ہچکی بندھ جاتی تھی۔

علماء و مشائخ

غزنی کے دربار میں علماء و شعراء اور فضلا بکثرت موجود تھے جن میں سے بعض اہل علم شہاب الدین غوری کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے اور علم و عرفان کی خدمت کے لئے یہیں توطن اختیار کیا۔ چنانچہ سید کمال الدین عثمان ترمذی مشہور علمائے دین میں سے تھے۔ وہ سلطان شہاب الدین کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے۔ کیتھل میں اقامت اختیار کر کے علم کی خدمت میں مصروف رہے۔ ۶۰۳ھ میں وفات پائی۔ اس دور کے دوسرے اہل علم شیخ سراج الدین محمد بن عثمان جوزجانی ہیں۔ وہ فقہ، اصول اور علوم دینیہ میں دستگاہ رکھتے تھے۔ لاہور میں پیدا ہوئے۔ اساتذہ عصر سے علوم کی تحصیل کی۔ سلطان شہاب الدین نے ۵۸۲ھ میں لاہور کی قضائے عسکر پر مامور کیا۔ منہاج سراج صاحب طبقات ناصری ان ہی کے صاحبزادے تھے۔ طبقات ناصری اور لباب الالباب میں ذکر آیا ہے۔ وہ خلیفہ ناصر الدین اللہ کی خدمت میں سلطان شہاب الدین کی طرف سے سفیر بھی بنا کر بھیجے گئے۔ واپسی میں ۵۹۰ھ کے بعد مکران میں وفات پائی۔

اسی طرح شیخ خیطر الدین محمد بن عبد الملک جرجانی اس عہد کے ممتاز اہل علم وارباب صلاح میں سے تھے۔ عوفی کا بیان ہے کہ علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں ان کے زمانہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ عوفی نے کلام کا نمونہ بھی درج کیا ہے۔ یوں تو اس دور میں جب ہندوستان پر سلطان شہاب الدین غوری کے حملے جاری تھے حضرت خواجہ اجمیری ودیگر ممتاز مشائخ کرام یہاں تشریف لائے۔ مگر ان بزرگان دین کے فیوض وبرکات کا سلسلہ سلاطین دہلی کے دور تک جاری رہا۔ اس لئے اس موقع پر ان کا تذکرہ زیادہ موزوں ہوگا۔[۱]

---

[۱] عہد اسلامی کا ہندوستان از مولانا سید ریاست علی ندوی۔

سُلطان قطب الدین ایبک المعزی

سلطان قطب الدین تاتاری تھا۔ کم عمری میں بردہ فروش کے ہاتھ لگ گیا وہ ترکستان سے لے آیا۔ تاریخ مبارک شاہی میں ہے :-

"در شہر نیشاپور قاضی القضاۃ امام فخر الدین عبدالعزیز کوفی کہ از اولاد امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ بود خرید در مرافقت فرزندان او کلام اللہ خواند و تیر اندازی آموخت چنانچہ در اندک مدت کامل حال گشت چوں بزرگ شد تجار بحضرت غزنین بردست سلطان معز الدین محمد سام فروختند بہمہ باب اوصاف حمیدہ و آثار گزیدہ داشت فاما چنداں جمال نداشت و انگشت خنصرش شکستہ بود و در شجاعت و سخاوت نظیر خود نداشت" [1]

معز الدین کی عنایات روز بروز اس پر مبذول ہونے لگیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ سلطان شہاب الدین نے ایک مجلس عیش و طرب میں اسکو بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ اس نے اس وقت اس عطیہ کو سب فراشوں ملازموں اور اپنے ترکی ملازموں میں تقسیم کر دیا۔ اپنے پاس ایک پیسہ نہ

---

[1] تاریخ مبارک شاہی صفحہ ۳۸

رکھا۔ بادشاہ یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور حضوری کا حکم دیا۔ پھر میر آخوری کا عہدہ عنایت کیا۔ غور، غزنی اور بامیان کے سلاطین جب سلطان شہاب الدین سے خراسان کی طرف لڑنے لگے تو وہاں اس نے بہت کارنمایاں کئے اور اس کی شجاعت کی ایک دھوم مچ گئی۔

ایک دن دانہ گھاس کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ دفعتہً سلطان شاہ کے آدمیوں نے آگھیرا۔ اگرچہ اس وقت اس کے ساتھ بہت تھوڑے سپاہی تھے۔ مگر پھر بھی اس نے جوانمردی سے مقابلہ کیا اور قید ہو گیا جب سلطان شاہ کو شکست ہوئی تو قطب الدین کو سلطان شہاب الدین کے سامنے اونٹ پر بٹھا کر اسی صورت سے نکال کر لائے جس صورت سے وہ قید خانہ کے پنجرے کے اندر رہتا تھا۔ اس نمک حلالی پر اس کا اور اعتبار بڑھا۔ جب اجمیر میں فتح ہوئی تو وہی ہندوستان میں سلطان کا نائب اور قائم۔ سپہ سالار مقرر ہوا۔

اوصاف سلطان قطب الدین مجمع اوصاف تھا۔ ترکی الاصل ہونے کی وجہ سے شجاعت اور جوانمردی ماں کے پیٹ سے لایا تھا۔ سخاوت اور فراخ دستی اس کی عادت تھی۔ لاکھوں روپے فیاضی سے دوستوں کو دیتا تھا۔ اسی سبب سے لک بخش اس کا لقب تھا۔ شجاعت نے دشمنوں کو زیر کر رکھا تھا۔ اور سخاوت نے دوستوں کو محکوم بنا رکھا تھا۔ وہ ایسا ہر دلعزیز اور مقرر تھا کہ کوئی شخص اس پر رشک اور حسد نہ کرتا۔ عمائد سلطنت سے محبت پیدا کرنے کے لئے

اس نے بہت سے ناطے رشتے کیئے۔ اس سے اس کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ تاج الدین یلدوز کی لڑکی سے شادی کی۔ ناصرالدین قباچہ کو اپنی ایک بیٹی بیاہ دی۔ جب وہ مرگئی تو دوسری بیٹی سے نکاح کر دیا شمس الدین التمش بھی معزز غلاموں میں سے تھا۔ اس سے بھی اپنی ایک بیٹی کا نکاح کر دیا۔ ناصرالدین قباچہ قطب الدین کو ہمیشہ سے بزرگ جانتا تھا۔ اور اسی کی طرف سے سندھ پر حاکم مقرر تھا۔ مگر تاج الدین یلدوز اس رشتہ مندی کی کچھ پرواہ نہ کرتا تھا۔ اور اب تک ہندوستان کو غزنی کا صوبہ سمجھتا تھا۔ یہ سمجھ کر لاہور پر چڑھ گیا اور اس پر قبضہ جمالیا۔ مگر اس کا انجام یہ ہوا کہ ۶۰۳ھ ۱۲۰۵ء میں قطب الدین نے اس کو غزنی سے باہر نکال دیا۔ اور چالیس روز تک غزنی میں اپنا ڈنکا بجایا۔ اور تاج شاہی سر پر رکھ کر تخت پر جلوس کیا۔ مگر تاج الدین یلدوز نے پھر قطب الدین سے غزنی لے لیا اور قطب الدین وہاں سے لاہور چلا آیا اور عیش و آرام اور آسائش سے زندگی بسر کرنے لگا۔

عدالت، انصاف، خوش خوئی اور نیک معاملگی میں یہ بادشاہ بڑا مشہور تھا۔ اس کی ان سب باتوں کو لوگ مدت تک یاد کرتے رہے۔ ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء میں یہ بادشاہ چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا۔ اور مرگیا۔ چار برس تک وہ تخت نشین رہا۔ مگر ہندوستان میں اس کا انتظام اور بندوبست بہت زور سے تھا اور اس کے بعد بیس برس تک قائم رہا۔

صاحب تاج المآثر نے لکھا ہے کہ قطب الدین ایبک ایسا عادل بادشاہ تھا کہ اس کے عہد میں گرگ و گوسفند ایک ہی جگہ پانی پیتے تھے رعایا خوش حال اور مطمئن زندگی بسر کرتی تھی۔ بیجا تعصب بالکل نہ تھا اس کی فیاضی سے ہندو مسلمان مستفید ہوتے تھے۔ اس نے دہلی میں خوبصورت جامع مسجد تیار کرانا شروع کی جس کی یادگار قطب مینار باقی ہے۔

ایبک عدیم المثال فاتح یکتائے روزگار منتظم ہر دل عزیز[1] عادل اور علم و ادب کے بے نظیر سرپرست کی حیثیت سے پیش رو پر سبقت لے گیا تھا۔

مغز بین سلطان شہاب الدین نے ایک دن شہاب الدین سے عرض کیا:۔

"قطب الدین ایبک اس شہر کا بادشاہ بننا چاہتا ہے اور کھلی بغاوت اختیار کرنے والا ہے"

قطب الدین کو اس کی اطلاع ہوئی وہ بہت جلد خفیہ طور پر غزنی میں رات کو پہنچا اور سلطان شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے رقیبوں کو اس کی آمد کی خبر نہ ہوئی۔ دوسرے روز بادشاہ نے اپنے تخت کے نیچے چھپا کر بٹھایا اور آپ تخت کے اوپر بیٹھا۔ ایبک کے دشمنوں اور حاسدوں کو طلب کیا۔ ان کو اپنی اپنی

---

[1] طبقات ناصری جلد ا صفحہ ۲۹۸

جگہ پر بٹھا کر ایبک کے بارے میں ان سے سوالات شروع کئے۔ سب نے بالاتفاق کہا۔ ایبک باغی ہے اور سلطنت پر قابض ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ سلطان نے تخت کے پائے کو پاؤں سے ہٹایا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ندا دی۔ ایبک نے جواب دیا "لبیک" یعنی حاضر ہوں وہ اپنے الزام لگانے والوں کے روبرو آیا۔ وہ اس کو دیکھکر متحیر ہو گئے۔ اور زمین پر سجدہ کرنے لگے۔ سلطان نے فرمایا:۔

"اس دفعہ میں تمہارا قصور معاف کرتا ہوں مگر آئندہ ایبک کی عیب جوئی اور بدگوئی سے اجتناب کرو۔

آرام شاہ قطب الدین کے واقعۂ ناگزیر کے بعد امرار سلطنت نے اس نظر سے کہ آرام خلائق میں کوئی فرق نہ آئے۔ آرام شاہ پسر قطب الدین کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ مگر اس میں سلطنت کی قابلیت نہ تھی سا ایک سال سلطنت پر نہ گزرنے پایا تھا کہ حکومت کے اس طرح ٹکڑے اڑ گئے۔

ناصر الدین قباچہ مملکت سندھ پر متصرف ہوا۔ مملکت بنگال میں خلجیوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ سرحد پر ہندو راجاؤں نے دنگہ فساد پھیلایا۔ امیر علی اسمٰعیل دلمی اور دوسرے امرار کو جنہوں نے متفق الرائے ہو کر آرام شاہ کو بادشاہ بنایا تھا۔ اپنی رائے سے ندامت اور پریشانی ہوئی۔ انہوں نے ملک شمس الدین التمش کو

جو قطب الدین کا غلام داماد متبنی اور بدایوں کا حاکم تھا آدمی بھیجکر اس سے سلطنت کی استدعا کی وہ اپنی جمعیت لے کر دہلی آیا۔ شہر پر متصرف ہوا۔ آرام شاہ شہر سے باہر نکل گیا۔ حوالی شہر میں باپ کے نوکروں کو جمع کر کے تسخیر دہلی کا ارادہ کیا۔ مگر سلطان التمش نے لڑائی میں اس کو شکست دی۔ پھر آرام شاہ مرگیا اس نے ایک سال بھی سلطنت نہ کی اور آپس میں ممالک ہندوستان کے چار حصے ہو گئے۔ مملکت سندھ پر ناصرالدین قباچہ متسلط ہوا۔ ممالک بنگال میں ملوک خلجی متصرف ہوئے۔ صوبہ دہلی پر سلطان التمش قابض ہوا۔ حکومت لاہور کبھی ملک تاج الدین یلدوز کے قبضہ میں رہتی، کبھی ناصرالدین قباچہ متصرف ہوتا اور کبھی شمس الدین التمش کی حکومت قائم ہوتی۔

مقبرہ سلطان سلطان التمش نے سلطان کا مقبرہ لاہور میں تعمیر کرایا۔ پھر سلطان فیروز شاہ تغلق نے درستی کرائی۔ ۱۶۹۹ء میں رنجیت سنگھ نے گروا دیا۔ اب ایک چبوترہ پر مزار ہے۔

قطب الدین ایبک اوائل زندگی ہی سے جود و سخا میں مشہور تھا بادشاہ ہونے کے بعد اس کی فیاضی اور داد و دہش کے واقعات ضرب المثل ہو گئے وہ انعام و اکرام میں لاکھوں روپیہ تقسیم کرتا تھا جس سے لک بخش مشہور ہوا۔ امام ملک الکلام بہاء الدین روش

مدح میں لکھتے ہیں :۔ ؎

اے بخش تو لک بجہان آوردہ　　کانرا کف تو کار بجان آوردہ
زر رشک کف تو خون گرفتہ دل کان　　پس لعل بہا نہ درمیان آوردہ

بڑے بڑے شعراء اور علماء قطب الدین کے دربار سے منسلک تھے بہاء الدین زوش ایبک کے دامن دولت سے وابستہ تھا اور اس کی مدح میں قصیدہ پیش کرکے داد لیتا تھا۔

اے قطب آسمان کہ رسہم زپاس تو　　در روز رزم رستم خونخوار بشکند

قطب الدین کے ایک دوسرے شاعر نے جس کا نام عوفی تھا لب اللباب وغیرہ جمال الدین محمد بن نصیر لکھا ہے اس نے بھی قصیدہ لکھا ہے۔ ؎

خداوندا شہے گیتی ستانے　　کہ شاہانِ جمالش بندگانند

قاضی امام حمید الدین افتخار الافاضل علی بن عمر الحمودی یہ بھی دربار سے منسلک تھا۔

سید الاجل ظہیر الدین تاج الکتاب السرخسی عوفی لکھتا ہے :۔

"مدتہا دیوان انشاء سلطان شہید بدار او بود"

ایبک علمی ذوق رکھتا تھا اسکی فرمائش سے صدر الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری نے تاریخ تاج المآثر لکھی[1]۔ شرف الملک ایبکی قاضی القضات کے عہدہ پر سرفراز تھے۔ قطب الدین علم پروری اور معارف نوازی میں مشہور تھا۔

---

[1] نیشاپوری نے ۶۰۲ھ میں کتاب لکھنا شروع کی جو ۵۸۷ھ سے ۶۱۴ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ کشف الظنون جلد اول صفحہ ۲۱۱۔

سلطان شمس الدین التمش شہنشاہ ہند

خاندانی حالات

سلطان شمس الدین التمش کے اسلاف ترکان فراختائی سے تھے۔ اس کا باپ قبیلہ اکبری سے تھا۔ اس کا نام ایلم خاں تھا جو اپنے قبیلے میں نامور اور بہادر شجاع شخص تھا۔ خیل وحشم کے ساتھ اس کے جرگہ میں بڑے بڑے بہادر ترک شامل تھے۔[1] التمش کے چند بھائی تھے مگر خوبی سلیقہ مندی اور حسن صورت کی وجہ سے التمش باپ کا نور نظر سب سے زیادہ تھا۔ اس وجہ سے اس کے تمام بھائی اس سے حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اس کانٹے کو راستہ سے ہٹادیا جائے۔ چنانچہ التمش کے بڑے بھائیوں نے ایک دن باپ سے شکار کی اجازت لی اور چھوٹے بھائی کو ساتھ لے گئے اور وہاں جاکر ایک سوداگر کے ہاتھ التمش کو فروخت کردیا۔ سوداگر التمش کو بخارا لے گیا۔ صدر جہاں بخاری کے عزیز نے سوداگر سے خرید لیا۔ کچھ عرصہ اپنے پاس رکھکر جمال الدین چست قبا کے ہاتھ اور اس نے قاضی بغداد کے ہاتھ فروخت کردیا۔

التمش کا واقعۂ زندگی

حضرت مولانا قاضی حمیدالدین ناگوری جو خواجہ قطب الدین

---

[1] طبقات ناصری صفحہ ۱۰۴

بختیار کاکیؒ کے استاد تھے۔ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ایک رات میں اور بہت سے مشائخ صوفیہ قاضی بغداد کے یہاں مہمان تھے۔ پہلے قاضی نے تمام حضرات کی اکل و شرب سے تواضع کی۔ اس کے بعد محفل سماع منعقد کی گئی۔ رات بھر قوالی ہوتی رہی۔ قاضی کے غلاموں میں سے ایک نہایت خوبصورت ترک بچہ تھا جو ساری رات کمر باندھے محفل میں کھڑا رہا۔ کبھی شمع کا گل کترتا تھا۔ کبھی مہمانوں کی خبر گیری کرتا، کبھی اپنے آقا کی آواز پر دوڑا ہوا جاتا اور حکم کی تعمیل کر کے ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا۔ اور کبھی آنکھیں بند کر کے قوالی کے اشعار پر جھومتا۔ مشائخ جس قدر شریک محفل تھے سب التمش کی تہذیب و شائستگی کو دیکھ رہے تھے۔ جب قوالی ختم ہو چکی تو قاضی صاحب نے اپنے معزز مہمانوں سے کہا کہ اس غلام پر توجہ ڈالیے اور دعا فرمائیے تاکہ اللہ تعالے دین و دنیا کی فلاح سے اس کو نوازے۔ یہ سن کر تمام اولیاء اللہ نے التمش کو بلا کر دعائے خیر کی۔

کچھ عرصہ بعد قاضی کو ضرورت پیش آئی۔ اس نے التمش کو پھر حاجی جمال الدین کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حاجی صاحب اسے غزنی لے گئے۔ ان دنوں کوئی ترک بچہ اس سے زیادہ حسین اور عقیل غزنی میں نہ پہونچا تھا۔ اس کا تذکرہ سلطان معزالدین محمد سام سے کیا گیا۔ جمال الدین کے پاس ایک غلام اور تھا جس کا نام ایبک تھا۔ ہر ایک کی قیمت ایک ایک ہزار دینار تجویز ہوئی۔ سلطان ہر دو کو صرف

ایک ہزار دینار دے کر خریدنا چاہتا تھا۔ حاجی رضامند نہ ہوا۔ سلطان بگڑ بیٹھا اور حکم دیا کہ میری قلمرو میں کوئی شخص ان غلاموں کو خرید نہ کرنے پائے۔ ورنہ میری مرضی کے خلاف اس کا یہ عمل ہوگا۔ ایک سال اس واقعہ کو ہوگیا۔ سلطان قطب الدین ایبک راجہ ہنروالہ کی شکست کے بعد ملک نصیر الدین جرنیل کے ہمراہ غزنی میں آیا۔ التمش کی خبر اس کے گوش زد ہوئی۔ اس نے سلطان سے خریدنے کی اجازت چاہی۔ سلطان نے کہا غزنی میں تو یہ فروخت نہیں ہوسکتا۔ البتہ یہاں سے دہلی لے جاکر سوداگر بیچ سکتا ہے۔

قطب الدین غزنی سے دہلی لوٹ گیا اور اپنے وزیر نظام الدین سے کہتا گیا کہ حاجی جمال الدین چیت قبا ہمراہ معہ غلاموں کے دہلی آوے۔ چنانچہ یہ لوگ دہلی پہونچے۔ قطب الدین نے ہر دو ترک بچوں کو ایک لاکھ جیتل میں خرید لیا۔ ایبک کا نام "طفاخ" رکھا اور بھٹنڈہ کا امیر مقرر کیا۔ اور التمش کو اپنی فرزندی میں لے کر میر شکار کیا۔ اس اثنا میں گوالیار فتح ہوا تو التمش کو وہاں کی حکومت دی گئی۔ اس کے بعد برنی اور بدایوں کی حکومت پر قائز کیا گیا۔

فتنہ کہکران کے دفعیہ کے لئے سلطان معزالدین محمد سام وارد ہند ہوا۔ التمش بدایوں سے فوج لے کر پہونچا۔ ان کہکروں نے دریائے جہلم پر زبردست مورچہ بنایا تھا۔ قطب الدین ایبک یہیں پہونچا۔ یہاں التمش نے کہکروں کے مقابل وہ داد شجاعت دی کہ

کوئی مسلمان بہادر حملہ کی پیش بندی نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ التمش نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور پایاب موقعہ پر کھڑے ہو کر اس قدر کھوکروں پر تیر کی بارانی کی کہ دشمن کے ہوش بھلا دئیے۔ آخر میدان جیت لیا اس کی مردانگی اور دلاوری سے محمد سام خوش ہوا۔ سلطان قطب الدین سے سفارش کی اور خط آزادی اس کے لئے لکھوایا۔ اور سلطان سے تاکید کی کہ التمش کی تربیت میں کوتاہی نہ ہو یہ آگے چل کر بہت مفید ثابت ہوگا۔

اس کے بعد سے التمش نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے اور اپنے قوت بازو سے مرتبہ امیر الامرائی پر پہونچا۔

شادی سلطان قطب الدین ایبک کی تین صاحبزادیاں تھیں۔ ان میں سے ایک دختر کو التمش کے عقد نکاح میں دیا۔ اس خاتونِ بزرگ سے رضیہ سلطانہ پیدا ہوئی اور چند صاحبزادے ہوئے۔

تخت جلوس سلطان قطب الدین ایبک کی ناگہانی موت سے امرائے سلطنت نے آرام بن قطب الدین کو تخت نشین کیا۔ مگر اس کی ایک سالہ حکومت میں علاقہ دہلی کے اجزاء بکھرنے لگے تو امیر علی اسمٰعیل سپہ سالار اور امیر داد ویلمی و دیگر اعیان سلطنت نے باہمی مشورہ کر کے التمش سے استدعا کی کہ دہلی کے تخت و تاج کو سنبھالے۔ چنانچہ التمش معہ لشکر کے بدایوں سے دہلی آیا۔ اور تخت پر

۶۰۷ھ میں جلوس کیا اور اپنا لقب سلطان شمس الدین التمش رکھا۔ وزیر نظام الملک کو قرار دیا۔

بیعت

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ:۔

"لوگوں سے بیعت لینی شروع کی۔ تمام عالم و فقیہ قاضی وجیہ الدین کاشانی کے ہمراہ آئے اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ قاضی اس کے برابر حسب عادت بیٹھ گیا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اپنے فرش کا کونہ اٹھا کر اس میں سے ایک کاغذ نکال کر قاضی کو دیا جس سے معلوم ہوا کہ قطب الدین نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ قاضی اور فقہاء نے اس کو پڑھا اور سب نے بیعت کر لی[1]"

بادشاہت حاصل کرنے کے بعد ملک کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا۔ دربار میں اہل علم کو جگہ دی گئی۔ خود بادشاہ فقراء کا گرویدہ تھا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے حسن عقیدت رکھتا تھا۔ علماء کے زیر اثر شریعت کے مطابق حکومت کرنے لگا۔ شرع کے خلاف امور بند کئے گئے۔ حتیٰ کہ ایک فرمان جاری کیا کہ کوئی شخص سماع کی مجلس نہ کرنے پائے۔ لیکن جب سماع سننے والوں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو سلطان نے حکم دیا جس مکان میں محفل سماع ہوگی اس مکان کا مالک جوابدہ ہوگا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ

---

[1] عجائب الاسفار ابن بطوطہ جلد دوم۔

کوئی شخص اپنا مکان مجلس سماع کے لئے نہ دیتا تھا۔

حضرت مولانا قاضی حمید الدین ناگوری دہلی آئے۔ ان کو سماع سے بڑی دلچسپی تھی۔ اگر چند دن نہ سنتے تو کیبدگی طبیعت میں رہتی۔ صاحب تاریخ فرشتہ لکھتا ہے۔ قاضی صاحب اپنا واقعہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے قوالی سنے عرصہ ہو گیا تھا۔ اور بغیر قوالی کے میری روح افسردہ تھی۔ اس لئے میں نے ایک مکاندار سے معاملہ کیا کہ وہ مجھے اپنا مکان کرایہ پر دے کر دہلی سے باہر چلا جائے۔ مکاندار راضی ہو گیا۔ اور میں نے اس مکان میں محفل سماع شروع کرائی۔ قوالی کی آواز پر محتسب آگیا اور اس نے تمام اہل مجلس کو گرفتار کرنا چاہا۔ میں نے کہا ذمہ دار مالک مکان ہے۔ اور وہ دہلی میں موجود نہیں ہے لہٰذا تم ہم کو حراست میں نہیں لے سکتے۔

محتسب نے جواب دیا۔ جناب قاضی صاحب آپ کے قانونی حیلے شاہی فرمان کے آگے نہیں چل سکتے۔ برائے عنایت میرے ساتھ سلطان کے پاس چلے چلئے۔ میں نے مناسب خیال کیا۔ بجائے محتسب سے الجھنے کے بادشاہ سے گفتگو کرنی چاہیئے۔ چنانچہ محتسب کے ساتھ سلطان کے پاس پہونچا۔ وہ دربار میں بہ شان و شوکت بیٹھا ہوا تھا۔ تمام دربار پر اس کی ہیبت چھا رہی تھی۔ سامنے ایک طرف امرائے دربار تھے۔ دوسری طرف علماء و مشائخ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے التمش کو فوراً پہچان لیا اور اس میں کوئی فرق نہ پایا اور یاد آگیا کہ

یہ وہی لڑکا ہے جو قاضی بغداد کا غلام رہا تھا اور اولیائے کرام سے قاضی نے اس کے لئے دعا کی فرمائش کی تھی۔ اس شب کی پوری کیفیت میری آنکھوں میں پھر گئی اور میں نے یہ طے کر لیا کہ دلیرانہ طور سے گفتگو کروں گا۔ سلطان نے مجھ سے کہا تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے نام بتایا۔ سلطان نے کہا "کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجلس سماع میں نے اپنے پایۂ تخت میں ممنوع قرار دے رکھی ہے"؟ میں نے کہا "مجھ کو معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ذمہ دار مالک مکان ہے اہل مجلس یا صاحبِ مجلس ذمہ دار نہیں ہے اس لئے میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں"۔

سلطان التمش کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا۔ اور اس نے کہا تم میرے سامنے حیلہ تراشتے ہو۔ یہاں قاضیوں کی منطق اور بحث کام نہیں دے گی بلکہ تم کو دوسروں کے مقابلہ میں سخت سزا دینی چاہئے۔

یہ بادشاہ کا بیان سن کر میں نے کہا اور سلطان بھی میری سزا میں جو میرے لئے تجویز ہے۔ برابر کا شریک ہے۔ کیونکہ وہ بھی اس قسم کا مجرم ہے۔ جو مجھ پر الزام ہے وہی سلطان پر ہے۔ کیونکہ سلطان بھی ساری رات قوالی سنا کیا اور اس پر وجد بھی طاری ہوا تھا۔

سلطان یہ سن کر طیش میں آگیا اور کہا "تم جھوٹ بولتے ہو میں نے کسی مجلس میں شرکت نہیں کی اور نہ خود اپنے محل میں مجلس سماع کرائی"

میں نے کہا "سلطان غصہ سے کام نہ لیجئے ٹھنڈے دل سے میری استدعا کو سنئے۔ میں جھوٹ نہیں بولتا ساور چشم دید اور گوش شنید گواہی

دیتا ہوں کہ سلطان نے ساری رات قوالی سنی اور سلطان کو قوالی سنتے اور جھومتے ہوئے دیکھا۔" میری اس بے باکانہ گفتگو کا اثر سلطان نے لیا۔ قہر و جلال میں کچھ کمی آئی اور ذرا دھیمی آواز میں مجھ سے پوچھا:۔

"قاضی! یہ ذکر کب کا ہے؟"

میں نے کہا "سلطان اس رات کا ذکر ہے جب اولیاء اللہ کی نظریں سلطان کے چہرے پر تھیں اور ان کی روحانی طاقتیں چاروں طرف سے سلطان پر اپنی شعاعیں ڈال رہی تھیں۔ اور جب عالم غیب کے دربار میں ان اولیاء اللہ کی دعائیں پہنچیں اور ہندوستان کی شہنشاہی کا تاج اور تخت سلطان کے لئے تیار کرایا گیا تھا۔ اس وقت میں بھی وہاں تھا اور سلطان کو دیکھا تھا کہ وہ محفل کی شمع کا گل کترنے جاتے تھے تو ادب سے مشائخ کی طرف پیٹھ نہ کرتے تھے۔"

سلطان التمش نے قاضی صاحب کے سامنے نظریں جھکا لیں اور کچھ دیر سوچ کر کہا "تم بغداد کے قاضی کی مجلس میں تھے کہ جس کا میں غلام تھا؟" میں نے کہا "اے سلطان یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سب سچ ہے۔ میں بغداد کے قاضی کی مجلس میں موجود تھا۔ مگر اے سلطان اس رات بھی آپ غلام نہ تھے اور آج کے دن بھی آپ اس تخت پر بیٹھا جو مایوس غلاموں کو آزاد کرتا رہتا تھا اس رات بھی آپ کی صورت و سیرت مقبول تھی اور آج بھی مقبول ہے۔"

سلطان آبدیدہ ہو گیا اور مجھ سے کہا قاضی صاحب آپ میرے

نزدیک آکر بیٹھئے اور دیر تک میری صورت دیکھتا رہا۔ اور کہنے لگا "مجھ کو ایک ایک کر کے سب باتیں اس رات کی یاد آگئیں۔ اور مجھے یہ بھی یاد آگیا کہ اس رات کی توجہ اور دعاؤں کے اثر و اجابت نے مجھے شہنشاہی عطا فرمائی ہے۔ اور قاضی صاحب اب میں تمام عمر اس رات کو دل سے فراموش نہ کروں گا۔" اس کے بعد حکم دیا کہ "ہم نے اپنے پہلے دونوں احکام منسوخ کیے۔ آئندہ محفل سماع کی روک ٹوک نہیں ہے۔ تمام اہل مجلس رہا کیے گئے۔" قاضی حمید الدین سے بادشاہ نے کہا۔ "حضور کا قیام کہاں ہے؟" قاضی صاحب نے کہا میں اپنے شاگرد خواجہ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ٹھیرا ہوا ہوں۔ سلطان سن کر تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا وہ تو میرے پیر ہیں اور آقا ہیں اور میں ان کا مرید اور غلام ہوں۔ آپ ان کے استاد ہیں تو میرے بھی استاد ہیں۔ آپ کو بعزت و احترام رخصت کیا۔ جب کبھی قاضی صاحب بادشاہ سے ملنے آتے تعظیم و توقیر سے پیش آیا کرتا۔

واقعہ سخاوت

جواہر فریدی سے نقل ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کی سخاوت کا شہرہ دور دور تک پھیلا تو ناصری شاعر ایک قصیدہ سلطان کی شان میں لکھکر لایا۔ یہاں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی کرامت و فضل و کمال کا شہرہ سنا۔ ایک قصیدہ حضرت کی شان میں بھی لکھا۔

اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قصیدہ پڑھکر دعا چاہی کہ بادشاہ کی سرکار سے مجھکو خطیر ملے۔ حضرت نے دعا کی اور فرمایا کہ تجھ کو بہت کچھ ملیگا۔ جب دربار میں ناصری پہونچا قصیدہ پڑھا سلطان اس کو سنتے سنتے دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ ناصری نے یہ دیکھکر حضرت خواجہ قطب الدین کی طرف توجہ کی۔ بادشاہ فوراً ناصری کی طرف متوجہ ہوا۔ قصیدہ ختم ہو گیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور ۵۶ ہزار روپیہ اس کو عطا کیا۔[۱]

ابتدائی زندگی کا واقعہ

التمش نے اپنی ابتدائی زندگی کا واقعہ بیان کیا کہ ایک دن مالک نے بخارا میں مجھ کو انگور خریدنے بازار بھیجا۔ میں بچہ تھا نقدی کہیں گر گئی مالک کے خوف سے زار زار رونے لگا۔ ایک درویش آ پہنچا۔ سبب گریہ دریافت کیا۔ التمش نے نقدی کھو جانے کا واقعہ بیان کیا۔ درویش نے انگور حسب ضرورت خرید دیئے اور التمش سے عہد لیا کہ بادشاہ ہو کر فقراء اور علماء کی خدمت اور مدد کرنا۔ اور درویشوں کو بھول نہ جانا۔ ان کی عزت اور تعظیم کرتا۔ التمش نے فقیر مذکور سے درویشوں وغیرہ کی مدد کا وعدہ کیا۔ التمش کہا کہ تا تھا سلطنت و بادشاہی درویشوں کی توجہ و عنایت سے ملی ہے۔[۲]

۱؎ سوانح خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ ۲؎ ہندوستان کی اسلامی تاریخ صفحہ ۲۴۰

حملۂ ملحدین

التمش ہر جمعہ کو جامع مسجد میں جاتا اور تمام حفاظتی تدبیروں کو چھوڑ کر عام مسلمانوں کے ساتھ شامل نماز ہوتا۔ ملحدین ایسے حامی اسلام سلطان کے قتل کے درپئے ہوئے۔ ایک دن کئی ملحدین نے تلوار کھینچ کر جبکہ سلطان اور مسلمان نماز میں مشغول تھے جامع مسجد میں گھس آنے کی کوشش کی۔ کئی ایک بے گناہ مسلمان مارے گئے مگر سلطان کو بچالیا اور تمام مسلمانوں نے ملحدوں کو زندہ نہ جانے دیا۔

التمش کی فتوحات اور اسلامی جوش

۶۰۷ھ سے لیکر ۶۲۴ھ تک التمش امرائے ترک مغربیہ و قطبیہ کے فسادوں اور تاج الدین یلدوز اور جلال الدین خوارزمی کی آمد اور چنگیزی حوادث وغیرہ اسباب کی وجہ سے کہیں فوج کشی نہ کرسکا چنگیز خاں جس نے خوارزمی غورہ ایران کی اسلامی سلطنتوں اور شاہی خاندانوں کا صفایا کردیا تھا۔ اس کا خوف ہر وقت لگا رہتا تھا۔ مگر التمش اپنی اعلیٰ درجہ کی تدبیر و ہمت سے جملہ مشکلات پر غالب آیا۔ اول امرائے ترک کو مقہور کیا۔ تاج الدین یلدوز کو شکست دے کر بدایوں میں قید کردیا۔ اور جلال الدین خود بخود براہ سندھ ایران کو چلا گیا۔

چنگیز خاں ہندوستان کی اسلامی شمشیر کے خوف سے سندھ پار نہ ہو سکا تمام خدشات سے مطمئن ہو کر التمش نے ۶۲۲ھ میں بنگالہ پر چڑھائی کر دی۔ غیاث الدین حوض خلجی خود مختار سلطان تھا۔ وہ التمش سے مرعوب ہو گیا اور اطاعت کی۔ تیس ہاتھی اور آٹھ لاکھ روپیہ نقد پیش کیا اور خطبہ و سکہ التمش کا جاری کیا گیا۔

جنگیں

سلطان التمش سے سرداران ترک فرخ شاہ وغیرہ نبرد آزما ہوئے مگر اس کا چراغ دولت نور تائید الٰہی سے روشنی قبول کئے ہوئے تھا۔ نامی سردار ترک سامنے آئے اور ہار گئے۔

سلطان تاج الدین یلدوز نے جو غزنی کا بادشاہ تھا۔ شاہی مراتب معہ چھتر التمش کے پاس بھیجے۔ بادشاہ نے قبول کیا۔ اس کے بعد سے جہاں فوج کشی کی کامیاب ہوا۔ ۶۲۴ھ میں قلعہ مندو پر لشکر کش ہوا۔ "وجملہ سوالک" اپنے قبضہ و دخل میں لایا۔ امیر روحانی جو اس عہد کا فاضل تھا۔ چنگیز خاں کے مظالم سے تنگ آ کر بخارا سے دہلی آگیا تھا۔ ان فتوحات پر تہنیت کے اشعار کہے ان میں سے یہ ابیات ہیں۔

خبر یا ہل سما برد جبریل امین ز فتحنامہ سلطان عہد شمس الدین
کہ اے ملائکہ قدس آسمانہا را بدیں بشارت بندید کلۂ آئین
کہ از بلاد سوالک شہنشہ اسلام کشادہ بار دگر قلعۂ سپہر آئین

شہہ مجاہد و غازی کہ دست و تیغش را | روانِ حیدر کرار میکند تحسین ؎ (عام ترین)

خلعتِ عباسیہ

سنہ ۶۲۶ھ میں عرب کے ایلچی خلافت کا لباس سلطان کے لئے لائے۔ شرطِ اطاعت و آداب بجا لایا اور خلفائے عباسیہ کا لباس زیب جسم کیا اور خوشی میں شہر کی آئین بندی کی۔ امراء کو خلعت فاخرہ سے نوازا بادشاہ نے یہ خبر سنی کہ گوالیار مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ چنانچہ خود گوالیار کی طرف عزیمت کی اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ دیوبل جو قلعہ کا والی تھا بادشاہ کی یلغار دیکھ کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ قلعہ سلطان کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ ملک تاج الدین جو منشیٔ مملکت تھا اس نے قلعہ کی فتح پر رباعی کہی ؎

ہر قلعہ کہ سلطانِ سلاطین بگرفت | از طوق خداوند نصرت دین بگرفت
آں قلعہ گوالیار و آں حصن حصین | در شمائتہ سہ ثلاثین بگرفت

سنہ ۶۳۱ھ میں مالوہ کی طرف یورش کی اور قلعہ بجلہ کو مسخر کر کے شہر اجین کو زیر نگیں لایا اور بتخانہ مہاکال جو مثل صنم کدہ سومنات جو تین سو برس میں تعمیر ہوا تھا۔ اور قلعہ کی طرح مستحکم تھا اس کو مسمار کیا۔ بکرماجیت کی مورت اور مہاکال کی مورتیں برنجی پر جو کانٹے سے ڈھلی ہوئی تھیں۔ اٹھا کر دہلی لے آیا۔ اور جامع مسجد کی سیڑھیوں میں لگا دیں۔ پھر ملتان کی طرف فوج کشی کی۔ یہ سفر نامبارک ہوا

مرض الموت میں گرفتار ہوا۔ اعیان سلطنت عماری میں بٹھا کر دہلی لائے ۲۰ر شعبان ۶۳۳ھ کو عالم عقبیٰ کو راہی ہوا اور حوض شمسی میں دفن ہوا۔

علمی ترقی صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ..... علمی و روحانی مدارس نے اس کے عہد میں کثرت سے رواج پایا۔ آج ملتان میں ناصر الدین قباچہ کی سرپرستی سے علمی کالج کھلے ہوئے تھے۔ چنانچہ صدر جہاں منہاج سراج جب وارد ہند ہوا تو مدرج کے کالج کا پرنسپل مقرر ہوا اور بعد میں التمش کے ساتھ دلی آیا۔ لاہور۔ پنڈا۔ بدایوں۔ اودھ لکھنوتی بنگال کے علاوہ جہاں سرکاری اور ذاتی مدارس کھلے تھے۔ خاص دہلی میں شاہی اخراجات سے اعلیٰ درجہ کا کالج کھلا ہوا تھا معلمین کو تنخواہ اور متعلمین کو اخراجات تعلیم دیئے جاتے تھے۔ اور مفت تعلیم ہوتی۔ ہر ایک قوم کو اجازت تعلیم تھی۔ گو ہندوؤں نے اس عہد میں توجہ نہیں کی۔ آگے چل کر واقف ہوئے اور انہوں نے بھی استفادہ حاصل کیا۔

روحانی مدارس واشاعت اسلام

روحانی مدارس اس وقت خانقاہیں تھیں جن میں علمی تعلیم دی جاتی تھی بڑی خانقاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی تھی زہد و ورع تقویٰ و طہارت کی مشق اس مدرسہ میں کرائی جاتی۔ یہاں کے طلباء کو فقر و فاقہ تکلیف و مصیبت کے برداشت کی عادت

ڈلوائی جاتی۔ یہ لوگ پہاڑوں، جنگلوں، دشت و بیابان میں، ہر جگہ اپنی سادگی و قناعت کی بدولت گذارا کر سکتے اور اسلامی مشنری کا کام دیتے تھے۔

التمش کی مہمان نوازی اور دہلی کی رونق

سلطان شمس الدین التمش فیاض و جواد مہمان نواز۔ غریب پرور تھا۔ چنگیزی حادثہ سے جس قدر امراء۔ فضلاء۔ علماء سلاطین تاتار خوارزمی و غور خراسان و ایران بغداد و عراق سے جان بچا کر دہلی آئے۔ سب کی غور و پرداخت حسب مدارج کی گئی اور ان کے نقصان کی تلافی کی گئی۔ ملازمت۔ جاگیر و معافی۔ تنخواہ و وظیفہ کی امداد سے کثیر التعداد پناہ یافتوں کی تسلی خاطر ملحوظ رکھی گئی اور غریب الوطن شرفاء کے معاونت میں چنگیز خاں جیسے جابر و قاہر خاقان کی مخالفت کی پرواہ نہ کی۔ اور اپنی ذات اور فوج سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ خاندانی شہزادوں اور امراء کا اس قدر جمگھٹا ہوا کہ دہلی میں ان کے لئے علیحدہ علیحدہ محلے بنانے پڑے فضلاء و علمائے و مشائخ عظام کے اجتماع سے دہلی حقیقی مدینۃ الاسلام بن گئی صناع و اہل حرفہ کے اجتماع سے ہندوستان کی صنعت اور حرفت میں بڑی ترقی ہوئی۔

بخارا، غزنی، خوارزم کے قدرداں سلاطین نے جن کاریگروں نے

اقطار عالم سے چن چن کر اپنی سلطنت کی دولت و عظمت کو بڑھایا تھا وہ سب اب ہندوستان خصوصاً دہلی پہونچ گئے اور ہندوستان کی اصلی تمدن و معاشرت، صنعت و حرفت میں حیرت انگیز ترقی کے باعث ہوئے۔

آداب الحرب والشجاعۃ

سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں فنونِ حرب کے مسائل ومباحث پر ایک کتاب "آداب الحرب والشجاعۃ" تصنیف ہوئی۔ اس کا مصنف فخر الدین محمد بن مبارک شاہ المعروف بفخر مدبر سلطان معز الدین محمد بن سام اس مصنف کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق تک پہونچتا ہے۔ ان کی ماں امیر بلکا تگین کی اولاد سے تھی جو امیر الپتگین کا حاجب کبیر اور اس کے فرزند ابو اسحق کا جانشین ہوا ہے۔

اس مصنف نے اس کتاب سے پہلے کتاب شجرۃ الانساب لکھی ہے انبیاء علیہم السلام سے ملوک عرب و عجم اور خلفاء و سلاطین اسلام کے ایک سو چھتیس شجرے درج ہیں اور مقدمہ میں سلاطین غوریہ کے بعض واقعات ۵۸۶ھ تا ۶۰۲ھ تک کے اور فتوحات کے حالات درج ہیں۔ اس مقدمہ کو سر ڈینی سن راس نے تاریخ فخر الدین مبارک شاہ کے نام سے ۱۹۲۷ء میں لندن میں چھپوایا ہے۔ اس کا مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں ہے اس کی فہرست میں اس کا نام

آداب الملوک و کفایتہ الملوک ہے۔ پروفیسر محمد شفیع ایم۔اے۔ پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے اداب الحرب کے دو اقتباس نومبر ۳۷ء اورینٹل کالج میگزین میں ۶۵ھ سے ۸۲ھ تک شائع کئے ہیں۔

فتوحات

التمش کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ چنانچہ بدایوں۔ نہٹور۔ حصار۔ لکھنوتی۔ بہار۔ ملتان۔ اچھ۔ در بھنگہ۔ اجین۔ جاجنگر۔ لاہور۔ کہرام۔ بھیلسہ۔ بنارس۔ سلوستان۔ دیول۔ قنوج۔ گوالیار سیالکوٹ۔ جھمر۔ مالوہ اتنے ممالک ہند کے سلطان التمش نے اپنے عہد حکومت میں فتح کئے۔

پہلا دربار

فتوحات کے بعد شہر دہلی سجایا گیا۔ امراء۔ علماء و دیگر مستحقین کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ یہ دہلی کا پہلا اسلامی دربار تھا۔

نامور فضلا و علماء

اس بادشاہ کے عہد میں بڑے بڑے فاضل و عالم اور اہل کمال موجود تھے منجملہ ان کے نورالدین محمد عوفی تھا جس نے اس کے عہد میں جامع الحکایات لکھی۔ وہ رضیہ کے عہد تک زندہ رہا۔ اس کا وزیر

نظام الملک کمال الدین جنیدی تھا۔ یہ وزیر خلیفۂ بغداد کے دربار میں عہدہ وزارت پر ممتاز رہ چکا تھا۔ وہ کمالات صوری و معنوی میں مشہور ہوا۔ قاضی سعد الدین کردی۔ قاضی نصیر الدین۔ قاضی جلال الدین۔ قاضی کبیر الدین وغیرہ اپنے وقت کے امام الائمہ تھے۔

التمش کے اوصاف حمیدہ و عدل و انصاف

التمش کے متعلق مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے:۔

"وہ عادل۔ فاضل اور صالح تھا ظلموں کے دور کرنے ہیں اور مظلوموں کے انصاف کرنے میں نہایت مستعد تھا چنانچہ اس نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا۔

" جتنے مظلوم ہوں سب رنگین کپڑے پہنیں " اس وقت ہندوستان میں سب باشندے سفید کپڑے پہنتے تھے جب وہ دربار میں بیٹھتا اور کسی آدمی کو رنگین لباس پہنے ہوئے دیکھتا تو اس کے قضیہ پر نظر کرتا اور انصاف کرتا اور ظلم کے خلاف حکم صادر کرتا۔ فقط اس نے اپنی اس تدبیر پر اکتفا نہیں کر رکھی تھی بلکہ اس نے فرمایا:۔

"بعض آدمیوں پر رات کو ظلم ہوتا ہے ان کے انصاف کرنے میں تعجیل کرنا چاہتا ہوں"

اس واسطے اس نے اپنے دروازے پر سنگ مرمر کے دو شیر برجوں میں رکھوا دئے ان کے گلے میں لوہے کی موٹی زنجیر تھی اور ان میں

گھنٹی لٹکادی۔مظلوم رات کو آتے اور ان گھنٹیوں کو زنجیر سے ہلاتے بادشاہ ان کی آواز سن کر خود باہر آتا اور مظلوم کی داد رسی کرتا۔عدل و انصاف کے واقعات تاریخ میں بہت کچھ تحریر ہیں۔

غربا پروری۔مہمان نوازی۔اسلامی خدمات التمش کی بہت بڑی ہوئی ہیں گو وہ ظاہر میں ہندوستان کا شہنشاہ مطلق العنان تھا۔مگر اس نے ہمیشہ خواہش نفسانی کو مغلوب رکھا۔کوئی بد اخلاقی بد وصفی اس سے منسوب نہیں کی گئی اس کو پابندیٔ احکام اسلام نے نمونۂ اسلف بنا دیا تھا۔"

"اولاد"

سلطان کی اولاد بہت زیادہ تھی۔سلطان ناصر الدین، سلطان رضی الدین۔سلطان معز الدین بہرام شاہ۔سلطان قطب الدین محمد۔سلطان ملک جمال الدین مسعود۔ملک شہاب الدین محمد۔سلطان علاء الدین مسعود شاہ۔سلطان ناصر الدین محمود۔سلطان غیاث الدین محمد شاہ۔سلطان رکن الدین فیروز شاہ۔سلطان ناصر الدین محمود شاہ رضیہ سلطانہ۔

التمش کے پیر و مرشد

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ابن سید کمال الدین موسیٰ اوشی ۵۶۱ھ میں اوش میں پیدا ہوئے۔پانچ سال کے تھے مولانا ابو حفص

کے سپرد کئے گئے ۔ کم عمری میں علوم ظاہری سے فارغ التحصیل ہوئے۔ بغداد جاکر ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری کے مرید ہوئے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی شیخ اوحد الدین کرمانی ۔ شیخ برہان الدین چشتی ۔ شیخ محمود اصفہانی سے فیوضات باطنی کا استفادہ کیا۔ خواجہ غریب نواز سلطان ہند نے ہندوستان کا رخ کیا یہ بھی وطن چھوڑ کر ہند پہنچے۔ ملتان میں شیخ ضیاالدین زکریا اور شیخ جلال الدین تبریزی کے یہاں چند روز قیام کرکے دہلی آئے موضع کیلوکھڑی میں سکونت اختیار کی۔ التمش آپ کا مرید ہوا۔ ناگور سے قاضی حمید الدین آئے اور حسب الحکم حضرت خواجہ غریب نواز دہلی میں مقیم ہوئے۔ اور خواجہ قطب الدین کی تعلیم پر تقرر ہوا۔ بقیہ علوم کی تکمیل کرائی۔ التمش نے چاہا شہر میں قدم رنجہ فرمائیں آپ نے منظور نہیں کیا۔ شیخ اسلام جمال الدین بسطامی نے خواجہ کو دیکھا۔ پہلی نظر میں ہی شکار ہوکر حاضر خدمت ہوئے۔ صبر و قناعت کا صحیح نمونہ تھے۔ شان بے نیازی ملاحظہ ہو۔ گھر میں فقر و فاقہ سے رہتے۔ امرا نذرانہ لاتے ٹھکرا دیتے۔ التمش تک خبر پہونچی۔ اشرفیوں کی تھیلیاں نذر کیلئے بھیجیں کہ حضور انہیں قبول فرمالیں۔ لیکن قطب الہند کی خدمت میں جب یہ نذر پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا اس زر کو واپس لے جاؤ اور سلطان سے کہو میں تمہیں اپنا دوست جانتا تھا۔ اب معلوم ہوا تم میرے دشمن ہو۔ جس چیز کو خدا نے دشمن فرمایا ہے وہ تم دوستوں کو دیتے ہو۔

حضرت خواجہ اوائل عمر میں تو غلبۂ خواب سے کسی قدر آرام کر لیا کرتے تھے۔ مگر آخر عمر میں دن رات بیدار رہتے اور چوبیس ۲۴ گھنٹے یاد خدا میں بسر کرتے ایک روز شیخ علیؒ سنجری کی خانقاہ میں محفل سماع تھی۔ آپ تشریف لے گئے۔ قوال نے حضرت احمد جام کا یہ شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور اس میں بروز دو شنبہ ۱۴ ماہ ربیع الاول سنہ ۶۳۳ھ کو وصال ہوا۔

آثار التمش

سلطان قطب الدین ایبک نے رائے پتھورا کے مندر کو مسجد کی صورت میں کچھ تبدیل کر دیا تھا۔ بعد اس کے التمش نے اس مسجد کو بڑھانا چاہا اور ۶۲۷ھ مطابق سنہ ۱۲۲۹ء کے اس مسجد کے دونوں طرف جنوباً اور شمالاً تین تین در اور بنائے اور رائے پتھورا کے بتخانے کے باہر کے دالان تک مسجد بڑھا دی۔ اس در میں بھی سنگ سرخ کے بہت تختے بنے ہوئے ہیں اور ان پر نسخ اور کوفی خط میں آیات قرآنی کندہ ہیں۔ اور بہت عمدہ بیل بوٹے پھول پتی بنت کاری کے بنے ہوئے ہیں جنوبی دروں کے بیچ کے در کے بائیں بازو پر تاریخ تعمیر کی کندہ ہے۔ ان دروں کی اکثر محرابیں ٹوٹ گئی ہیں۔ بلکہ شمالی دروں میں کا ایک در سارے کا سارا سڑک میں آ گیا ہے۔ جبکہ سنہ ۶۳۱ھ مطابق سنہ ۱۲۳۳ء میں سلطان

نے مالوہ اور اجین کو فتح کیا۔ اس وقت بتخانۂ مہاکال کو توڑ کر وہاں کی مورتیں راجہ بکرماجیت کی تصویر سمیت دلّی میں لاکر اس مسجد کے دروازے کے سامنے ڈال دی تھیں۔ یہ تین تین در ضلع غربی کے جانب، شمال رو وجنوب کو جو شمس الدین التمش نے بنائے تھے سینتیس سینتیس گز اور ایک ایک فٹ لمبے ہیں اور بیچ کا در آٹھ گز چوڑا ہے اور جنوبی ضلع اس کا بت خانے کے قدیم دالان ہیں۔ جو پرستش کے لئے بنائے تھے۔ ان کا طول ایک سو بتیس گز سہ فٹی گز سے ہے۔ ل۵

قطب صاحب کی لاٹ یا مینارہ یا ماذنہ

اس عمارت کی رفعت اور شان اور بلندی اور خوشنمائی کا بیان نہیں کیا جا سکتا حقیقت میں یہ عمارت ایسی ہے کہ روئے زمین پر اپنی مثال نہیں رکھتی۔ مثل مشہور ہے کہ اگر اس کے نیچے کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو ٹوپی والے کو ٹوپی اور پگڑی والے کو پگڑی کا تھام کر دیکھنا پڑتا ہے اس لاٹ کے اوپر سے نیچے کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے آدمی اور ننھے ننھے ہاتھی گھوڑے دکھائی دینے سے عجیب کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح نیچے والوں کو اوپر کے آدمی بہت چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا فرشتے آسمان سے اترے ہیں۔ غرض کہ یہ لاٹ عجائب روزگار سے ہے۔

ل۵ آثار الصنادید از سر سید احمد خاں مرحوم

باوجود اس قدر بلندی اور عظمت کے ایسی خوبصورت اور خوش قطع بنی
ہوئی ہے کہ بے اختیار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اس لاٹ کے نیچے کے
درجے کی ایک کھنڈ مدوّر اور ایک کمرکی ہیں۔ اور اوپر کے دونوں درجے
گول ہیں اور تمام سنگ سرخ لگا ہوا ہے۔ مگر چوتھے درجے میں سنگ مرمر
بھی ہے اور ہر جگہ منبت کاری اور گلکاری ایسی خوبصورتی سے کی ہے کہ
کہ اس کی ہر ایک بیل مسلسل پر ہزاروں معشوقوں کی زلف دوتاں قربان
ہے اور اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ پھول پنکھڑی پر سینکڑوں گلرخوں کے
لب جاں بخش نثار ہیں۔ مگر اس لاٹ کی بنا پر مورخین نے گفتگو کی ہے۔
مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ لاٹ سلطان شمس الدین التمش
کی بنائی ہوئی ہے۔ اور اکثر تاریخ کی کتابوں میں اور کتبۂ عہد سکندر
بہلول میں اس لاٹ کو سلطان شمس الدین التمش کی لاٹ لکھا ہے۔ اور
بعض تاریخوں میں اس لاٹ کو مسجد کا ماذنہ لکھا ہے۔ اور بعض کتابوں
میں اس لاٹ کو سلطان معزالدین کی لاٹ لکھا ہے۔ مگر اس سبب
سے کہ اس لاٹ کا پہلا دروازہ شمال رویہ ہے اور ہندوؤں کے مندر کی
عمارت کا دروازہ ہمیشہ شمال رویہ ہوتا ہے۔ برخلاف ماذنوں کے کہ
ان کے دروازے ہمیشہ شرق رویہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سلطان علاؤالدین
نے جو لاٹ بنانی شروع کی اس کا شرق رویہ دروازہ رکھا اور نیز اس
سبب سے کہ اکثر مسلمانوں کی عادت ہے کہ ایسی عمارت کو کرسی دے کر بناتے
ہیں۔ جیسا کہ سلطان علاءالدین نے اپنی لاٹ کو کرسی دے کر بنانا شروع

کیا تھا۔ برخلاف ہندوؤں کے کہوہ بدون کرسی بناتے ہیں، جیسے کہ یہ لاٹ بنی ہوئی ہے اور نیز اس سبب سے کہ اس لاٹ کے پہلے درجے کے پتھر کتبوں کے مقام سے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے پیچھے کو لگائے ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ جس طرح اصل بت خانے ہیں زنجیروں میں گھنٹے لٹکتے ہوئے پتھروں پر کھودے ہیں۔ اسی طرح اس پہلے کھنڈ پر زنجیروں پر گھنٹے لٹکتے ہوئے کھدے ہوئے ہیں۔ اور نیز اس دلیل سے کہ جس طرح کتبہ فتح نامے کا بنام قطب الدین ایبک سپہ سالار اور دوسرا معز الدین کے نام کا اصل تہخانے پر ہے اسی طرح اس لاٹ پر ہے۔ غالب ہے کہ پہلا کھنڈ اس لاٹ کا ہندوؤں کے وقت کا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اس پہلے کھنڈ میں جہاں جہاں کتبہ کھدا ہوا ہے وہاں بتوں کی مورتیں ہوں۔ اس سبب سے وہ پتھر نکال کر یہ کتبہ جن میں بادشاہوں کے نام اور قرآن کی آیتیں ہیں لگائے ہوں جس میں بادشاہ کی تعریف ہے۔ جو بات کہ مدت سے مشہور چلی آتی ہے کہ یہ لاٹ رائے پتھورا نے اپنے قلعہ اور بت خانہ کے ساتھ یعنی سمت ۱۲۰۰ بکرما جیت مطابق ۱۱۴۳ء موافق ۵۳۸ھ کے بنائی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی بیٹی سورج مکھی مذہب تھی۔ اور ہندو جمنا کو سورج کی تیزی کا استاد لکھتے ہیں۔ چنانچہ اس مذہب والے جمنا کا درشن کرنا بھی بڑا دھرم جانتے ہیں۔ اس سبب سے جمنا کے درشن کو لاٹ کا پہلا کھنڈ بنا۔

۵۸۷ھ مطابق ۱۱۹۱ء میں جب یہ بت خانہ مسلمانوں نے

فتح کیا تو اس پر اپنے نام کے کتبے لگائے اور فضل ابن ابوالمعالی کو متولی کیا اور اس کا نام پتھر پر کھدوا کر دروازے کے پاس لگا دیا جس زمانے میں سلطان شمس الدین التمش نے اس مسجد کے اِدھر اُدھر تین تین در بڑھائے یعنی ۶۲۷ھ مطابق ۱۲۲۹ء کے اسی زمانے میں اس لاٹ کو بھی بڑھایا اور دوسرے کھنڈ کے دروازے پر اس کا حال کھدوایا۔ اور جب سے اس کا نام ماذنہ رکھا اور ہر درجہ پر اسی نام کا کتبہ اور جمعہ کی نماز کی آیت کو کھودا اور معمار کا نام لکھا۔

اگرچہ اب اس لاٹ کے پانچ کھنڈ ہیں لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ جس طرح مشہور ہے پہلے اس لاٹ کے سات کھنڈ تھے اور منارۂ ہفت منظری کے نام سے بھی یہ لاٹ مشہور ہے اور جہاں اب کٹہرا لگا ہوا ہے، وہاں ایسے کنگورے بنے ہوئے تھے جیسے فصیلوں کے ہوتے ہیں۔ اور پانچویں درجے پر ایک درجہ تھا اس کے چاروں طرف دروازے تھے اور اس کے اوپر بطور لمبی برجی کے شکل راس مخروط لداؤ تھا کہ ساتواں درجہ شمار میں آتا تھا۔ یہ ساتواں درجہ ۷۷۰ھ مطابق ۱۳۶۷ء میں فیروز شاہ نے بنوایا تھا کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ مرمت کے وقت میں نے اس لاٹ کو جتنی پہلے تھی اس سے اونچا کر دیا۔

اس لاٹ کی مرمت کا حال پانچویں کھنڈ کے دروازے پر کھدوا دیا اس کے بعد پھر لاٹ مرمت طلب ہو گئی تھی۔ ۹۰۹ھ مطابق ۱۵۰۳ء میں فتح خاں نے سلطان سکندر بہلول کے وقت میں مرمت کی اور

اس کا حال کھدوا کر پہلے دروازے کی پیشانی پر کھدوا دیا مشہور ہے کہ تخمیناً ۱۹۷ھ مطابق ۷۸۲ء میں کالی آندھی کے بعد بھونچال کے صدمے سے اوپر کے کھنڈ گر پڑے تھے اور اکثر جگہ سے شکستہ ہو گئے تھے ۱۸۲۹ء مطابق ۱۲۴۵ھ کے سرکار دولتمدار انگریزی کے حکم سے مسٹر سمٹ صاحب اگڑھ کپتان نے اس لاٹ کی اوّل سے آخر تک مرمت کی اور جس جگہ کنگورے تھے وہاں سنگین کٹہرا بہت مستحکم لگا دیا اور پانچویں درجہ پر برجی کٹہرا بہت خوبصورت بنا دیا اور چھٹے کھنڈ کی جگہ سنگین آٹھ دری برجی نہایت خوبصورت اور ساتویں کھنڈ کی جگہ کاٹ برجی لگائی تھی۔ اور اس پر پھریرا کھڑا کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ دونوں برجیاں قائم نہ رہ سکیں۔ اس سبب سے سنگین برجی کو لاٹ پر سے اتار کر نیچے کھڑا کر دیا ہے اور کاٹ کی برجی ضائع ہو گئی۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ مرمت کے وقت اس لاٹ کے کتبوں کے حروف جو گر پڑے تھے۔ بالکل غلط بنائے ہیں اکثر جگہ صورت لفظوں کی بنا دی ہے۔ جب غور سے دیکھو تو وہ لفظ نہیں ہیں۔ صرف نقش ہیں اور بعض غلط لفظ بنا دیئے ہیں اور چند جگہ اپنی طرف سے ایسی عبارت کندہ کر دی ہے کہ اصل کتبے کے مضمون سے بالکل علاقہ نہیں رکھتی۔ آج تک اس لاٹ کے کتبے نہیں پڑھے گئے تھے۔ ہم نے (سرسید نے) سارے کتبے دوربین کی استعانت سے پڑھے ہیں۔ پہلا کھنڈ اس لاٹ کا تینتیس ۳۲ گز کی انچ اور دوسرا کھنڈ سترہ گز کئی انچ اور تیسرا کھنڈ تیرہ گز اور چوتھا کھنڈ سوا آٹھ گز اور پانچواں کھنڈ آٹھ گز اونچا ہے۔ اس حساب سے کل اونچائی اس لاٹ کے پانچوں کھنڈوں کی جو اب موجود ہیں قریب اسی گز کے ہوتی ہے اور سنگین برجی کی اونچائی جو سرکار انگریزی نے چڑھائی تھی اور اب اتار کر نیچے رکھدی ہے چھ گز ہے اور چوبی برجی اور پھریرے کی اونچائی ملکر یہ لاٹ سو گز اونچی ہے اور مشہور بھی یہی ہے کہ

جب اس لاٹ کی جڑ کا پچاس گز کا محیط ہے اور سر کا دس گز کا ہے۔ یہ لاٹ اندر سے بالکل خالی ہے اور اس میں چکردار سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں پہلے درجے میں ایک سو چھپن اور دوسرے درجے میں اٹھتر اور تیسرے درجے میں باسٹھ اور چوتھے میں اکتالیس اور پانچویں میں بھی اکتالیس ہیں۔ اس طرح کل سیڑھیاں اس لاٹ کی تین سو اٹھتر ہوئیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی اسی قدر سیڑھیاں ہونگی کیونکہ اوپر کے دونوں درجوں میں چڑھنے کا راستہ نہ تھا۔

التمشؒ کی عبادت گذاری ابو ظفر شمس الدین التمش پر خواجہ قطب الدین کی خاص نظر تھی۔ کنارہ حوض شمسی پر اکثر خواجہ مشغول عبادت رہا کرتے۔ وہیں التمش بھی جب خواجہ کے پاس حاضر ہوتے نماز پڑھتے اور عبادت کیا کرتے، یہ نماز کا بڑا پابند تھا۔

۱۴ ربیع الاول ۶۳۴ھ کو خواجہ کی رحلت ہوئی۔ مشائخ۔ امراء اور خود سلطان التمش موجود تھا، خواجہ ابو سعید نے بلند آواز سے کہا۔ حضرت خواجہ کی وصیت ہے کہ نماز جنازہ وہ پڑھائے جس نے تمام عمر حرام نہ کیا ہو۔ اور نہ سنت نماز عصر قضا کی ہوں اور کہا کہ اپنا راز پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا لیکن خواجہ کو یہی منظور ہے ان کے حکم میں کچھ چارہ نہیں۔ آخر سلطان امام بنے اور اولیاء اللہ و دوسرے لوگ مقتدی ہوئے بعد نماز جنازہ خواجہ صاحب دفن کئے گئے[1]۔

خلافت التمش کو خواجہ سے خلافت عطا ہوئی تھی۔ خواجہ صاحب کے چار محبوب خلفا تھے۔

حوض شمسی حوض شمسی اس کو سلطان التمش نے بنوایا تھا کسی زمانہ میں یہ حوض تمام سنگ سرخ سے بنا ہوا تھا۔ اب دیواریں

[1] سیر الاولیاء

اور پتھر بالکل اکھڑ گئے ہیں۔ اس تالاب کا پانی ایک جھرنا بنا کر فیروز شاہ تغلق آباد میں لے گیا تھا۔ اب یہ تالاب دو سو چھہتر بیگہ پختہ میں ہے فیروز شاہ نے فتوحات فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ میں نے اس حوض کے پانی کے راستے کھلوائے جو زمینداروں نے تیار کر دئے تھے اس حوض کے کنارے پر شیخ عبدالحق دہلوی کا مزار ہے ابن بطوطہ کے زمانہ میں یہ حوض اتنا بڑا تھا کہ اہل شہر اس کا پانی پیتے تھے اور شہر کی عیدگاہ بھی اس کے قریب تھی۔ اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا تھا۔ طول اس کا دو میل اور عرض ایک میل تھا۔ غربی طرف عیدگاہ مذکور اور پتھر کے گھاٹ بنے ہوئے ہیں جو چبوتروں کی شکل میں ہے اور کئی چبوترے نیچے اوپر بنے ہوئے ہیں۔ ان چبوتروں سے پانی تک سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک چبوترے کے کونہ پر گنبد بنا ہوا تھا جس پر تماشائی بیٹھ کر عہد بطوطہ میں سیر کرتے تھے اور حوض کے وسط میں بھی منقش پتھروں کا گنبد بنا ہوا ہے۔ یہ گنبد دو منزلہ ہے۔ جب تالاب میں پانی بہت ہوتا ہے تو کشتیوں میں بیٹھ کر اس گنبد تک پہونچ سکتے ہیں۔ جب پانی تھوڑا ہوتا ہے تو اکثر آدمی ویسے ہی چلے جاتے ہیں۔ اس کے اندر ایک مسجد ہے۔

رضیہ سلطانہ

پیدائش سلطان قطب الدین ایبک کی دختر نیک اختر کے بطن سے رضیہ سلطانہ پیدا ہوئی۔ یہ چند صاحبزادوں کے بعد ہوئی تھی اس لئے بڑی قدر سے دیکھی گئی۔ پرورش شاہانہ طریقہ پر ہوئی۔ پانچ سال کی تھی تو اآتونجی کے سپرد کی گئی۔ چھٹے سال میں لگی تو بسم اللہ کی تقریب دھوم دھام سے منائی گئی۔ قاضی شمس الدین سے علوم رسمیہ کی تعلیم پائی تھوڑے عرصہ میں خداداد ذہانت سے خوش استعداد ہو گئی۔ صاحب طبقات ناصری کا بیان ہے کہ "قرآن شریف کے پڑھنے کے جتنے آداب ہیں وہ ان سب کو ادا کرتی اور علم سے اس کو بہرہ وافر تھا۔ صاحب نظر عورت ہونے کے سوا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔"

تیرہ برس کی عمر پر پہونچی تو التمش نے شہسواری میں طاق کرادیا اور فنون حرب میں ایسی مہارت کرادی تھی کہ مردوں کے پہلو بہ پہلو شہسواری کے فن میں یگانہ روزگار بن گئی۔

سلطان التمش بیٹی کی ذہانت اور مردانہ طبیعت سے بہت محظوظ ہوا کرتا۔ اکثر جنگوں میں التمش کے ساتھ جاتی وہاں باپ بیٹی کے جوہر شجاعت دیکھکر باغ باغ ہو جاتا۔

گوالیار مسخر کرنے التمش گیا تو رضیہ سلطانہ کو اپنا قائم مقام کرتا

گیا۔ اس کے پیچھے چند روز وہ انتظام عمدگی سے انجام دیا۔ فتح سے واپس آکر جو دیکھا نہال ہو گیا۔

التمش کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ رضیہ عزیز تھی۔ یہ بیحد باپ کی اطاعت گذار تھی۔ باپ جس خیمے میں سوتا وہاں خود سوتی باپ عبادت شب میں لگتا خود بھی شریک ہوتی۔ باپ کو خود وضو کراتی۔ بادشاہ دن بدن اپنی دختر کا گرویدہ ہوتا جا رہا تھا۔ آخرش اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں اپنا ولیعہد رضیہ کو بناؤں گا۔ چنانچہ طبقات ناصری میں ہے۔

"چوں سلطان در ناصیۂ او آثار دولت وشہامت پیدا
اگرچہ دختر بود و مستورہ بعد آنکہ از فتح گوالیار مراجعت
فرمود تاج الملک محمود و بیبر را کہ مشرف مملکت بود فرمان
داد با او را ولایت عہد بنوشت و ولی عہد سلطنت کرد"

تمام امرائے سلطنت نے کہا حضرت سلامت صاحبزادگان کے ہوتے ہوئے صاحبزادی کو ولیعہد کرتے ہیں۔ التمش نے جواب دیا:۔

"پسران من بہ عشرت جوانی مشغول باشد و ہیچکدام تیما
بر مملکت ندارند و از ایشان ضبط ایں ممالک ہا بر شمارا
بعد از فوت من معلوم گردد کہ ولایت عہد را ہیچ یک از و
لایق تر نباشد"

تخت نشینی | التمش کے انتقال کے بعد امرائے سلطنت نے رکن الدین

کو تخت نشین کیا۔ یہ چند دن کے بعد نازیبا حرکتیں کرنے لگا۔ اس نے اپنے بھائی معزالدین کو مروا ڈالا۔ اس واقعہ کا اثر رضیہ سلطانہ نے بہت لیا۔

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ رضیہ سلطانہ نے رکن الدین کو برا بھلا کہا اور جمعہ کے دن قصر قدیم پر چڑھ کر جامع مسجد کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ نماز جمعہ میں رکن الدین شریک تھا۔ اس نے ایک پر اثر تقریر اوپر سے کی۔ اور اپنے بھائی مظلوم کے مارے جانے کا انتقام لینا چاہا۔ تمام نمازی رکن الدین سے ایسے برافروختہ ہوئے کہ وہیں قصاص میں قتل کر ڈالا۔ ادھر امرا کی آنکھیں بھی کھل گئیں۔ اور التمش کا ارشاد سامنے آیا۔ انہوں نے کہا ناصرالدین کم عمر ہے۔ رضیہ ہی تخت نشین ہو۔ چنانچہ دربار منعقد کیا گیا۔ رضیہ سلطانہ پردے سے برآمد ہوکر مردوں کا لباس زیب جسم کئے ہوئے تھی تخت پر رونق افروز ہوئی اور تاج شاہی زیب سر کیا۔ تمام امرا نے نذریں پیش کیں۔ تمام معاملاتِ ملکی کو ہاتھ میں لیا۔ نظام الملک محمد جنیدی جو وزیر سلطنت تھا اور ملک علاؤالدین شیر خانی۔ ملک سیف الدین کوچی۔ ملک اعزازالدین کبیر خانی نے خفیہ رضیہ کے خلاف سازشیں کیں۔ مگر وہ بے پرواہی سے انتظام سلطنت میں لگ گئی۔ جو برائیاں اس کے بھائی کے وقت میں پیدا ہوئی تھیں بطور معقول اس کی اصلاح کی۔ اور قوانین سلطنت کو دوبارہ مرتب کیا۔ بڑے بڑے مقدمے پیش ہوئے

ان کا فیصلہ کیا اور قضیہ ختم کیا۔ غرضکہ شاہان عادل اور قابل کے اوصاف اس سے ظاہر ہوتے تھے۔ طبقات ناصری میں ہے :۔

"سلطانہ رضیہ طاب مرقدہا بادشاہ بزرگ وعاقل و عادل وکریم و عالم نواز وعادل گستر ورعیت پرور ولشکر کش بود ہمہ اوصاف کرندہ کہ بادشاہ را باید داشت"

سیاست مخالف امراء نے چاروں طرف نامہ و پیام جاری کئے۔ اور مخالفت کی ترغیب دی۔ ملک نصیر جاگیردار سلطانہ رضیہ کی موافقت میں دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جب گنگا کو عبور کر لیا تو دشمنوں نے اس کو گھیر لیا۔ اور گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ جہاں وہ جاں بحق ہو گیا۔ یہ رنگ رضیہ دیکھ رہی تھی۔ ادھر انتظام ملکی چلا رہی تھی۔ خاندان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ وقار سلطنت امراء کے دل سے جاتا رہا اور اس امر کے درپے ہوئے کہ جدید انقلاب کیا جائے۔ اور رضیہ کو حکومت سے بے دخل کیا جائے۔ مگر رضیہ نے بعض امراء کو ترقی مناصب دی اور اکثر کو ادنیٰ عہدے سے اونچے درجے پر پہنچایا۔ یہ لوگ جاں نثاری پر آمادہ ہو گئے۔ اور مخالفین کو خفیہ طور پر زک پر زک دینے لگے۔ ان کی جتنی تدبیریں تھیں وہ ناکام رہیں۔ غرضکہ رضیہ سلطانہ نے اپنے حسن تدبیر سے امرائے مخالف کو اتنا پریشان کیا کہ انہوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ مگر سلطانی فوج نے تعقب کیا اور ملک سیف الدین کوچی اور اس کے بھائی کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

تمام مخالف امراء یکے بعد دیگرے تباہ و برباد ہو گئے۔ خواجہ مہدی غزنوی جو نظام الملک جنیدی کا نائب تھا۔ اس کو سلطانہ نے منصب وزارت عطا کیا اور نظام الملک کے لقب سے ملقب فرمایا۔
نیابت لشکر ملک سیف الدین ایبک کو تفویض کیا۔ اور "قتلغخاں" خطاب دیا اور ملک اعزالدین کبیر خانی نے جو اطاعت اس کی کی تھی اسے لاہور کا حاکم کیا۔ ممالک لکھنوتی اور دیبول اور سندھ غرضکہ تمامی بلاد اور علاقہ جات پر اپنے مرضی کے امراء حاکم مقرر کئے۔ اس عرصہ میں سیف الدین ایبک نے وفات پائی۔ اس کی جگہ قطب الدین حسن کو مقرر کیا اور اس کو معہ افواج کثیر قلعہ رن تھنبور پر بھیجا۔ سلطان التمش کے بعد یہاں کے راجہ نے مسلمانوں کو قلعہ بند کر دیا تھا۔ اور ان پر مظالم برپا کر رہے تھے۔ اور سخت محاصرہ کیا تھا۔ قطب الدین حسن سے بڑا معرکہ رہا۔ ہندو راجہ نے راہ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں کی گلو خلاصی ہوئی۔ جمال الدین یاقوت حبشی امیر آخور تھا اس نے رضیہ سلطانہ کی جان کی حفاظت کی جس سے بڑا تقرب حاصل کیا۔ مثل اپنی دختر کے سلطانہ کو سمجھتا تھا۔ خود تلوار لے کر رات بھر رضیہ کا پہرہ دیتا اور سلطانہ آرام سے سوتی ورنہ بارہا دشمنوں نے چاہا سوتے میں سلطانہ کا کام تمام کر دیا جائے۔ یاقوت کی خدمات شائستہ سے سلطانہ بڑا بھروسہ کرنے لگی اور نظر عنایت مبذول رکھتی رہتی کہ یاقوت گھوڑے پر کمر میں ہاتھ دے کر خود سوار کراتا۔ دشمنوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر

پابند شریعت خاتون پر حرف گیری کی۔ ادھر یاقوت امرا میں امیرالامرا کر دئے گئے ملک اعزاز الدین حاکم لاہور نے سر اطاعت سے انحراف کیا۔ سلطانہ سپہ آراستہ خود سرکوبی کو دوڑ پڑی۔ ملک اعزاز الدین موقعہ کی نزاکت دیکھ کر اخلاص سے پیش آیا اور ہتھیار ڈال دئے۔ سلطانہ نے ولایت ملتان جو ملک قراقش کے سپرد تھی اسے بھی اس کو تفویض کی۔ وہاں سے مراجعت کر کے ملک التونیہ حاکم بھٹنڈہ جو ترکان جہلگانی سے تھا اس نے یاقوت کی وجہ سے بغاوت کا نشان بلند کیا سلطانہ رضیہ فوج بے شمار لے کر بھٹنڈہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ اثنائے راہ میں امرائے ترک بگڑ بیٹھے اور رضیہ تاب مقابلہ نہ لا سکی۔ شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ رضیہ کا منہ لگا غلام جمال الدین یاقوت حبشی گرفتار ہو گیا اور قتل کر دیا گیا۔ تاریخ مبارک شاہی میں ہے۔ جمال الدین یاقوت حبشی را بشند۔ ع

عنایافت دولت زپیرامنش ۔۔۔ چو داغ سیاہ دیار بردامنش

اور سلطانہ بھی قید کر دی گئی۔ اور قلعہ بھٹنڈا میں رکھی گئی۔ دہلی پہونچکر معزالدین بہرام شاہ بن شمس الدین التمش تخت شاہی پر بٹھایا گیا۔

عقد رضیہ سلطانہ نے ملک التونیہ حاکم بھٹنڈا سے عقد کر لیا۔ ہر دو نے کچھ عرصہ بعد فوج جمع کر کے دہلی کی طرف مراجعت کی۔ معزالدین بہرام شاہ نے اپنے بہنوئی ملک اعزالدین بلبن کو رضیہ کے مقابل بھیجا۔ یہ کچھ ایسی پژمردہ ہو چکی تھی۔ ہر دو لشکر مقابل ہوئے

ابھی وہ دو ہاتھ بھی نہونے پائے تھے کہ التونیہ کے لوگوں نے دغا کی۔ سلطانہ کو اس موقعہ پر بھی شکست فاش اٹھانا پڑی۔ آخر ش جان بچاکر بھٹنڈا پر اس نے تازہ دم فوج لے کر چڑھائی پر حملہ کیا۔ بہنوئی آڑے آیا۔ ۲۴ ربیع الاول ۶۳۷ھ میں کیتھل کے میدان میں رضیہ کی فوج نے منہ کی کھائی۔ میاں بیوی فوج سے جدا ہو گئے۔ روپوشی اختیار کی۔

ابن بطوطہ کا بیان

واقعۂ شہادت ابن بطوطہ رضیہ کے قتل کا واقعہ یوں بیان کرتا ہے۔ جب رضیہ بیگم شکست کھا کر بھاگی تو بھوک کے مارے نہایت خستہ حال تھی۔ اس نے ایک کسان کو کھیتی کرتے دیکھا اس نے کھانے کو مانگا۔ اس نے اسے روٹی کا ٹکڑا دیا۔ وہ کھا کر سو رہی۔ مردانہ لباس پہنے ہوئی تھی۔ جب کسان نے اسے سوتے ہوئے دیکھا اور اس کے کپڑوں کے نیچے ایک قبا مرصع نظر آئی تو اس کو معلوم ہوا کہ یہ عورت ہے۔ اس کو قتل کیا۔ اس کا لباس اتارا گھوڑا لے لیا اور کھیت میں اس کو دبا دیا۔ اس کے بعض کپڑے لیکر بازار بیچنے لے گیا۔ اہل بازار اس لباس کو اس کی شان کے خلاف دیکھ کر خرید لنے سے انکار کرنے لگے اور کوتوال کو خبر کر دی۔ اس نے اس کو مارا پیٹا تو اس نے رضیہ کے قتل کا اقرار کر لیا اور اس کے مدفن پر لے گیا۔ انہوں نے لاش نکال کر غسل دیا کفن پہنایا اور

دفن کیا۔ مدفن پر گنبد بنایا۔ لوگ آج تک اس کی قبر کی زیارت کرتے ہیں اور اس کو متبرک جانتے ہیں وہ جمنا کے کنارے پر شہر سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ تاریخ مبارکشاہی میں ہے:۔

"سلطانہ رضیہ التونیہ بدست ہندوان گرفتار شدند ہر دو
شہید کنند۔ شہادت سلطانہ رضیہ روز سہ شنبہ بست پنجم
ماہ ربیع الآخر ثمان وثلاثین وثلثمائتہ بود۔"

رضیہ کا حبشی بعض مورخین نے اراکین سلطنت کی بغاوت کی بنا حبشی غلام کو قرار دیا ہے۔ وہ رضیہ کی کمر میں ہاتھ دے کر گھوڑے پر سوار کراتا تھا۔ یہی امر تھا جس نے اراکین کو مجبور کیا کہ وہ رضیہ کو تخت سلطنت سے علیحدہ کر دیں۔

مورخین نے اس معاملہ کو صاف نہیں کیا۔ گول مول لکھ گئے۔ الفنسٹن بھی یہی رائے رکھتا ہے۔ لیکن رضیہ سلطانہ جیسی مدبر و شجاع محض وہم وگمان سے بدنام ہو کر معزول نہیں ہو سکتی تھی۔ یہی امرائے سلطنت کا غیرت کھانا ایک فرضی بہانہ تھا۔ کہاں ایک مسلمان عورت خصوصاً شہزادی بلا برقعہ نامحرموں کے مجمع میں آ کر اجلاس کرتی اور شریعت کی پرواہ نہ کرتی۔ اس سے بیعت کی جاتی ہے اور اسلامی جمہروں پر اسے امیر المومنین بیان کیا جاتا ہے۔ اس وقت کسی کو اسلامی غیرت نہ آئی اور کسی نے خارج وعزل کا ارادہ نہ کیا۔ اگر کیا یا اس کی خلاف شرع بے پردگی نے امراء کو نفرت دلائی تو یاقوت کا واقعہ ابتدائی

نفرت کا باعث نہیں ہو سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ عوام کے بھڑکانے کے لئے بات کا بتنگڑ کھڑا کیا گیا ہو۔ گھوڑے پر سوار کرانے سے بدگمانی حماقت پر دال ہے۔

کوئی شہادت اس عہد کی تاریخ میں اس کے چال چلن کے متعلق نہیں نظر آتی۔ مورخین نے صراحتاً نہ ہی کنایتہً بھی کہیں ذکر نہیں کیا۔ باوجودیکہ اس کے بھائیوں کی بدچلنی شراب خوری کا تذکرہ فصاحت سے کر گئے ہیں۔ اگر رضیہ بیگم بدچلن ہوتی تو مورخ کبھی اس کو نظر انداز نہیں کرتے، کھلے الفاظ میں لکھ جاتے۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ رضیہ سلطانہ پاکدامن خاتون تھی اور قابل احترام تھی۔

رضیہ سلطانہ کی معزولی کا سبب

رضیہ نسل کے اعتبار سے ترک تھی اس کے باپ کے زبردست اور طاقتور اراکین بھی ترک تھے جس میں چہل گانی غلام ترک زیادہ قابو یافتہ تھے۔ رکن الدین کو معزول کرانے والے بھی یہی تھے۔ شاہ ترکان کا فیصلہ انہی لوگوں کی حمایت سے ہوا۔ محمد غوری کے بعد قطب الدین اور اس کے بعد التمش ترک غلام تخت نشین ہوئے۔ موروثی سلطنت کا سکہ ہندوستان میں نہ بیٹھ سکا تھا ہر ایک طاقتور ترک سردار اپنے آپ کو مستحق تخت خیال کرتا تھا۔ اپنے ذاتی جاہ و جلال کے خیال سے عورت کی محکومی پسند نہ تھی کیسی مَر

کو اس کی جگہ دیکھنے کے متمنی تھے۔ واقعات ایسے آئے باغی ناکامیاب رہے۔ رضیہ نے اپنی عقلمندی سے جس نے سر اٹھایا اس کا سر نیچا کر دیا۔ ملک اعزالدین کبیر خانی کو لاہور تک دیدیا۔ ملتان کا علاقہ بھی دیا گیا۔ مگر لڑکوں کو خوش رکھنا رضیہ کی طاقت سے باہر ہو گیا۔ اس کے بعد واقعات اس کا ساتھ نہ دے سکے۔

ملا عصامی (عبد ملک) فتوح السلاطین محمود غزنوی سے محمد تغلق کے عہد تک کی ملکی فتوحات کی رزمیہ منظوم تاریخ ہے۔ مگر بعض جگہ تحقیقات میں کوتاہی کرجاتا ہے۔ اپنے بزرگوں کے حالات میں مبالغہ سے کام لیا ہے جس کا تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ رضیہ سلطانہ کے ذکر میں ناروا باتیں لکھیں جن کا منہاج سراج کی تاریخ اور تاریخ مبارک شاہی میں ذکر تک نہیں۔ یاقوت حبشی کا فسانہ اس طرح لکھتا ہے:۔

شنیدم غلامے ز جنس حبش | بدے در سواری بہر سرکیش
گرفتے بیک دست بازوئے او | بدادے سوارش بے گفت گو
بداں مرد شاہ جہاں را غلام | شمش کردہ بودہ است یاقوت نام
امیر آخرش شاہ و شہزادہ بود | بفرمان رضیہ رضا دادہ بود

بعد کے مورخین نے بلا تحقیق کے اس خرافات میں رنگ آمیزی کی ہے

مزار رضیہ سلطانہ

سر سید نے آثار الصنادید میں لکھا رجی بھی کی قبر در حقیقت رضیہ سلطانہ کی ہے۔ یہ قطب مینارہ سے گیارہ میل دور جگہ پر ہے بلبلی خانہ ترکمان دروازہ۔

خواتین کا مصنف لکھتا ہے :-

نئی دہلی کے محلہ بلبلی خانہ میں منشی شبیر علی خاں اور جناب مولوی رشیدالدین خاں کے مکانات کے سنگین احاطہ میں یہ مزار ہے۔ اس احاطہ میں دو قبریں ہیں۔ ایک رضیہ سلطانہ کی اور دوسری سجیلہ بیگم کی۔ عوام الناس اس کو رجی سجی کی درگاہ بھی لکھتے ہیں سب کان بالکل ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں اور قبروں کے تعویز بھی دستبرد زمانہ سے ثابت نہیں، ضرورت ہے کہ نئے کتبے لگ جائیں اور ان کی حفاظت کا انتظام ہوجائے۔

خلق

رضیہ سلطانہ بڑی خلیق اور متواضع خاتون تھی۔ جہاں ایک طرف بہادر اور شجاع تھی وہاں دوسری طرف غرباء کی دستگیری۔ ستم رسیدہ لوگوں کی داد رسی کرتی۔ ہر ایک کے ساتھ خلق سے پیش آتی۔ تمام خاندان کی بیبیوں کو تلقین کرتی کہ آپس میں اخلاق اور تواضع سے رہیں۔ عموماً عورتوں میں کم بیٹھتی۔ علماء کی صحبت زیادہ پسند کرتی۔

علمی مناظرہ

سلطانہ کو علمی مناظرہ سے بڑا شوق تھا۔ امور مملکت سے فارغ ہوکر درباری علماء کو جمع کرتی۔ ان کی علمی بحثیں سنتی۔ اس زمانے میں علاقہ ملتان میں قرامطہ کا بڑا زور تھا۔ ان کا ایک عالم اس کے دربار میں آیا، آتے ہی آگ بگولہ ہوکر علانیہ الحاد پر تقریر کرنے اور علمائے احناف پر سب وشتم کرنے لگا مجبور ہوکر اس کو قتل کرانا پڑا۔

مذہب

رضیہ سلطانہ حنفی مذہب رکھتی تھی۔ علمائے احناف اس کے دربار کے رکن تھے۔ بڑی پابند صوم و صلوٰۃ تھی۔ صوفیا کی آغوش میں نشوونما ہوئی تھی اور اوراد و ظائف میں غلو رکھتی تھی۔

ملحد قرامطہ کا استیصال

طبقات ناصری میں ہے۔ سلطنت رضیہ کے اوائل میں یہ حادثۂ عظیم رونما ہوا۔ ترکوں کے اغوا سے قرامطہ کا ایک گروہ اطراف ہند گجرات، سندھ اور دوآبہ گنگا و جمنا وغیرہ سے آکر دہلی میں جمع ہو گیا۔ انہوں نے ترکوں کے اغوا سے اہل اسلام پر حملہ کا ارادہ کیا۔ اس کے سردار نے علماء اہل سنت کو ناجنسی اور خارجی کہنا شروع کیا۔ اور عوام الناس کو علماء احناف اور سلطانہ رضیہ پر برانگیختہ کرتا۔ آخرش قرمطی ماہ رجب سنہ ۶۳۴ھ بروز جمعہ ایک ہزار آدمی شمشیر و خنجر و تیر لے کر جامع مسجد دہلی پر چڑھ آئے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ سلطانہ کے مبارز نصیر الدین اور ناصر ہتھیار لگائے جوشن پہن کر خود سر پر رکھکر نیزہ و سپر ہاتھ میں لے کر معہ سواروں کے آئے۔ اور ملاحدہ و قرامطہ کو قتل کرنا شروع کیا۔ ایک قرامطی کو زندہ نہ رکھا۔ گو ملحدین کے ہاتھوں چند ہزار مسلمان بے گناہ شہید ہوئے مگر اس ظالم گروہ میں سے ایک بھی نہ بچا۔

احوال قرامطہ

۲۷۸ھ میں عہد خلیفہ معتمد میں سواد کوفہ میں ایک خورستانی داخل ہوا۔ زاہد اور مرتاض صورت اختیار کئے ہوئے تھا۔ اس کے لوگ مرید ہو گئے۔ روز بروز تعداد بڑھتی گئی۔

سادات کی مسلسل سعی نے جو شروع زمانہ خلافت سے کسی نہ کسی رنگ میں چلی آتی تھی۔ بنو فاطمہ کی خلافت کے حامی بکثرت پیدا کر دیئے تھے۔ کثرت فتن اور مظالم سے مسلمانوں نے مہدی کے ظہور کو اپنی مخلصی کا مدار گا ٥ بنا رکھا تھا۔ جو شخص ان خیالات کی حمایت میں اٹھتا لوگ خواہ مخواہ اس کی طرف جھک پڑتے تھے۔ یہی تسخیر مسلمین کا عمل ابن زاہدہ نے جو قرامطہ کے نام سے مشہور ہوا اختیار کیا۔ شیعوں نے اس کی حمایت کی لاکھوں مرید ہو گئے۔ عراق۔ شام میں کثرت سے فدائی ہو گئے۔ اپنی وفات پر اس نے سجادہ میں ابوالقاسم یحییٰ کو جانشین مقرر کیا۔ اس نے اعلان کیا۔ مہدی کا ظہور قریب ہے۔ ابوسعید خیالی بھی اس کا ہمخیال ہو گیا۔ ان لوگوں نے علماء سنن کو قتل کرنا شروع کیا۔ خلیفہ معتقد عباسی نے انہیں بہت کچھ کچلا۔ مگر دن بدن یہ فرقہ ترقی کرتا رہا جب بنی عباس نے زیادہ ان کی مدارات کی۔ اکثر ہندوستان چلے آئے اور دہریت اور ملحدانہ خیالات کی اشاعت کرنے لگے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالےٰ انبیاء۔ اور ائمہ میں حلول کرتا رہتا ہے۔ مرتد اور کافر کے درجے پر یہ لوگ تھے۔ حسن بن صباح ان کا بڑا شیخ تھا۔ ہلا کو خاں نے پائمال کیا اور ان کا پھر خاتمہ ہی ہو گیا۔

علماء کی منزلت علماء و فضلاء۔ اور ذی علم بزرگان دین کی مسلمان بادشاہوں کے دربار میں جو قدر و منزلت ہوتی تھی وہ دوسری قوموں کی تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ ایک دن

کسی ضرورت سے رضیہ سلطانہ نے مولانا نورالدین محمد عوفی کو طلب کیا۔ یہ اپنے زمانہ کے علامہ دہر تھے۔ جب خواجہ سرا مولانا کے پاس پیغام لیکر پہونچا۔ مولانا مسجد میں بیٹھے ہوئے درس حدیث وتفسیر دے رہے تھے آپ نے فرمایا سلطانہ سے کہدو میں اللہ کے گھر میں طلباء کو علوم دینی کا درس دے رہا ہوں۔ یہ مجلس اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے۔ کہ اس کو چھوڑ کر دربار رضیہ میں حاضری دینی ضروری ہے۔ خواجہ سرا نے آکر یہی کہا۔ رضیہ سنتی رہی اور خواجہ سرا سے کہا جب مولانا درس سے فارغ ہوں اس وقت انکو تکلیف دینا۔ چنانچہ دو گھنٹے بعد مولانا درس ختم کر چکے تو خواجہ سرا کے ساتھ آئے۔ رضیہ اسی طرح منتظر بیٹھی ہوئی تھی جس وقت مولانا سامنے آئے تو وہ بہت ضعیف ہو چکے تھے بمشکل آئے تھے۔ رضیہ آپ کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور مولانا کو صدر میں بٹھایا۔ اور بڑی لجاجت سے کہا مجھ کو شرعی امور میں مشورہ کرنا تھا۔ اس لئے حضور کو تکلیف دی گئی اور کہا۔ حضور! قرامطہ نے بہت زور اٹھا رکھا ہے۔ ان کے استیصال کے بارے میں کیا حکم ہے مولانا نے فرمایا سلطانہ! یہ لوگ مرتد ہیں اس بناء پر واجب القتل ہیں۔ چنانچہ تحقیق مسئلہ کے بعد بعزت واحترام تمام مولانا کو رخصت کیا اور خود دور تک پہونچانے آئی۔

خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضری

التمش کے ساتھ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں رضیہ حاضر ہوئی حضرت خواجہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور

دعائے برکت دی اور فرمایا یہ دختر مردوں پر بھاری ہے چنانچہ رضیہ کا معمول تھا کہ حضرت خواجہ کو سلام کرنے عموماً جایا کرتی اور اولیاء کی خدمت کرتی رہتی۔

مجلس قضاۃ قاضی سعید الدین کردی۔ قاضی نصیر الدین کاسالیس۔ قاضی جلال الدین۔ قاضی کبیر الدین لشکر اس کے دربار کے قضاۃ تھے۔

سلطانہ رضیہ نے قضاۃ کی ایک کونسل بنائی تھی۔ تمام احکامات ان کے مشورے سے طے ہوتے۔ پھر حکم عام دیتی تھی۔ یہ چاروں قاضی باپ کے زمانے سے چلے آرہے تھے۔

علمی ترقی سلطانہ نے تمام قلمرو میں تعلیم پھیلانے کے لئے مدرسے جاری کئے۔ مدرسہ "ناصریہ" کو ترقی دی۔ اس کے عہد میں قاضی شمس الدین۔ قاضی جلال الدین کاشانی شیخ محمد ساوجی۔ مولانا نورالدین محمد عوفی صاحب کتاب جامع الحکایت اس کی مجلس علمی کے رکن تھے۔

اس کے عہد کے صوفیا التمش کے زمانے میں صوفیا کی گرم بازاری تھی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ڈنکا بج رہا تھا۔ آپ کے خلفا تمام اقطاع ہند میں اشاعتِ اسلام کر رہے تھے۔ رضیہ نے تخت نشین ہوتے ہی سرکاری خزانہ سے خلفائے خواجہ کو مالی امداد دی۔ وہ جگہ جگہ تبلیغی خانقاہیں قائم کرتے اور صبح و

شام لنگر جاری رہتا۔ ہر قوم و ملت کے لوگ لنگر سے فائدہ اٹھاتے یہی چیز غیر مسلموں کو مائل کرنے کا سبب ہوئی۔ ادنیٰ اعلیٰ سب ایک جگہ کھانا کھاتے مساوات کا پورا مظاہرہ یہاں ہوتا تھا غریب سے غریب کو عزت سے بٹھایا جاتا۔ رضیہ سلطانہ کی طرف سے تبلیغ اسلام کے لئے ان خلفاء کی خاموش طریق پر امداد ہوتی۔

محکمہ احتساب رضیہ کے عہد میں محکمہ احتساب کا ٹھاز و ستھا کوئی مسلمان بے نمازی نہیں رہ سکتا تھا، ورنہ دُرّے سے خبر لی جاتی۔ تمام مساجد آباد تھیں۔ زکوٰۃ کا روپیہ تجّار سے وصول کیا جاتا اور خزانہ شاہی میں جمع ہوتا۔ اور شرعی طریق پر اس کا مصرف کیا جاتا۔ رضیہ کے ارد گرد ترکنوں اور قلماقنیوں کے سوا ہندوستانی عورتیں بھی رہتیں۔ رضیہ کے حسن اخلاق سے ایسی گرویدہ ہو جاتیں کہ وہ رضیہ کا دم بھرتیں اور اپنے قدیم مذہب کو بھی خیرباد کہہ دیتیں۔ رضیہ کے تھوڑے عہد حکومت میں بقول بختیار خاں عالمگیری اسلام کو بڑا فروغ ہوا۔

عدل و انصاف التمش کی گھنٹی کا ذکر تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا۔ رضیہ سلطانہ کے دربار میں مظلوموں اور دادرسی چاہنے والوں کی فریاد سننے کا سلسلہ جاری تھا۔ بالخصوص مظلوم عورتوں کی دادرسی کا شعبہ ایک خاتون کے سپرد تھا۔ وہ بہت تندہی سے اپنے فرائض انجام دیتی تھی۔

ابو البقا سہارنپوری شنگرف نامہ میں لکھتا ہے: "قرہ خانم رضیہ سلطانہ کی مصاحب خاص تھی۔ اس کا کام یہ تھا وہ غریب عورتوں کی فریادیں ضبط تحریر میں لاتی تھیں اور شب کو رضیہ کی خدمت میں درخواستیں پیش ہوتیں۔ وہ فرصت کے پہلے وقت میں درخواستیں پڑھ کر احکام صادر کرتی۔ رضیہ عدل و انصاف میں باپ سے سبقت لے گئی تھی۔

رواداری جمنا پر ہندوانی تہواروں پر اشنان ہوتے رہتے تھے اور کنارے پر جو مندر تھے ان میں ناقوس اور گھنٹے بڑے زور شور سے تہوار والے دن بجائے جاتے۔ لوگوں نے رضیہ سلطانہ سے شکایت کی اور کہا حضور کے والد نے مہا کال کا مندر منہدم کرا دیا آپ بھی جمنا کنارے کے شوالے مسمار کرا دیجیے اور ثواب کمائیے۔ رضیہ سنتی رہی۔ اور اس نے ارادہ کیا کہ ایسا ہی کیا جائے۔ قاضی سعد الدین کردی کو علم ہوا۔ اس نے سلطانہ سے کہا۔ آپ یہ کیا کرتی ہیں۔ آپ کے والد نے جو کچھ کیا اچھا کیا میں نہ تھا جو مشورہ دیتا۔ سلطانہ! شاکیوں سے معلوم کرو یہ سلسلہ اشنان کب سے ہے۔ چنانچہ وہ لوگ بلائے گئے پوچھا گیا انہوں نے کہا اشنان کی رسم اور پوجا پاٹ زمانہ دراز سے چلی آ رہی ہے انہوں نے کہا یہاں رضیہ کے پہلے بھی اسلامی حکومت تھی۔ پہلے بادشاہ کیوں متراحم ہوئے انہوں نے اس رسم کو کیوں نہ بند کیا۔ رضیہ بولی ان کو توفیق نہیں ہوئی۔ قاضی کردی نے کہا:۔

"شرع شریف میں قدیم بت خانوں کا انہدام جائز نہیں ہے اور

قدیم الایام سے جو رسوم قوموں میں رائج ہیں ان کے موقوف کرنے کا حق کسی کو نہیں پہونچتا۔ التمش نے مہاکال کا مندر ڈھایا۔ وہ مندر زناکاری کا اڈا بنا ہوا تھا۔ اس کے پجاری نوجوان عورتوں کو جو پوجا کرتے آتیں ان کے ساتھ افعال شنیعہ کے مرتکب ہوتے۔ وہاں کے براہم نے بادشاہ سے کہہ کر مندر کو مسمار کرایا۔ اے رضیہ سلطانہ صحابہ کرام نے ایران فتح کیا وہاں مذہب زرتشتی تھا جگہ جگہ آتش کدے روشن تھے۔ انہوں نے باوجود صاحبِ اقتدار ہونے کے آتشکدوں کو نہیں ڈھایا اور نہ زرتشتیوں کو ان کے حق سے محروم کیا جو ان کو اپنے ملک میں حاصل تھے حتیٰ کہ ان کو یہ کہکر اہل کتاب کے مساوی سمجھا گیا کہ وہ شبیہ اہل کتاب ہیں یعنی اہل کتاب کے ساتھ ہیں۔ یہی سلوک محمد بن قاسم نے سندھ اور ملتان فتح کر کے ان باشندگان کے ساتھ کیا جو تمام تر ہندو تھے۔ ان کے مندر باقی رہے ان کے رسم و رواج جاری رہے۔ تم کیا ان سے بڑھ کر ہو جو نیا قدم اٹھا رہی ہو۔"

رضیہ سلطانہ نے قاضی کردی کے آگے سر تسلیم خم کیا اپنے احکامات واپس لئے۔ اشنان اور پوجا پاٹ میں حکم دیا کوئی مزاحم ہو۔

علمی ترقی

التمش کے عہد میں عجمی حضرات اہل علم آ گئے تھے۔ بادشاہ کی قدردانی سے تصنیف و تالیف میں لگ گئے۔ التمش کے عہد میں "آداب الحرب والشجاعہ" لکھی گئی جو اس عہد کے حربی معاملات کے لئے ایک بیش قیمت ماخذ ہے۔

محمد عوفی نے التمش کے دربار کے لئے اپنی کتاب جامع الحکایات ولوامع الروایات لکھی بادشاہ نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور بھی کتابیں لکھی گئیں جن کا ذکر تاریخ میں آتا ہے۔ یہ لوگ رضیہ کے عہد میں اپنے انہیں مشاغل میں لگے ہوئے تھے۔ اور انہیں علمی کاموں کی تکمیل کرنے کا موقعہ رضیہ کے عہد میں نصیب ہوا۔

مجلس علماء ہر جمعہ کو علماء کی مجلس منعقد ہوا کرتی۔ باری باری سے علماء و قضاۃ کو میر محفل کہا جاتا خود ایک طرف مؤدب ہو کر بیٹھتی اس کی مجلس میں عموماً دینی مسائل پر گفتگو رہتی۔ ایک دن مولانا شمس الدین نے صوفیا کے احوال اور سماع پر کلام کیا یہ بھی سنتی رہی۔ قاضی نصیر الدین کا سالبس صحبت یافتہ قاضی حمید الدین ناگوری کے تھے۔ وہ جواب دیتے رہے۔ قاضی نصیر الدین نے قصیدہ بردہ خوش الحانی سے جو پڑھا۔ تمام مجلس بے حال ہوگئی۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں اور قاضی شمس الدین تو مجلس میں لوٹنے لگے۔ جب سکون ہوا تو قاضی نصیر الدین نے کہا سماع پر جو آپ لوگ معترض ہوتے ہو۔ صرف ظاہرا باتوں پر رائے قائم کرتے ہو۔ مولانا شمس الدین نے کہا۔ قاضی آپ خود ایسے اسلامی عہدے پر ممتاز ہو جہاں شریعت کے صحیح حامل ہوتے ہوئے اس کے ساتھ آج معلوم ہوا آپ طریقت کے بھی پیشوا ہیں۔ آخر ش سلطانہ کی طرف سے بعد تواضع فواکہات مجلس برخاست ہوئی۔

مقبرہ التمش

مزار حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا دہلی کہنہ مہرولی میں ہے۔ یہیں التمش کا مقبرہ ہے۔ رضیہ سلطانہ نے بنوایا ہے۔ اس مقبرہ کی تمام عمارت اندر اور باہر سے سنگ خارا کی ہے اور اندر کہیں کہیں سنگ سرخ اور سنگ مرمر بھی لگا ہے تمام دیواروں پر آیات قرآن کندہ ہیں اور بہت اچھی منبت کاری کی ہوئی ہے۔ مقبرہ میں ستون دار گنبد تھے مگر عرصہ ہوا کہ گر پڑے ہیں۔ صرف چہار دیواری باقی ہے۔ فیروز شاہ نے اس مقبرے کی مرمت کرائی تھی اور صندل کا چھپر کھٹ چڑھایا تھا مگر اب یہ آثار باقی نہیں رہے۔

سلطان معزالدین بہرام شاہ بن التمش

۳ر اکتوبر ۱۲۴۰ء تا ۱۰ر مئی ۱۲۴۲ء

سلطان بہرام شاہ کے ۲۷ر رمضان ۶۳۸ھ ۱۲۴۱ء کو مراسم تخت نشینی ادا ہوئے مگر امرائے سلطنت اس سے خوش نہ تھے۔ سازشیں کرنے لگے۔ اولاً اس کے وزیر سنقار نے اس کو قتل کرانا چاہا۔ سلطان کو علم ہو گیا وہ سزا دینا چاہتا تھا کہ امرائے چہلگانی کی سفارش سے سنقار بدایوں کا گورنر کر دیا گیا مگر پھر وہ بلا اجازت دہلی آیا اور قتل ہوا۔ بہرام شاہ نے ایوب درویش کے کہنے سے قاضی شمس الدین فقیہ کو قتل کرا دیا ان وجوہ سے امرار چہلگان شمسی اس سے بیزار ہو گئے۔ وزیر خواجہ مہذب الدین بھی بہرام شاہ کا دشمن ہو گیا اور سرداران فوج کو ملا کر قلعہ کا محاصرہ کرا دیا بادشاہ نے قاضی منہاج الدین مصنف طبقات ناصری کو جو دہلی کے قاضی القضات تھے باغیوں کو سمجھانے کو بھیجا مگر وہ باز نہ آئے بالآخر ۳½ ماہ کے محاصرہ کے بعد بہرام شاہ گرفتار کر لیا گیا اور پانچ یوم بعد ۱۵ر مئی ۱۲۴۲ء کو قتل کرا دیا گیا۔

علاء الدین مسعود شاہ

۶۳۹ - ۶۴۴ھ
۱۲۴۱ - ۱۲۴۶ء

بہرام شاہ کے قتل کے بعد ہی جماعت امراء میں سے ایک نے عزالدین بلبن کو جو التمش کا داماد تھا بادشاہ مقرر کیا لیکن دن ختم ہونے سے پہلے دوسری جماعت نے جس پر بعد کو اکثر کا اتفاق ہو گیا تھا علاءالدین مسعود (رکن الدین فیروز کے بیٹے) کو ۸ ار ذیقعدہ ۶۳۹ھ میں تخت نشین کیا۔

وزیر مہذب الدین نے امرائے ترک کے ہاتھوں سے تمام کام نکال لئے تھے۔ اس لئے انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ منہاج سراج مصنف طبقات ناصری نے عہدہ قضا سے استعفیٰ دیا۔ اور ۹ ر رجب کو طوغان خاں والی بنگال کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا۔ لکھنوتی میں یہ دو سال تک رہا۔ انہیں دو سال کے عرصہ میں مسعود شاہ نے توسیع سلطنت کی طرف توجہ کی۔ اور اپنے دونوں چچا جلال الدین اور ناصر الدین کو قید سے آزاد کر کے قنوج و بہرائچ میں ان کی جاگیر مقرر کی گئی۔

شوال ۶۴۲ھ ۱۲۴۵ء میں راجہ جاج نگر نے لکھنوتی پر حملہ کیا[1] اور

---

[1] اس واقعہ کے متعلق مورخین نے سخت غلطی کی ہے۔ فرشتہ نظام الدین احمد ملا عبدالقادر و دیگر مورخین نے بیان کیا ہے کہ ۶۴۲ھ میں مغلوں نے لکھنوتی پر حملہ کیا۔ طبقات اکبری میں ہے کہ وہ تبت کی راہ لکھنوتی پہونچے۔ الفنسٹن نے بھی یہی غلطی کی مسٹر اڈورڈ طامس نے یہ غلطی نہیں کی۔ جاجنگر طبقات ناصری میں چنگیز خاں بن گیا۔

عزۂ ذیقعدہ میں ثمر خاں قیراں سلطان علاءالدین کے حکم سے فوج لے کر لکھنوتی پہونچا اور بعد کو یہی لکھنوتی کا فرمانروا تسلیم کیا گیا۔ اسی سال غیاث الدین بلبن امیر حاجب مقرر کیا گیا (اس وقت یہ الغ خاں کے نام سے مشہور تھا)

۱۴ صفر ۶۴۳ھ ۱۲۴۵ء میں منہاج سراج دہلی واپس آیا اور اپنے سابقہ عہدہ پر بحال ہوا۔

رجب ۶۴۳ھ ۱۲۴۶ء میں مغلوں نے منگو خاں کی سرکردگی میں اوچھ پر حملہ کیا۔ مسعود شاہ خود مقابلہ کے لئے روانہ ہوا لیکن مغل اس کے پہونچنے سے قبل واپس چلے گئے۔

۶۴۴ھ ۱۲۴۶ء مسعود شاہ کی صحبت میں چند نااہل لوگوں کو در خور حاصل ہو گیا اور اس نے جبر و ظلم، عیش و عشرت لہو و لعب میں اپنے اوقات صرف کرنے شروع کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں بدامنی کے آثار نظر آنے لگے تو امراء نے مجبور ہو کر اس کے چچا ناصر الدین کو بلایا اور بتاریخ ۲۳ محرم اسے قید کر کے ناصر الدین کو تخت نشین کر دیا۔

ناصر الدین محمود شاہ

۶۴۴ ۔ ۶۶۴ھ
۱۲۴۶ ۔ ۱۲۶۵ء

مسعود شاہ کے بعد ناصر الدین محمود بن شمس الدین تخت نشین ہوا جو نسل کی خاندان میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ یہ التمش کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور اس کی تعلیم و تربیت میں حد درجہ کوشش کی گئی تھی۔ سلطان مسعود شاہ کے عہد میں بہرائچ کا والی تھا۔ اس کے واقعات عدل و رعیت پروری تمام ملک میں مشہور تھے۔ چنانچہ مسعود شاہ کے انتقال پر تمام امراء و اعیان نے قصر سفید میں تخت شاہی پر اس کو متمکن کیا۔ اور شعراء نے قصائد تہنیت پیش کر کے بیش بہا انعامات حاصل کئے۔ منہاج سراج نے اپنی مشہور تاریخ کو اس بادشاہ کے نام سے منسوب کر کے اس کا نام طبقات ناصری رکھا[1] اور اس کے حالات حکومت پندرہ سال یعنی ۶۵۸ھ تک نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے۔

ناصر الدین علاوہ عادل و شجاع ہونے کے حد درجہ عابد و مرتاض تھا۔ خزانہ شاہی سے ایک پیسہ بھی اپنے اوپر صرف نہ کرتا تھا اور صرف کلام مجید لکھ کر اپنا نفقہ حاصل کرتا تھا[2]۔ ابن بطوطہ مشہور سیاح نے ناصر الدین کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن خود دیکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

---

[1] فرشتہ صفحہ ۷۰ و ۷۱ ۔ [2] فرشتہ صفحہ ۷۱ ۔

قاضی کمال الدین نے مجھے ایک نسخہ بادشاہ کے ہاتھ کا
لکھا ہوا دیا جو نہایت خوش خط تھا۔"

فرشتہ لکھتا ہے :-

"وہ ہر سال دو مصحف کی کتابت کرتا۔ ایک بار اس کا قلمی مصحف کسی امیر نے زیادہ قیمت دے کر خرید لیا۔ سلطان کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو اسے ناگوار ہوا اور آئندہ کے لئے حکم دیا کہ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا کلام مجید خفیہ طور سے بازار کی معمولی قیمت پر فروخت کیا جائے۔"

سلطان ناصر الدین صرف ایک "منکوحہ" بی بی رکھتا تھا اور کوئی خادمہ وغیرہ نہ تھی۔ ایک دن بی بی نے شکایت کی کہ میرے ہاتھ روٹی پکاتے پکاتے جلے جاتے ہیں۔ اگر کوئی کنیز لے لی جائے تو کیا حرج ہے سلطان نے جواب دیا کہ :-

"بیت المال بندگان خدا کا حق ہے میں اس میں سے کچھ صرف نہیں کر سکتا اور نہ کوئی کنیز مہیا کر دیتا ہے[1]"

ناصر الدین دوسرے کے جذبات کا بہت لحاظ کرتا تھا اور کبھی کسی کو تکلیف پہونچانا یا مایوس کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ ایک بار وہ کلام مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ ایک شخص اجنبی آگیا اور بولا کہ لفظ فیہ مکرر لکھا ہوا ہے۔ سلطان نے فوراً اس لفظ کے گرد قلم سے حلقہ کھینچ دیا۔ اور اس شخص کا حال پوچھ کر

[1] طبقات اکبری صفحہ ۲۷۔

رفع حاجت کردی۔ جب وہ چلا گیا تو پھر قلم تراش سے اس حلقہ کو مٹا دیا ایک غلام نے دریافت کیا کہ حلقہ کھینچنے اور پھر اس کے محو کر دینے کا کیا سبب تھا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ یہ شخص اپنی حاجت لے کر آیا تھا اگر میں اس سے کہہ دیتا کہ لفظ قبیلہ غلط تحریر نہیں ہوا تو وہ نادم ہو جاتا۔ اس لئے میں نے حلقہ کھینچ دیا کہ اس کا محو کر دینا بہ نسبت غبار ملال رفع کرنے کے زیادہ آسان ہے[1]

مذہبیت مذہب کا وہ حد درجہ احترام کرتا تھا۔ اور عظمت نبوی کے خیال سے ہر وقت کانپتا رہتا تھا۔ اس کا ایک ندیم تھا جس کا نام محمد تھا۔ سلطان ناصر الدین جب اس کو بلاتا تو ہمیشہ نام لے کر پکارتا۔ اور جو کام ہوتا کہہ دیتا۔ ایک دن تاج الدین کہہ کر آواز دی۔ ندیم آیا اور کام کر کے گھر چلا گیا۔ جب تین دن تک حاضر نہ ہوا تو سلطان نے اس کو طلب کر کے وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا کہ "سلطان ہمیشہ میرا نام لیکر پکارا کرتا تھا۔ اس دن خلاف معمول تاج الدین کہہ کر آواز دی۔ میں سمجھا کہ سلطان کچھ برہم ہے۔ بیقرار و مضطرب ہو کر گھر چلا گیا" سلطان نے قسم کھا کر کہا کہ "میں تم سے مطلق رنجیدہ نہیں ہوں۔ اس دن تمہارا نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ میں باوضو نہ تھا۔ اور بغیر طہارت کامل کے لفظ محمد میں اپنی زبان سے ادا نہ کر سکتا تھا"[1]

چونکہ سلطان مذہبی زندگی کی طرف زیادہ شغف رکھتا تھا۔ اسلئے

---

[1] فرشتہ صفحہ ۴۷۔

تمام امور سلطنت غیاث الدین بلبن کے ہاتھوں طے پاتے تھے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ ناصر الدین کی کامیابی بحیثیت فرمانروا ہونے کے صرف بلبن کی قابلیت کی ممنون تھی جس نے اپنی غیر معمولی ذہانت و فراست، شجاعت و پامردی۔ اور نظم، ونسق سے سلطان ایبک اور سلطان التمش کے عہد کو بھلا دیا۔ عہد ناصر الدین کے خاص خاص واقعات یہ ہیں:-

۶۴۴ھ (۱۲۴۷ء) میں ناصر الدین تخت نشین ہوا اور کوہستان جودی کے رانا کے خلاف بلبن کی سرکردگی میں ایک مہم روانہ کی گئی جس نے مغلوں کا ساتھ دیا تھا۔

۶۴۵ھ (۱۲۴۸ء) میں ناصر الدین نے مملکت قنوج میں قلعۂ نندنا (تلسندا، تلندا) کو فتح کیا۔ اور بلبن نے رانا ملکی کو مغلوب کیا اور پھر دونوں فوجیں کنڑہ کی طرف بڑھیں۔

۶۴۶ھ (۱۲۴۹ء) میں بلبن نے رانائے رنتھبور کے خلاف فوج کشی کی اور خواجہ بہاؤ الدین ایبک اس جنگ میں شہید ہوا۔

۶۴۷ھ (۱۲۴۹ء) میں ناصر الدین نے اپنی بیٹی کی شادی بلبن سے کی اور الغ خاں اعظم کا خطاب عنایت کیا۔

۶۴۸ھ (۱۲۵۰ء) میں عز الدین نے ملتان کا محاصرہ کیا جہاں شیر خاں سنقر حاکم تھا لیکن ناکامیاب رہ کر اوچھ واپس آیا۔

۶۴۹ھ (۱۲۵۱ء) میں عز الدین نے ناگور میں بغاوت کی لیکن ناصر الدین کے پہونچنے پر اس نے اطاعت اختیار کی۔ بادشاہ مالوہ کی طرف گیا۔

راجہ ناہر دیو کو شکست ہوئی اور نرد فتح ہوا۔

۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء میں الغ خاں نے گوالیار پر فوج کشی کی۔ منہاج سراج کو عہدۂ قضا تفویض ہوا۔ سلطان نے اوچھ اور ملتان کے راستہ سے لاہور اور غزنی کی طرف سفر اختیار کیا۔ اور عماد الدین ریحان نے بادشاہ کو بلبن کی طرف سے کبیدہ کر دیا جس کی وجہ سے بلبن کو اپنی جاگیر اقطاع ہانسی و کوہستان سوالک کی طرف روانگی کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد افواج شاہی اس کے خلاف روانہ کی گئیں۔ اور ہانسی شاہزادہ رکن الدین کو دیا گیا۔

۶۵۱ھ/۱۲۵۳ء میں بلبن نے ناگور کو اپنا مرکز قرار دیا۔ اور ناہر دیو کے خلاف فوج کشی جاری رکھی۔ شیر خاں نے دریائے سندھ کو عبور کیا۔

۶۵۲ھ/۱۲۵۴ء حدود پنجور (بجنور) میں بادشاہ کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر وہ بدایوں ہوتا ہوا۔ دہلی واپس آیا۔

امرا نے بلبن کی موافقت میں بادشاہ کے رویہ کی مخالفت کی۔ جب بادشاہ کو علم ہوا تو وہ دہلی سے سرہند کی طرف چلا۔ جہاں ان سب کا اجتماع تھا لیکن جب وہ ہانسی کے قریب پہونچا تو امرائے مذکور کہرام اور کیتھل کی طرف ہٹ گئے اور وہاں فوجی مظاہرہ کیا۔ آخر کار باہم صلح ہو گئی۔ اور بلبن کی طرف سے بادشاہ کا دل صاف ہو گیا۔ اور ریحان جو باعث فساد تھا دربار سے علیحدہ کر کے بدایوں بھیجدیا گیا۔

۶۵۳ھ/۱۲۵۵ء میں بادشاہ اپنی ماں ملکہ جہاں سے (جو حبالہ قتلغ خاں میں تھی) ناخوش ہو گیا۔ اور دونوں کو اقطاع اودھ دیکر رخصت کر دیا۔

قتلغ خاں نے بغاوت کی لیکن الغ خاں بلبن نے اس کو پسپا کر کے کالنجر تک ہٹا دیا۔

۶۵۴ھ / ۱۲۵۶ء میں قتلغ خاں کے خلاف فوجی کارروائی جاری رہی۔

۶۵۵ھ / ۱۲۵۷ء میں عزالدین بلبن نے بغاوت کی اور سامانہ کے قریب قتلغ خاں بھی اس کا شریک ہوگیا۔ اس کے بعد یہ دونوں دہلی کی طرف بڑھے۔ لیکن ہزیمت کھا کر واپس آئے۔

۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء میں بادشاہ مغلوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا جو ملتان تک پہونچ گئے تھے لیکن وہ بلا مقابلہ چلتے بنے اور بادشاہ واپس آیا۔

۶۵۷ھ / ۱۲۵۹ء میں خاص عساکر سلطانی جنوب کی طرف روانہ کئے گئے دارالحکومت میں امن و سکون رہا اور حاکم لکھنوتی نے خراج روانہ کیا۔

۶۵۸ھ / ۱۲۶۰ء میں الغ خاں میواتیوں کی سرکوبی کے لئے مامور ہوا۔ اور ہلاکو خاں (مغل) کی طرف سے ایک سفارت دہلی آگئی۔

۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء میں ۱۱ جمادی الاول کو بادشاہ نے انتقال کیا۔ [1]

---

[1] اسلامی نگار نمبر

غیاث الدین بلبن

۶۶۴ - ۶۸۶ھ
۱۲۶۵ - ۱۲۸۷ء

بلبن بھی ترک تھا اور اسی سرزمین کا فرد تھا جہاں التمش پیدا ہوا تھا "طائفۃ البری" اس کے قبیلہ کا نام تھا۔ اس کا باپ ایک ہزار فوج کا سردار تھا۔ جب مغلوں نے اس حصہ ملک کو غارت کیا تو بلبن ان کے ہاتھ آگیا۔ ایک بردہ فروش نے اس کو مول لے لیا اور بغداد میں خواجہ جمال الدین مصری کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ نے مثل اولاد کے تعلیم و تربیت کی اور اسلامی اخلاق سے متصف کیا پھر خواجہ اس کو سلطان شمس الدین التمش کے پاس لایا۔[۱]

ابن بطوطہ نے بیان کیا کہ جب بلبن سلطان التمش کے روبرو لایا گیا تو اس نے خریداری سے انکار کر دیا کیونکہ یہ بہت پستہ قامت اور بد صورت تھا۔ بلبن نے یہ معلوم کر کے سوال کیا کہ "جہاں پناہ اور غلام کس کے لئے خرید کئے گئے ہیں۔" التمش نے ہنس کر جواب دیا "اپنے لئے" بلبن نے عرض کیا کہ تو پھر مجھے خدا کے لئے مول لے لیجئے یہ سن کر التمش خوش ہوا اور اس کو مول لے کر سقہ کی خدمت سپرد کر دی۔

---

[۱] فرشتہ صفحہ ۷۴

بلبن کی ترقی

چونکہ بلبن فطرت کی طرف سے بہترین صفات و خصائل لے کر آیا تھا اور اسلامی تعلیم خواجہ نے دی تھی۔ اس وجہ سے اس کا تقرب بڑھتا گیا۔ رضیہ کے عہد میں امیر شکار ہوگیا۔ اور سلطان بہرام شاہ نے اس کو میر آخور بنا دیا۔ سلطان علاؤالدین مسعود کے زمانہ میں "امیر حاجب" ہوگیا۔ اور سلطان ناصرالدین نے تو تمام امور سلطنت ہی اس کے سپرد کر دئیے یہاں تک کہ ناصرالدین کے بعد بالاتفاق سب امرا نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

بلبن کی فرض شناسی

ضیاءالدین برنی نے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں یہ صرف ایک سردار کی حیثیت رکھتا تھا اس وقت وہ عیش و تفریح کی طرف مائل تھا۔ بذلہ سنج ندیم اور خوش گلو مغنی اسکی محفل میں رہتے تھے اور وہ بھی بادہ خواری، قمار بازی اور اسی طرح کے دوسرے مشاغل میں مصروف نظر آتا تھا۔ لیکن جب بادشاہ ہوا تو اس نے اپنی زندگی کا ورق ہی الٹ دیا۔ نہ کہیں محفل عیش و طرب تھی۔ نہ بادہ خواری۔ وہ حد درجہ متین و سنجیدہ ہوگیا۔ شرابخوری کو نہ خود ترک کیا بلکہ عام طور سے اس کے استعمال کی سخت ممانعت کر دی۔ نماز روزہ کا سختی کے ساتھ پابند ہوگیا۔ یہاں تک کہ اشراق و تہجد کی نماز بھی وہ ترک نہ کرتا تھا۔ ہمیشہ باوضو رہتا، بغیر علماء و صلحاء کی صحبت کے کھانا نہ کھاتا۔ ہمیشہ ان سے مسائل شرعیہ دریافت کرتا رہتا۔ اور مشائخ کے مکانوں پر خود حاضری دیتا۔ لوگوں کی تعزیت کرتا اکابر کے جنازوں میں حاضر

رہتا۔ اور اگر راستہ میں مجلس وعظ برپا دیکھتا تو تعظیماً سواری سے اتر پڑتا اور کچھ دیر سنتا۔ یہ تھا اس کے زہد و ورع کا عالم۔"

انتظام سلطنت انتظام سلطنت کا اُسے اس قدر خیال تھا کہ جب تک وہ پوری طرح کسی شخص کی شرافت نفس اور اہلیت کو معلوم نہ کر لیتا۔ اس وقت تک اس کو کوئی عہدہ نہ دیتا۔ اور اگر کوئی ملازم یا حاکم صلاح و تقویٰ، دیانت و امانت سے منحرف ہو جاتا تو فوراً معزول کر دیتا۔ کبھی رذیل اور معمولی لوگوں سے بات نہ کرتا۔ کسی ہزل گو یا مسخرہ کو دربار میں آنے نہ دیتا، اور ہمیشہ نہایت سنجیدہ اور معقول لوگوں کو اپنی صحبت میں رکھتا۔ وہ قہقہہ سے کبھی نہ ہنستا تھا اور نہ کسی اور کو جرأت ہوتی تھی کہ اس کے سامنے ہنسے۔

فیاضی و دریا دلی ملحقات طبقات ناصری مصنفہ شیخ عین الدین بیجاپوری کے حوالہ سے فرشتہ نے لکھا ہے کہ فتنہ چنگیز خانی سے بھاگ کر ترکستان، ماوراء النہر، خراسان و عراق، فارس اور روم و شام وغیرہ کے پندرہ شاہزادوں نے بلبن کی سلطنت میں پناہ لی تھی۔ بلبن نے ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک محلہ الگ کر دیا تھا۔ اور سب کے شاہانہ وظائف مقرر کر دئے تھے۔ چونکہ اس زمانہ میں وسط ایشیا اور اس کے جوار کے تمام صاحبان کمال تاتاری فتنہ سے پریشان تھے۔ اس لئے ان کے لئے سوائے سلطنت دہلی کے اور کوئی مامن نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ :-

"زبدہ و نخبہ و خلاصہ عالم از اصحاب سیف و قلم و سازندہ و خوانندہ و ارباب ہنر کہ در ربع مسکون عدیل و نظیر نہ داشتند در درگاہِ بلبن جمع شدہ بودند و در گاہِ محمودی و سنجری ترجیح می دادند"[1]

عدل پروری

بلبن کی عدل پروری کا یہ عالم تھا کہ وہ انصاف کے معاملہ میں کسی کی رعایت نہ کرتا تھا۔ اور نہ کسی کی سفارش کو مانتا تھا۔ اس نے اپنے لڑکوں سے صاف صاف کہدیا تھا کہ اگر کبھی تمہاری طرف سے ظلم و ستم ظاہر ہوگا تو میں بغیر سزا دئے ہوئے نہ چھوڑوں گا۔ جو نصیحتیں وہ اپنی اولاد کو سناتا تھا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کس اصول پر حکمرانی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک بار اپنے بیٹوں سے کہا کہ "دیکھو ایک بادشاہ کی نجات چار باتوں پر منحصر ہے۔ ایک یہ کہ وہ خدا سے ڈر کر رعایا کے آرام و سکون کا انتظام کرے۔ دوسرے یہ کہ فسق و فجور کا ملک سے استیصال کلی کردے۔ تیسری یہ کہ خدمات حکومت ہمیشہ خدا ترس، امین اور شائستہ لوگوں کے سپرد کرے۔ چوتھی بات یہ کہ ظلم و ستم نہ ہونے دے۔ اور انصاف کرنے میں کسی کی رعایت نہ کرے"

ایک بار ملک تعیق پسر حاملدار نے جو امرائے کبار میں سے تھا۔ اور ولایت بدایوں اس کی جاگیر میں تھی۔ حالت مستی میں ایک فراش کو اسقدر دُرّے مارے کہ وہ مر گیا۔ جب سلطان بلبن بدایوں پہونچا تو فراش

---

[1] فرشتہ صفحہ ۷۵

کی بیوی دربارِ عام میں حاضر ہوئی۔ سلطان بلبن نے اسی وقت سب کے سامنے ملک نعیق کو طلب کیا۔ اور اس قدر درے لگوائے کہ وہ بھی مر گیا۔ اور بدایوں کے بریدوں (پرچہ نگاروں) کو جنہوں نے اس واقعہ کی اطلاع اوسے نہیں دی تھی۔ شہر کے پھاٹک پر سولی دیدی۔

اسی طرح ایک بار ہیبت خاں نے جو سلطان بلبن کے نہایت معتبر غلاموں میں سے تھا۔ اور اقطاع اودھ جاگیر میں رکھتا تھا ایک شخص کو حالت مستی میں مار ڈالا۔ اس کی بیوی سلطان کے پاس فریاد لائی۔ سلطان نے ہیبت خاں کو طلب کر کے پانچ سو درّے لگوائے اور عورت سے کہا کہ "ہیبت خاں آج تک میرا غلام تھا۔ لیکن آج سے تو اس کی مالک ہے۔ تجھے اختیار ہے چاہے مار ڈال چاہے معاف کر دے۔" بہ مشکل تمام ہیبت خاں نے بیس ہزار تنکہ دے کر اس عورت کو راضی کیا اور نجات پائی۔[۱]

محکمہ جاسوسی سلطان بلبن نے سلطنت کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے کثرت سے جاسوس یا برید مقرر کر دئے وہ نہایت سختی سے احتساب کیا کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ جاسوس کوئی غلط خبر اس تک پہونچا سکتا تھا۔ اور نہ حکام کو جادۂ اعتدال سے ہٹنے کا یارا تھا۔

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی جلد سوم صفحہ ۱۰۱

فوج کی تہذیب و ترتیب بلبن نے تخت نشین ہوتے ہی تمام فوج کا جائزہ لیا اور کمان ایسے ہاتھوں میں دی جن کی وفاداری مسلّم تھی۔ بلبن اپنی سلطنت میں دورہ بھی کثرت سے کیا کرتا تھا۔ اور خود انتظامی حالات کو دیکھکر ان میں اصلاحیں کیا کرتا تھا۔ ہرچند وہ نظم و نسخ کے باب میں بہت سخت تھا لیکن پھر بھی وہ بہت رحم و کرم کرتا اور ضعفاء کا بہت خیال رکھتا۔

رحم و کرم ایک بار بلبن کو معلوم ہوا کہ عہد شمسی (شمس الدین التمش) کے بہت سے سپاہی ضعیف ہو کر بیکار ہو گئے ہیں۔ بلبن نے حکم دیا کہ جو مواضعات ان کے پاس ہیں خالصہ میں لے لئے جائیں اور ہر ایک کے لئے بیس تنکہ بطور مدد معاش کے مقرر کر دیا جائے اس سے ان لوگوں میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا اور سب کے سب ملک فخرالدین کوتوال کے پاس روتے ہوئے آئے۔ کوتوال ملول و مضمحل سلطان کی خدمت میں گیا۔ اور دریافت کرنے پر عرض کی کہ "جہاں پناہ آپنے ضعفاء کو اپنے رحم و کرم سے محروم کر دیا ہے۔ اگر خدا نے قیامت کے دن بھی اسی طرح ہم ضعیفوں کو مردود کر دیا تو ہمارا حشر کیا ہوگا" یہ سن کر سلطان بلبن بہت رویا اور فرمایا کہ "نہج سابق پر سب کی معاش بحال رکھی جائے۔ اور آئندہ کوئی تعرض نہ کیا جائے"[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی جلد سوم صفحہ ۱۰۴

باغیوں کی سرکوبی

سفر کے دوران میں اگر کسی پل گھاٹ یا گزرگاہ عام پر پہونچ جاتا تو اپنے سرداروں کو مقرر کرتا کہ سب سے پہلے عورتوں، بچوں، ضعیفوں اور کمزور جانوروں کے گزر جانے کا انتظام کریں اور پھر دوسرے لوگ عبور کریں۔

سلطان بلبن کبھی اس کو گوارا نہ کرتا کہ کوئی شخص اس کی سلطنت میں بغاوت یا نقص امن کا مجرم ہو۔ وہ مفسدوں اور باغیوں کو سخت سزا ئیں دیتا اور خود فوج لیجا کر سرکوبی کرتا طغرل کی بغاوت میواتیوں کی شورش اس کے عہد کے خاص واقعات ہیں۔ پھر بلبن نے جس طرح ان فتنوں کو فرو کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاست میں بھی خاص ملکہ رکھتا تھا۔

شکار کا شوق

بلبن کو شکار کا بھی بہت شوق تھا۔ دہلی کے چاروں طرف بیس بیس کوس تک کا جنگل شکار کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اور جاڑوں میں روزانہ صبح کو ہزار سواروں کی جمعیتہ لے کر نکل جاتا۔ اور رات کو واپس ہوتا۔ علاوہ سواروں کے ایک ہزار سپاہ پیادہ فوج کی بھی ہوتی۔ جب ہلاکو کو بغداد میں یہ خبر معلوم ہوئی کہ سلطان بلبن شکار کا اسقدر شائق ہے تو اس نے کہا کہ بلبن معلوم ہوتا ہے بڑا تجربہ کار اور ہوشیار بادشاہ ہے۔ وہ بظاہر شکار کو جاتا ہے۔ لیکن اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے سپاہی اور گھوڑے محنت کے عادی رہیں۔ اور خطرہ و ضرورت کے وقت اچھا کام دے سکیں[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی جلد سوم صفحہ ۱۰۳

سطوت و جبروت

سلطان غیاث الدین بلبن اپنے تمام صفات رحم و کرم، بذل و نوال کے ساتھ سطوت و جبروت بھی بدرجۂ اتم قائم رکھتا تھا۔ اور لوگوں کے دلوں میں اس نے اپنی ہیبت و عظمت بہت قائم کر رکھی تھی۔ تخت نشینی کے دوسرے سال جب اس نے جلوس نکالا تو سینکڑوں کوس سے لوگ دیکھنے کے لئے جمع ہوئے۔ اور اس قدر تزک و احتشام کی نمائش کی گئی کہ دنیا متحیر تھی۔

خود داری

بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے قبل کسی بادشاہ نے اس شان و شوکت کا اظہار نہیں کیا۔ وہ اپنی خانگی زندگی میں بھی اس کا لحاظ رکھتا تھا کہ کوئی خادم گستاخ نہ ہو جائے اور اس لئے وہ کبھی کسی سے بے تکلف ہو کر نہ ملتا تھا۔ اس کے بعض ایسے خادم جو ہر وقت خلوت میں ساتھ رہتے تھے ان کا بیان ہے کہ ہم نے کبھی بادشاہ کو خلوت کے نصف لباس میں نہیں دیکھا۔ وہ ہمیشہ اپنے پورے لباس میں ملبوس نظر آتا تھا[1]

بلبن کے بڑے بیٹے محمد سلطان کے خصائل

بلبن کے بڑے بیٹے کا نام محمد سلطان تھا جو بعد کو خان شہید کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی تعلیم و تربیت کے انتظام میں بلبن نے نہایت احتیاط سے کام لیا اسی کا نتیجہ تھا کہ مکارم اخلاق اور محاسن اوصاف میں وہ اپنی نظیر نہ

---

[1] تاریخ فیروز شاہی جلد سوم صفحہ ۱۰۰

رکھتا تھا فضیلت دانش و ہنر میں بھی وہ بے مثل شخص تھا۔ اور اس کا دربار علماء و فضلاء کا مرکز تھا۔ صاحبان فضل و کمال اور شعراء عصر ہر وقت اس کے پاس جمع رہتے، اور وہ اپنی شاہانہ بخشش سے سب کو مالا مال کر دیتا۔ امیر خسرو جن کی ذات پر ہندوستان کو فخر حاصل ہے اور خواجہ حسن جو بہترین شاعر تھے اس کے علمی دربار کے رکن تھے۔

محمد سلطان کی تہذیب

محمد بڑا مہذب و شائستہ تھا کہ علماء کی مجلس میں ایک پہلو سے اس کی رات بسر ہو جاتی وہ قسم نہ کھاتا۔ اور اگر کبھی ضرورت ہوتی تو صرف "حقا" کہہ دیتا۔ عمر بھر اس کی زبان سے کوئی نا ملائم لفظ نہیں نکلا۔ اس کی مجالس میں زیادہ تر شاہنامہ دیوان خاقانی و انوری خمسۂ نظامی اور اشعار امیر خسرو پڑھے جاتے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں کہ:۔

"بہ جودتِ طبع و دریافت معنی دقیق و سخن شناسی و یادداشت اشعار متقدمین و متأخرین ہمچو محمد سلطان کم کسے را دیدہ ام"

محمد سلطان کی بیاض

محمد سلطان کے پاس ایک بیاض تھی جس میں اس نے بیس ہزار اشعار قدماء کے انتخاب کئے تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن کا بیان ہے کہ "اس سے بہتر انتخاب کوئی دوسرا کر ہی نہ سکتا تھا"۔ جب محمد سلطان شہید ہوا تو اس بیاض کو سلطان بلبن نے امیر علی جامدار کے سپرد کیا۔ اور پھر

یہاں سے حضرت امیر خسرو کے پاس پہونچی اور اس سے بہت سے صاحبان ذوق نے اشعار کا انتخاب کیا"

بزرگوں کا احترام ملتان کے قیام کے زمانہ میں شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے درویش تھے تشریف لائے۔ محمد سلطان نے تحائف پیش کر کے ملتان کے قیام کی درخواست کی اور خانقاہ تعمیر کرا کے دیہات وقف کردینے کا وعدہ کیا لیکن شیخ نے قبول نہ کیا۔

ایک بار صحبت سماع سلطان محمد کے یہاں تھی۔ شیخ عثمان اور شیخ صدر الدین بن شیخ بہاؤالدین ذکریا بھی موجود تھے۔ کسی شعر پر ان لوگوں کو رقت طاری ہوئی تو سلطان محمد فرط تاثر سے بے تاب ہوگیا اور ان حضرات کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو کر زار زار رونے لگا۔ سلطان محمد نے دو بار اپنا خاص آدمی اور قیمتی تحائف شیخ سعدی شیرازی کے پاس بھیج کر ملتان آنے کی درخواست کی لیکن شیخ نے اپنی ضعیفی کا ذکر کر کے معذرت چاہی۔ اور کہلا بھیجا کہ امیر خسرو وہاں موجود ہیں ان کی قدر دانی فرمائی جائے۔[۱]

شہادت مغلوں کے مقابلہ میں محمد کو شہادت نصیب ہوئی۔[۲]

علماء و مشائخ بلبن کے عہد میں بڑے بڑے صاحب کمال موجود تھے۔ مثلاً شیخ فریدالدین مسعود شکر گنج، شیخ الشیوخ بہاءالدین زکریا، شیخ صدر الدین بن شیخ بہاءالدین، شیخ بدرالدین غزنوی

۱؎ اسلامی ہند نگار۔ ۲؎ تاریخ فیروز شاہی جلد سوم صفحہ ۱۱۰

خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور سید مولا وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک بے مثل تھا۔[1]

علاوہ مشائخ و علماء کے اور لوگ بھی خاص خاص صفات کے موجود تھے۔ مثلاً ایک کشلی خاں جو تیر اندازی نیزہ بازی اور دیگر فنون حرب میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اسی طرح بلبن کا برادر زادہ علاء الدین محمد بن اعز الدین جو مجلس آرائی اور بخشش و کرم میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ مصر و شام و روم و بغداد و عراق و خراسان وغیرہ سے شعراء اور اکابر علماء آتے تھے اور اس کے بذل و نوال سے بہرہ مند ہو کر نہایت مطمئن و مسرور واپس جاتے تھے۔ ایک بار خواجہ شمس الدین اور خواجہ معین الدین قطب الدین حسن غوری کے ندیم خاص نے چند اشعار علاء الدین کی مدح میں کہہ کر مغنیوں کو یاد کرا دئے اور تاکید کر دی کہ تقریب نوروز (جشن بلبن) میں ان کو گا کر سنائیں۔ جب جشن منعقد ہوا تو مطربوں نے وہی اشعار مدح سنائے۔ علاء الدین بھی موجود تھا۔ یہ سن کر مجلس سے اٹھ گیا اور گھر پہونچکر دریافت کیا کہ یہ اشعار کس کے تھے۔ چنانچہ خواجہ شمس الدین کو طلب کر کے مجلس نوروز کا تمام سامان و اسباب جو اس نے اپنے لئے ترتیب دیا تھا اٹھا کر خواجہ شمس الدین کو دیدیا اور دس ہزار تنکہ مطربوں کو بلا کر دیا۔ اس کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آخر وقت میں اس کے پاس سوائے اس کپڑے کے جو اس کے جسم پر تھا کچھ باقی نہ تھا۔[2]

---

[1] فرشتہ صفحہ ۸۳ - [2] تاریخ فرشتہ صفحہ ۸۷

حکومت بلبن پر ایک عمومی تبصرہ

بلبن ادنیٰ درجہ سے ترقی کر کے وزیر پھر بادشاہ بنا اور چالیس سال تک ہندوستان پر حکومت کی اس کا زمانہ خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ انتظام سلطنت، عدل و انصاف بیدار مغزی و دور اندیشی، رحم و کرم، علم پروری، ہنر شناسی الغرض ہر اعتبار سے سلطان بلبن اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ رعایا مسرور و مطمئن تھی، عمال امین و متدین تھے۔ علماء و فضلاء شعراء و مشائخ کا ہجوم تھا علم و فضل کا چشمہ ہر جگہ سے ابلتا ہوا نظر آتا تھا ملک میں ہر جگہ امن و سکون کی حکومت تھی۔ تمام ایشیا کے بڑے بڑے شاہزادے امراء اور شعراء دربار کی رونق بڑھا رہے تھے۔ اور حضرت امیر خسرو کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ "اس وقت بخارا بھی جو وسط ایشیا کا بہت بڑا مرکز علم و ہنر تھا دہلی پر رشک کر رہا تھا"

فراست و دانائی

غیاث الدین بلبن کی تمام سیاسی زندگی ایک مرقع ہے۔ اس جرأت و بسالت و فراست و دانائی کا جو تمام مسلم فرمانروایان ہند میں بہت کم نظر آتا ہے۔

ناصر الدین شاہ کی کامیابی کا راز

بلبن نے مسلسل بیس سال تک ناصر الدین محمود شاہ کی جس محنت و صداقت سے خدمت انجام دی، اس کی اہمیت اس وقت بہت بڑھ جاتی ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ وہ زمانہ کس سازش و بغاوت کا تھا۔ اور مغلوں نے حکومت ہند کے قیام کو کس قدر دشوار بنا دیا تھا۔

ناصرالدین ایک درویش صفت بادشاہ تھا۔ قرآن مجید لکھ کر اپنی معاش بہم پہونچاتا تھا۔ اور اس کی اکیلی بیوی بغیر اس کے کہ کوئی خادمہ اس کی مدد کرے کھانا پکایا کرتی تھی۔ وہ ایک فیاض طبیعت فاضل شخص تھا اور ہمیشہ علماء و حکماء کی صحبت پسند کرتا تھا۔ لیکن ساتویں صدی کے پُر آشوب عہد کے لئے وہ یقیناً کسی طرح موزوں نہ تھا جبکہ ہندوستان کو ایک نہایت ہی سخت گیر، جنگجو اور سیاست داں بادشاہ کی ضرورت تھی۔ پھر باوجود ان صفات کے فقدان کے جو کامیابی ناصرالدین کو حاصل ہوئی اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ بلبن اس کا دست راست تھا اور اس نے ساری سلطنت کو اپنی مٹھی میں کر رکھا تھا۔"

مغلوں کے حملہ کا اندفاع

اس وقت ہندوستان کی اندرونی حالت بھی ہندؤں کی بغاوت سے خطرناک تھی۔ اور مغلوں کے حملوں نے اور زیادہ اسے ہولناک بنادیا تھا۔ لیکن یہ بلبن ہی کا دماغ تھا۔ جس نے بیک وقت ان دونوں کا انسداد کر دیا۔

باغیوں کی سرکوبی

اُدھر پنجاب کی طرف شیر خاں اپنے برادر عم زاد کو متعین کر کے مغلوں کی پیش قدمی روک دی۔ اور ادھر اندرون ملک میں باغیوں کی ایسی سخت سرکوبی کی کہ ان کے حوصلے بالکل پست ہو گئے۔ علاوہ اس کے اور ایک مصیبت ترک امراء کی بھی تھی جن کی سازشوں اور بغاوتوں نے سلطنت کی بنیاد کو متزلزل کر رکھا تھا۔ مگر بلبن ان کا بھی حریف غالب ثابت ہوا۔ اور کامل بیس سال تک

اس نے ناصر الدین کی سلطنت کو اس قدر حسن انتظام کے ساتھ چلایا کہ تاریخ مشکل سے ایسی دوسری نظیر پیش کر سکتی ہے۔"

جب ناصر الدین کے بعد خود اس کا عہد سلطنت شروع ہوا تو حالات بدستور تھے۔ ترک خوانین اب بھی موقع کے منتظر تھے، ہندو بغاوتیں کرنے کے لئے صرف ذرا سا بہانہ چاہتے تھے۔ قرب وجوار کے لٹیرے دہلی کے دروازہ تک آکر لوگوں کو پریشان کیا کرتے تھے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ مغلوں کی جماعتیں سرحد پر منڈلا رہی تھیں، اسلئے اگر اس نے سختی سے کام لیا تو وہ معذور تھا، اور اس کو بہ حیثیت ایک دانشمند فرمانروا کے ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔

اس نے اپنی آہنی تدبیروں سے قرب وجوار کی لوٹ مار کا سدِ باب کیا، اور دہلی کے نواح میں جس قدر گاؤں آباد تھے اُن میں عسکر سلطان نے گھس گھس کر قزاقوں کو گرفتار کیا، جنگلوں کو صاف کیا، اور تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کی قربانی کر کے ان غارتگروں کی کمین گاہوں کو پُرامن قابل زراعت ضلع میں تبدیل کر دیا۔

قلعوں اور سڑکوں کی تعمیر

اس نے تمام ایسے مقامات میں جہاں فتنہ پردازوں کو فساد پیدا کرنے کا موقع ملتا تھا، قلعے تعمیر کرائے، چوکیاں قائم کیں اور اس طرح تمام ان راستوں کو صاف اور پُرامن بنا دیا، جو بقول ضیاء برنی۔ ساٹھ سال سے قزاقوں کا مسکن بنے ہوئے تھے۔ اور لوگوں کی آمدورفت

وہاں مسدود تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ انتظام نرمی و آسانی سے نہ ہو سکتا تھا، اس لئے جب بلبن کو کسی ایسے گروہ کا پتہ چلا تو وہ فوراً شیر کی طرح وہاں پہونچ گیا۔ اور شیر ہی کی طرح دشمنوں اور فتنہ برپا کرنے والوں کو پارہ پارہ کر دیا اس غرض سے اس نے بہت سے جنگل کٹوا کر سڑکیں بنوا دیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تدبیر اس کی بہت کارگر ہوئی۔

ترک جاگیرداروں کا انتظام

دوسرا مرحلہ ترک جاگیرداروں کا تھا جو جاگیروں پر اپنا موروثی حق قائم کئے ہوئے تھے۔ اگرچہ یہ سب بلبن ہی کی قوم و قبیلہ کے تھے اور انہیں "چہلگانی" امراء سے تعلق رکھتے تھے جن کا ایک فرد خود بلبن بھی تھا لیکن بلبن نے مطلقاً ان کی رعایت نہیں کی اور بڑی حد تک ترک امراء کے خود سرانہ اقتدار کو گھٹا دیا حتیٰ کہ شیر خاں کو بھی جو خود اسی کا بنایا ہوا تھا اس نے فنا کر دینے میں کوئی تامل نہیں کیا۔

تیسری خلش مغلوں کے حملہ کی تھی، چنانچہ بلبن نے اس غرض سے ایک بڑی زبردست اور بہادر فوج مرتب کی اور اکثر و بیشتر دارالحکومت میں اپنا وقت صرف کیا۔ تاکہ وہ پوری طرح اپنی مرکزی قوت سے مغلوں کا مقابلہ کر سکے اگر وہ کبھی اس طرف کا رخ کریں، یہی سبب تھا کہ اپنی ساری حکومت میں اس نے دور دراز مقام کی صرف ایک مہم (بنگال) اختیار کی، جہاں عرصہ سے لوگ آمادہ بغاوت تھے اور حاکموں کا اقتدار قریب قریب اٹھ چکا تھا۔

بختیار خلجی کے بعد سے پندرہ گورنر وہاں حکمران رہ چکے تھے۔ لیکن چونکہ دہلی سے بنگال بہت دور واقع تھا اس لئے مرکزی حکومت کا اثر وہاں بہت کمزور تھا۔

بنگال کی مہم

جس وقت غیاث الدین بلبن تخت نشین ہوا تو طغرل (بلبن کا محبوب ترین غلام) بنگال کا گورنر تھا۔ اس کو اوڑیسہ کی طرف بہت کامیابی ہوئی اس لئے کچھ تو وہاں کی دولت سے بدمست ہو کر اور کچھ یہ خیال کر کے کہ بلبن مغلوں کے خلاف اپنی تدابیر میں مصروف ہے۔ اس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

بلبن نے ایک فوج اس طرف روانہ کی لیکن طغرل نے تلوار اور دولت دونوں کی قوت سے کام لے کر کامیابی حاصل کی اور افواج دہلی کے اکثر سپاہی بھاگ نکلے۔

بلبن کی سکندرانہ اولوالعزمی

بلبن جوان مناظر سے آشنا نہ تھا، یہ خبریں سن کر سخت برافروختہ ہوا اور اس نے فوج کے جنرل اتیگین کو اودھ میں سولی دے کر اپنا غصہ فرو کیا۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ فوج روانہ کی لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئی۔ اب بلبن کے لئے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ خود وہاں جائے۔ چنانچہ اس نے شہزادہ محمد کو تو مغلوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے دہلی میں چھوڑ دیا، اور خود اپنے دوسرے بیٹے بغرا خاں کو ساتھ لے کر باوجود اس کے کہ بارش سخت تھی لکھنوتی کا عزم کر دیا کہیں

اس نے دریاؤں کو کشتیوں کے ذریعہ سے عبور کیا کہیں کیچڑ پانی میں یونہی گھوڑا ڈال کر وادیوں کو طے کیا۔ الغرض عجیب وغریب سکندرانہ عزم کے ساتھ اس نے کوچ کیا۔ حتیٰ کہ لکھنوتی پہونچ گیا۔ یہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ طغرل مع اپنی فوج اور ذخائر کے جاجنگر بھاگ گیا ہے۔

بلبن اس سے اور زیادہ برہم ہوا اور عہد کیا کہ "میں دہلی کا اس وقت تک نام بھی نہ لوں گا جب تک کہ باغیوں کا اچھی طرح خون نہ بہالوں"۔ چنانچہ طغرل بیگ کا تعاقب کیا گیا اور کچھ عرصہ تک مطلق پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے۔ چند دن بعد اتفاق سے بلبن کے ایک دستہ فوج کو بنجاروں کا ایک قافلہ ملا جو طغرل کے لشکر سے واپس آرہا تھا اس سے سارا پتہ معلوم ہوا اور چالیس سپاہیوں کے "مقدمتہ الجیش" نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ دشمن کے سپاہی اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ کوئی گا بجا رہا ہے۔ کوئی کپڑے دھو رہا ہے۔ ہاتھی گھوڑے اِدھر اُدھر چر رہے ہیں۔ اس دستہ نے خیال کیا کہ اگر اصل فوج کو خبر کی گئی تو اس وقت تک طغرل یہاں سے کوچ کر جائے گا اس لئے انہوں نے تلواریں نیام سے نکال لیں اور سیدھے طغرل کے خیمہ میں حملہ کر دیا۔ طغرل یہ ہنگامہ سن کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور بھاگا لیکن دریا عبور کرنے سے پہلے گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ بعد کو اس کے ساتھی بازار لکھنوتی میں نہ تیغ کر دئے گئے۔

بلبن جب اس سے فارغ ہوا تو اس نے اپنے بیٹے بغرا خاں کو بلا کر، یہاں کا گورنر مقرر کیا۔ اور حلف لیا کہ وہ تمام بنگال کو اپنے قبضہ میں

لاکر ہمیشہ اطاعت کرتا رہیگا۔ اس کے بعد اس نے شاہ زادے سے پوچھا "کیا تم نے دیکھا" وہ اس سوال کا مطلب نہ سمجھا۔ دوبارہ پھر یہی پوچھا تو وہ اس مرتبہ بھی خاموش و متحیر رہا۔ تیسرے بار پھر بلبن نے یہی سوال کیا اور اسی کے ساتھ یہ تفصیل بھی بیان کی کہ "تم نے دیکھا جو سزائیں میں نے باغیوں کو دی ہیں۔ اگر کبھی تم نے حکومت دہلی سے انحراف کیا تو یاد رکھو کہ تمہارا حشر بھی وہی ہوگا، جو تم نے ابھی بازار لکھنوتی میں دیکھا" اس تنبیہ کے بعد بلبن تو دہلی واپس چلا آیا اور تقریباً نصف صدی تک بغرا خاں اور اس کی اولاد نے بنگال میں حکومت کی۔

انتقال بلبن کی زندگی اس کے بیٹے محمد کی شہادت سے جو مغلوں کا مقابلہ کر رہا تھا بے لطف ہوگئی تھی۔ اور ہر چند وہ دن بھر انتظام سلطنت میں بغیر کسی اظہار تاثر کے مصروف نظر آتا تھا۔ لیکن رات کو وہ مضطرب ہو جاتا تھا اور آخرکار چار سال کے بعد ہی وہ بھی اس دنیا کو خیرباد کہہ گیا۔

بلبن نے بہ حیثیت شاہ و وزیر، چالیس سال تک حکومت کی یہ نصف صدی کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں بہت عروج و اقبال کا زمانہ سمجھا جاتا ہے ۔۔

معزالدین کیقباد

بلبن نے اپنی اولاد میں جانشین نہ چھوڑا تھا۔ اس کا منشا محمد کو ولی عہد بنانا تھا۔ جب وہ شہید ہوگیا تو اس نے بغرخاں کو طلب کیا لیکن اس نے بنگال کی پُرتعیش زندگی کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔ اس لئے بلبن نے برہم ہوکر محمد کے بیٹے کیخسرو کو نامزد کردیا۔

جب بلبن کا انتقال ہوا تو امراء نے کیخسرو کو نظر انداز کردیا اور بغرخاں کے بیٹے کیقباد کو تخت نشین کردیا۔ یہ ایک اچھے اخلاق کا شاہزادہ تھا لیکن اس کی پرورش اس قدر خلوت میں ہوئی تھی کہ وہ سوائے لطف و تفریح کے کسی اور چیز سے واقف ہی نہ تھا۔ چنانچہ تخت نشین ہوتے ہی اس نے عیش و عشرت کو اپنا مشغلہ قرار دے لیا۔ اور سارا انتظام سلطنت اپنے نائب نظام الدین کے سپرد کردیا۔

نائب السلطنت کے نظام

نظام الدین بے انتہا ہوشیار شخص تھا اس لئے اس نے کیقباد کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاکر خود بادشاہ بن جانے کی تدابیر شروع کیں۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے کیخسرو پر ہاتھ صاف کیا اور اس کے بعد نومسلم مغلوں کا قتل عام کرایا جو دہلی میں آباد تھے۔ اس نے اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ باپ بیٹوں میں بھی کشیدگی پیدا کرادی۔ لیکن بعد کو جب اودھ میں دریائے سرجو پر دونوں کی ملاقات ہوئی تو

معاملہ صاف ہوگیا اور برہمی دور ہوگئی۔[1]

وزیر نظام الدین کا قتل

جب دہلی واپس آیا تو وزیر نظام الدین کو زہر دے کر مروا ڈالا اور اس کے بجائے جلال الدین خلجی گورنر سامانہ وزیر مقرر ہوا۔ حضرت امیر خسرو نے قرآن السعدین میں لکھا ہے کہ جب سلطان کیقباد ۶۸۶ھ میں تخت نشین ہوا تو پانچ ہزار امرا اس کے دربار میں تھے اور ایک لاکھ فوج اس کی حضوری میں رہتی تھی اور اس کی سلطنت بنگال سے دریائے سندھ تک وسیع تھی۔ اس کو علم و ادب کا فطری ذوق تھا لیکن لہو و لعب کی مشغولیت سے وہ سب محو ہوگیا اور اس کا زمانہ بہ اعتبار ترقی علم و ہنر اور حسن انتظام کے بہت ناکامیاب ثابت ہوا۔ سلطان کیقباد غلام خاندان کا آخری فرماں روا تھا"۔

---

[1] حضرت امیر خسرو نے قران السعدین میں اس کشیدگی و ملاقات کا حال بالتفصیل بیان کیا ہے

خاندان خلجی

جلال الدین فیروز شاہ

۶۸۹ - ۶۹۵ھ
۱۲۹۰ - ۱۲۹۵ء

سلطان کیقباد کے بعد سلطنت خلجی خاندان میں منتقل ہوئی اس خاندان میں کل چھ فرمانروا ہوئے۔ اولین فرمانروا جلال الدین تھا۔ اور آخری ناصر الدین خسرو شاہ۔ جلال الدین فیروز شاہ کی تاریخ اورنگ نشینی امیر خسرو نے مفتاح الفتوح میں ۶۸۹ھ تحریر کی ہے اور یہی تاریخ زیادہ قابل اعتبار ہے۔

جلال الدین فیروز شاہ جب تخت نشین ہوا تو بے حد ضعیف تھا۔ عمر ستر سال کی تھی۔ بادشاہ ہوتے ہی چھتر شاہی کا رنگ سرخ تھا اسکے بجائے سفید کیا گیا۔ اور بلبنی خاندان کے ساتھ مسلوک ہوا۔ بلکہ بلبن کے برادرزادہ ملک چھجو کو کڑہ کی ولایت سپرد کی۔ رعایا کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا جس سے عوام وخواص سب اس کی طرف مائل ہو گئے اور قصر کیلو کہڑہ میں جا کر اس کی معیت کی غرضکہ حکومت سنبھالنے کے بعد جلال الدین نے تمام ان عمارات کو جو ناتمام تھیں مکمل کرایا۔ ایک باغ نصب کرا کے اس کے چاروں طرف سنگین حصار کرا دیا۔ مسجد و یادگار کی طرح

ڈالی۔ اُمراء کو تاکید کی کہ وہاں اپنے مکانات تعمیر کرائیں۔ اور رفتہ رفتہ پرانی دہلی بگڑ کر نئی دہلی قائم ہو گئی۔ اور بادشاہ نے مستقلاً یہیں سکونت اختیار کر لی۔

سلطان جلال الدین بڑا خدا ترس، رحم دل اور خطا پوش بادشاہ تھا۔ اس نے کبھی خونریزی کو روا نہیں رکھا اور بڑے بڑے مجرموں کی خطائیں درگزر کر دیں۔

جلال الدین کی سلامت طبع

جب جلال الدین پرانی دہلی گیا اور قصر کے پاس اترا تو اس نے نماز شکرانہ ادا کی اور با آواز بلند کہا کہ میں کیونکر خدا کا شکر ادا کر سکتا ہوں کہ جس تخت کے سامنے میں نے برسوں سر جھکایا ہے اس پر آج اپنا قدم رکھتا ہوں اس کے بعد وہ کوشک محل میں جو غیاث الدین بلبن کا محل خاص تھا گیا اور وہاں پہونچتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا۔ ملک احمد جبیب نے عرض کیا کہ "سواری سے اترنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ یہ قصر بھی بادشاہ کی ملکیت ہے"۔ جلال الدین نے کہا کہ "یہ میرے آقائے ولی نعمت کا قصر ہے اور مجھ پر تعظیم فرض ہے"۔ پھر ملک جبیب احمد نے کہا کہ "بادشاہ کو یہیں سکونت اختیار کرنی چاہیئے"۔ جلال الدین نے جواب دیا کہ "اس عمارت کو شاہ بلبن نے اپنی سرداری کے عہد میں تعمیر کرایا ہے اس لئے یہ اس کے ورثاء کی ملکیت ہے میں صرف عارضی مصلحت کی وجہ سے قواعدِ اسلام کو ترک نہیں کر سکتا"۔ جب کوشک محل کے اندر

جلال الدین پہونچا تو وہ اس جگہ نہیں بیٹھا جہاں شاہ بلبن بیٹھا کرتا تھا بلکہ امراء کی نشست میں جلوس فرما کر حاضرین سے کہا کہ ایتمر کچھن اور ایتمر سرخہ کا گھر تباہ ہو کہ انہوں نے میرے مار ڈالنے کا قصد کیا اور میں اپنی جان کے اندیشہ سے اس گناہ کا مرتکب ہوا ورنہ کہاں پادشاہی اور کہاں میں دیکھئے مآل کار کیا ہوتا ہے اور میری اولاد پر کیا گزرتی ہے۔"

حلم وکرم جلال الدین بے انتہا حلیم وکریم تھا جب وہ کسی کو جاگیر دیتا تو کبھی اس میں تغیر نہ کرتا اور امراء و مقربین سے اگر کوئی جرم سرزد ہوتا تو بھی انہیں ذلیل نہ کرتا۔ وہ امراء کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتا اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ ان سے ملتا۔

علم پروری وہ علم دوست بھی اسی درجہ کا تھا، حضرت امیر خسرو، تاج الدین عراقی، خواجہ حسن، موید جاجرمی، موید دیوانہ امیر ارسلان کلاہی وغیرہ جو اپنے عہد کے بڑے فاضل و کامل لوگ تھے، جلال الدین کے ندیم تھے، امیر خاصہ، حمید راجہ غزل خوانان دربار میں سے تھے، اور محمد شاہ چنگی، فتوخاں، نصیر خاں اور بھرور جو موسیقی کے بے بدل ماہر تھے اس کے مطرب تھے، امیر خسرو روز اس کی مجلس میں کوئی نہ کوئی نئی غزل پڑھتے اور شاہانہ انعامات کی بارش ان پر ہوتی، جب جلال الدین عہدۂ میر جامداری سے ترقی پا کر عارض ممالک کے درجہ پر پہونچا تو اسی وقت امیر خسرو کو اپنے پاس بلا لیا، اور سپید جامہ و کمر بند عنایت کر کے جو امراء کبار کے لئے مخصوص تھا، ان کو مصحف داری کی

خدمت سپرد کر دی، اور بہت بڑا منصب مقرر کر دیا جب بادشاہ ہوا تو یہ التفات اور زیادہ بڑھ گیا، اور دہلی کے شاہی کتب خانہ کا اہتمام امیر خسرو کے سپرد کر دیا[1]

جلال الدین کی شاعری

جلال الدین خود بھی شعر کہتا تھا چنانچہ بدایونی نے اس کے یہ دو شعر نقل کئے ہیں:-

آں زلفِ پریشانت ژولیدہ نمی خواہم
واں روئے چو گلنارت تفسیدہ نمی خواہم
بے پیرہنت خواہم یک شب بہ کنارائی
ہاں بانگ بلند است ایں پوشیدہ نمی خواہم

اسی طرح جب وہ محاصرۂ گوالیار میں مصروف تھا تو وہاں اس نے ایک عمارتِ مقبرہ تیار کرائی اور یہ رباعی تصنیف کی تاکہ بطور کتبہ کے وہاں درج کی جائے:-

مارا کہ قدم بر سر گردوں ساید
از تودۂ سنگ و گل چہ قدر افزاید
ایں سنگ شکستہ زاں نہادیم درست
باشد کہ دل شکستۂ آساید

باغیوں کے ساتھ سلوک

غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو نے ولایت کڑہ میں سلطان مغیث الدین کا لقب اختیار کر کے اپنے نام کا سکّہ اور خطبہ جاری کر دیا اور ایک عظیم

[1] فرشتہ صفحہ ۹۰ و طبقات اکبری صفحہ ۶۱

لشکر لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جب یہ خبر شاہ جلال الدین خلجی کو پہونچی تو اس نے اپنے بیٹے ارکلی خاں کو ہراول بنا کر آگے روانہ کیا، اور خود بارہ کوس کے فاصلہ سے عقب میں روانہ ہوا، ارکلی خاں اور چھجو کا مقابلہ ہوا جس میں چھجو کو شکست ہوئی۔ ارکلی خاں نے امیر علی میر جاندار اور دوسرے باغی امرار کو قید کر کے ان کی گردن میں دوشاخہ ڈال کر اونٹوں پر سوار کر دیا اور اپنے باپ کے پاس اسی حال میں روانہ کیا۔ جب یہ لوگ بادشاہ کے پاس پہونچے تو اس نے فوراً اپنی آنکھوں پر رومال ڈال لیا اور بے اختیار ہو کر چیخ پڑا کہ "یہ کیا ہے؟ فوراً ان لوگوں کو اتارو اور حمام میں لے جاؤ"۔ جب یہ لوگ نہا چکے تو خاص خلعتیں عطا ہوئیں اور دربار میں بلا کر حد درجہ نرمی و محبت سے ان کے ساتھ پیش آیا۔ اس کے اس طرز عمل سے یہ لوگ سخت منفعل ہوئے لیکن بادشاہ اس کو بھی گوارہ نہ کر سکا اور کہا کہ آپ لوگوں نے مجھ سے بغاوت کر کے کوئی نمک حرامی نہیں کی۔ کیونکہ میں تمہارا بادشاہ نہ تھا کہ مجھ سے مخالفت نمک حرامی ہوتی بلکہ تم نے اپنے ولی نعمت کی طرفداری کی اور یہ تمہارا فرض تھا"۔

خوں ریزی سے احتراز

انفاق سے چند دن بعد چھجو کو بھی کسی زمیندار نے گرفتار کر کے پیش کر دیا بادشاہ نے اس کی بڑی عزت کی اور ملتان بھیج کر وہاں کے حاکم کو لکھا کہ شاہ بلبن کے برادر زادہ کو نہایت دلجوئی سے رکھا جائے، اور اس

کے لئے تمام سامان عیش و تفریح کا مہیا کیا جائے"۔ لوگوں نے کہا کہ
دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک مناسب نہیں ہے ان کو قتل کر دینا چاہیئے
لیکن سلطان جلال الدین نے کہا کہ "میں ضعیف ہو گیا ہوں اور اسوقت
تک میں نے کسی کا خون نہیں بہایا۔ اب وقت آخر میں مجھے اس پر مجبور
نہ کرو"

اس واقعہ کو ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں نہایت
تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "خود حضرت امیر خسرو نے اس
واقعہ کی روایت اس سے کی تھی"[۵]

نرمی و آشتی پسندی

سلطان جلال الدین کی نرمی و آشتی پسندی
سے بعض مفسد مزاج خلجی باہم تھے اور
نشۂ شراب کے وقت بسا اوقات کہ گذرتے تھے کہ "ایسے بادشاہ کو قتل
کر ڈالنا چاہیئے" سلطان جلال الدین کو یہ خبریں ملتی تھیں تو وہ ہمیشہ
یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ "شراب کے نشہ میں انسان ایسی ہی فضول باتیں بکا
کرتا ہے ان پر اعتنا نہ کرنا چاہیئے"

جب سلطان کا رحم و کرم اس حد تک بڑھ گیا تو ایک دن ملک
تاج الدین کوچی کے مکان پر یہ لوگ جمع ہوئے۔ اور نشہ کی حالت میں
یہ فیصلہ کیا کہ "ملک تاج الدین بادشاہ ہونے کے قابل ہے" ایک نے
کہا کہ "میں اس نیم شکاری (چاقو) سے جلال الدین کا فیصلہ کئے دیتا ہوں"

---

[۵] فرشتہ صفحہ ۹۱ طبقات اکبری صفحہ ۵۸

دوسرے نے کہاکہ "ابھی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دونگا" بادشاہ کو اس کی خبر ہوئی تو سب کو طلب کیا۔ اور برہم ہوکر ایک تلوار ان لوگوں کے سامنے ڈال دی اور کہاکہ "اگر تم میں کوئی مرد ہے تو اسی وقت نکل آئے اور مجھ سے مردانہ فیصلہ کرلے۔ ورنہ یوں فضول مزخرفات بکنے سے کیا فائدہ ہے" سب لوگ نادم و منفعل کھڑے تھے، اور بادشاہ کا غصہ بڑھ رہا تھا، آخر ملک ناصر "دوات مار" نے جو بادشاہ کا ندیم تھا، اور خود بھی اس سازش کرنے والی جماعت میں شریک تھا عرض کیاکہ "جہاں پناہ کو معلوم ہے کہ نشہ کی حالت میں انسان کے منھ سے ایسی ہی فضول باتیں نکل جاتی ہیں۔ اور اگر بادشاہ مواخذہ کرے گا تو ہم لوگوں کے لئے مفر کہاں ہے، سلطان جلال الدین کا غصہ اس الحاح سے فرو ہوگیا، اور کسی کو معمولی تنبیہ بھی نہیں کی[1]

عفو و کرم کی مثال غیاث الدین بلبن کے عہد میں جب جلال الدین نائب سمانہ اور سرجاندار تھا، تو صوبہ کینتھل اس کی حکومت میں تھا، اس نے مولانا جلال الدین سے جو شعرائے عصر میں سے تھے، اور جن کے پاس ایک گاؤں مدد معاش میں بطور جاگیر یا وظیفہ کے تھا، حسب قاعدہ خراج طلب کیا۔ مولانا نے برہم ہو کر جلال الدین کی ہجو میں ایک مثنوی لکھی، اور اس کا نام خلجی نامہ رکھا، جب جلال الدین بادشاہ ہوا تو یہ ڈرے اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ۶۰

گناہ گاروں کی طرح دربار میں حاضر ہوئے لیکن سلطان جلال الدین نے نہایت عزت سے ان کی پذیرائی کی اور خلعت فاخرہ اور انعامات سے سرفراز کر کے اس گاؤں کے علاوہ ایک گاؤں اور جاگیر میں دیا۔[1]

اس سے زیادہ دلچسپ اور واقعہ ہے، جس زمانہ میں جلال الدین نائب سمانہ اور منڈاہروں کے دیہات پر تاخت میں مصروف تھا تو ایک منڈاہر نے اس کے چہرے پر آ کر تلوار ماری اور ایسا سخت زخمی کیا کہ جلال الدین ایک سال تک بیمار رہا۔ اور زخم کا نشان آخری عمر تک نہ گیا۔ جب جلال الدین بادشاہ ہوا تو یہ منڈاہر بھی مولانا جلال الدین کی طرح گلے میں رسی ڈال کر حاضر ہوا۔ سلطان نے اس کو دیکھ کر کہا "میں نے اس منڈاہر جیسا کوئی مرد نہیں دیکھا" اور علاوہ خلعت وغیرہ کے ایک لاکھ جیتل کا وظیفہ مقرر کیا۔"

سلطان جلال الدین نے چونکہ مغلوں کے مقابلہ میں متعدد بار جنگ کی اور کامیابی بھی حاصل کی اس لئے اس کے ذہن میں آیا کہ اسے مجاہد فی سبیل اللہ کہا جائے تو نا موزوں نہ ہوگا، اس لئے اس نے اپنی بیوی ملکہ جہاں سے کہا کہ:-

"جب قضاۃ و علماء اس کے پاس آئیں تو وہ اپنی طرف سے اس کی تحریک کرے۔" چنانچہ ملکہ جہاں نے ان لوگوں سے تحریک کی اور سب نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کہنا نہ صرف

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۱۸۳

جائز بلکہ واجب ہے، اور جلال الدین کے حضور میں جا کر درخواست پیش کی کہ "آئندہ سے خطبہ میں سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کے لقب سے یاد کرنے کی اجازت دی جائے" سلطان جلال الدین یہ سن کر کانپ گیا، اور آبدیدہ ہو کر کہا کہ "میں نے ملکہ جہاں کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ لوگوں سے اس کی تحریک کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری یہ تمام جبر وآزمائیاں محض دنیاوی غرض اور ہوس جاہ کی بنا پر تھیں اور جہاد مقصود نہ تھا، اس لئے میں اس کا اہل نہیں ہوں، اور ہرگز اس لقب کو اختیار نہیں کر سکتا۔

امن پسندی

جب سلطان جلال الدین نے ۶۸۹ھ میں جھائین اور مالوہ فتح کر کے قلعہ تنبھور کا محاصرہ کیا اور تمام مناجیق وغیرہ نصب کرا دیں تو اس کو صرف اس وجہ سے انجام تک نہ پہونچا سکا کہ اس میں زیادہ خونریزی ہوتی اور یہ اسے پسند نہ تھا۔

جلال الدین کے عہد میں سیدی مولا کے قتل کا واقعہ ایک ایسا ہے جس میں مورخین اسے قابلِ الزام اور اس کی فطری نرمی کے خلاف خیال کرتے ہیں لیکن اگر منصفانہ نگاہ سے غور کیا جائے تو نہ سیدی مولا کا قتل نامناسب فعل قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ جلال الدین کے رحم و لطف پر کوئی الزام اس سے عاید ہوتا ہے۔ تمام مورخین نے اس واقعہ کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم بھی یہاں مختصر الفاظ میں اس کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

سید مولا کا قتل

سیدی مولا ایک درویش تھا جو "ولایت ملک بالا" سے عہد بلبن میں دہلی آیا تھا۔ ملحقات شیخ عین الدین بیجاپوری میں لکھا ہے کہ "یہ جرجان سے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کی زیارت کو ہندوستان آیا تھا اور حضرت شکر گنج کی اجازت سے عہد بلبن میں دہلی آیا تھا۔ یہ ایک بزرگ صورت صوفی منش تھے۔ بہت جلد ان کی شہرت عام ہو گئی۔ اور تمام امراء، خوانین و ملوک اس کے پاس آنے جانے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کسی سے ایک پیسہ نہیں لیتا تھا لیکن اس کے مصارف شاہانہ تھے اور اسی وجہ سے لوگ زیادہ معتقد ہو گئے تھے۔ اس نے زر کثیر صرف کر کے ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور نہایت فراخدلی کے ساتھ لنگر جاری کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے مطبخ میں روزانہ ایک ہزار من میدہ، دو سو من قند، دو سو من شکر، پانسو من گوشت، اور اسی قدر گھی کا صرف تھا۔ علاوہ اس کے وہ نہایت دریادلی سے ایک ایک شخص کو تین تین ہزار اشرفیاں انعام میں دیا کرتا تھا۔ الغرض اس کی زندگی ایک معمہ تھی اور مخلوق نے ہر طرف سے اس کو گھیر رکھا تھا۔ جب سلطان جلال الدین کا زمانہ آیا تو بھی اس کی یہی حالت تھی۔ اور تمام امراء وغیرہ وہاں حاضری دیا کرتے تھے ان ہی لوگوں میں ایک شخص قاضی جلال الدین کاشانی بھی تھا۔ یہ شخص بڑا مفسد تھا اور اس نے آہستہ آہستہ اپنا اقتدار قائم کر کے سیدی مولا کے دل میں سلطنت کی ہوس پیدا کر دی اور اب خانقاہ سلطان

جلال الدین کے خلاف سازش کا مرکز ہو گئی۔ چند دن بعد سازش مکمل ہو گئی۔ اور یہ قرار پایا کہ آئندہ جمعہ کو جب بادشاہ نماز کے لئے باہر نکلے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ اور سیدی مولا کے دس ہزار مرید جمع ہو کر اپنے پیر کو تخت پر بٹھا دیں۔ اتفاق سے ایک شخص اس سازش میں ایسا بھی تھا جو سلطان جلال الدین کا بہی خواہ تھا۔ اس لئے وہ فوراً بادشاہ کے پاس گیا۔ اور تمام حالات مفصل عرض کر دئے۔ بادشاہ نے ان سب کو طلب کر کے دریافت کیا تو سب نے انکار کر دیا۔ اور تحقیقات سے بھی کوئی شہادت ایسی فراہم نہ ہو سکی جو جرم کو ثابت کر دیتی۔ لیکن چونکہ دیگر ذرائع سے اس سازش کا پایا جانا یقینی طور سے ثابت ہو چکا تھا۔ اسلئے قاضی جلال الدین کاشانی کو بدایوں عہدۂ قضاء پر بھیجدیا گیا۔ اور دیگر امراء کو جو سازش میں شریک تھے خارج البلد کرا دیا۔ بعدۂ سیدی مولا دست بستہ قصر کے سامنے لایا گیا۔ بادشاہ اسوقت کوٹھے پر بیٹھا تھا بادشاہ نے مولا سے گفتگو کی اس وقت شیخ ابوبکر بھی جو جلال الدین کا بے انتہا ممنون تھا، اپنے چند مریدوں کے ساتھ یہاں موجود تھا، اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "دیکھو سیدی مولا نے مجھ پر کیسا ظلم کیا ہے۔ کچھ تمہیں انصاف کرو۔" یہ سنتے ہی طوسی کے ایک مرید نے سیدی مولا پر حملہ کیا اور استرہ سے اس کو کئی جگہ زخمی کیا، قبل اس کے کہ سلطان کوئی آخری فیصلہ کرتا شاہزادہ ارکلی خاں نے وہیں بالاخانہ سے ایک فیل بان کو اشارہ کیا اور اس نے دفعتہً اپنے ہاتھی سے سیدی مولا

کو کچل دیا[۱]

جلال الدین کو سازش کا حال بر محل نہ معلوم ہو جاتا تو نتیجہ یہی ہوتا کہ جلال الدین قتل کر دیا جاتا اور سلطنت اگر سید ی مولا کو نہ ملتی تو بھی ملک میں نقض امن اور فساد تو ضرور ہی ہو جاتا۔

حسن اتفاق اس دن آندھی آئی اور اس سال قحط پڑا عوام یہ سمجھے کہ سید مولا کے قتل کی وجہ سے یہ صورتیں پیش آئیں مگر یہ باتیں بے خبر و بے فیض ہیں۔

صفات سلطان جلال الدین اپنی صفات کے لحاظ سے عجیب و غریب بادشاہ تھا اور اس کی زندگی کا کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جو اس کے فطری رحم و رافت کے منافی ہو۔

علاؤالدین کی سرکشی ۶۹۰ھ؁ ۱۲۹۱ء میں جب چھجو نے بغاوت کی تو حکومت کڑہ علاؤالدین کے سپرد کی گئی جو جلال الدین کا بھتیجہ بھی تھا اور داماد بھی۔ یہ بڑے عزم کا شخص تھا اور چاہتا تھا کہ اپنے مقبوضات کو بہت زیادہ وسیع کر لے، چنانچہ اس نے چند دن بعد بھلسہ پر لشکر کشی کی اجازت بادشاہ سے طلب کی اور وہاں سے بہت سا مال غنیمت حاصل کر کے دہلی آیا بادشاہ بہت خوش ہوا اور اقطاع کڑہ کے ساتھ اقطاع اودھ کا بھی اضافہ اس کی حکومت میں کر دیا۔ علاؤالدین نے بادشاہ سے چندیری پر تاخت کی اجازت

---

[۱] فرشتہ صفحہ ۹۳۔ تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۱۶ – ۱۷۔

طلب کی اور وہ بھی اس کو دی گئی چنانچہ یہ کڑہ واپس آیا اور ایک کثیر فوج کے ساتھ روانہ ہوا حقیقت یہ ہے کہ چندیری کا صرف ایک بہانہ تھا۔ مقصود اس کا دکن کی طرف جانے کا تھا تاکہ وہاں اپنی حکومت مستقلاً قائم کرے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ساس ملکہ جہاں آرا اور اپنی بی بی سے آزردہ تھا اس لئے کہیں دور جگہ رہنا چاہتا تھا لیکن واقعہ یہی ہے کہ اس کا حوصلہ موجود خدمات کے لحاظ سے بہت زیادہ بلند تھا اور وہ جلال الدین شاہ کی محبت و کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ایک خود مختارانہ فرمانروا کی حیثیت پیدا کرنے کا آرزومند تھا۔

کڑہ میں اس نے کسی سے یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور سیدھا ایلچ پور پہونچا اور ۶۹۳ھ ؁ ۱۲۹۴ء میں یہاں سے چل کر دیوگیر فتح کیا اور بہت سا مال غنیمت لیکر خاندیس ہوتا ہوا مالوہ کا رخ کیا اور یہاں سے کڑہ پہونچا۔

سلطان جلال الدین اس وقت گوالیار کے قریب شکار میں مصروف تھا کہ اسے بھی یہ خبر معلوم ہوئی۔ چونکہ وہ علاؤالدین کی طرف سے مشتبہ ہو گیا تھا۔ اس لئے امرا سے رائے طلب کی کہ کیا کرنا چاہئے بعض نے یہ رائے دی کہ بادشاہ کو چندیری پہونچکر ڈیرے ڈال دینا چاہئے تاکہ جب علاؤالدین اس طرف سے گزرے تو مجبوراً اسے حاضر ہو کر سارا مال غنیمت پیش کر دینا چاہئے۔ ورنہ ممکن ہے کہ کثرتِ دولت سے اس کا دماغ منحرف ہو جائے اور سرکشی اختیار کرلے، بادشاہ کو یہ رائے پسند

نہیں آئی اور دہلی واپس آگیا

چند دن بعد علاؤالدین کی عرضداشت کڑہ سے پہونچی کہ میں تمام مال غنیمت پیش کرنے کے لئے آمادہ ہوں، لیکن اس خیال سے کہ میں ایک سال سے حاضر نہیں ہوا اور ممکن ہے کہ میرے دشمنوں نے بادشاہ کو بدظن کر دیا ہو۔ اس لئے آتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ اگر عفو و تقصیر کا فرمان خط مبارک سے لکھ کر بھیجدیا جائے تو میں حاضر ہوتا ہوں۔ اس کے ساتھ علاؤالدین نے لکھنوتی جانے کی تیاریاں شروع کر دیں کہ اگر بادشاہ مع لشکر کے آئے گا تو وہ لکھنوتی پہونچ کر وہاں اپنی حکومت قائم کریگا۔

جب علاؤالدین نے بادشاہ کو یہ عرضداشت روانہ کی تو ایک خط اپنے بھائی الماس بیگ کے پاس بھی روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ بادشاہ میری جان کا مالک ہے اور رنجش نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ اگر واقعی وہ میرے خون کا پیاسا ہی ہے تو مجھے مطلع کرو تاکہ میں زہر کھا کر مر جاؤں یا کسی طرف نکل جاؤں۔ لیکن یہ خط صرف بادشاہ کے دکھلانے کا تھا خفیہ طور سے اس نے اپنے بھائی کو لکھ بھیجا تھا کہ اس خط کو دکھا کر بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ بغیر لشکر کے کڑہ چلا آئے۔

چنانچہ الماس بیگ نے ایسے رنگ میں اس کا معاملہ پیش کیا کہ جلال الدین تنہا کڑہ جانے پر راضی ہو گیا۔ اور الماس بیگ کو پہلے روانہ کر دیا اور ایک ہزار سوار لے کر کیلوگڑھی سے روانہ ہوا جب گنگا پر پہونچا تو خشکی کا سفر چھوڑ کر دریا کا سفر اختیار کیا۔ اور ۱۷ رمضان ۶۹۵ھ ۱۲۹۶ء کو

کڑہ پہونچا۔

جلال الدین کا قتل

علاؤالدین نے الماس بیگ کو بادشاہ کے پاس بھیجا تاکہ تنہا بادشاہ کو کشتی میں بیٹھا کر لے آئے اور فوج ہمراہ نہ آسکے چنانچہ الماس بیگ اس میں کامیاب ہوا اور عین اوس وقت جبکہ آفتاب غروب ہو رہا تھا اور بادشاہ ساحل پر اُتر کر علاءالدین کے ساتھ حد درجہ محبت سے گفتگو کر رہا تھا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

سلطان جلال الدین خلجی نے سات سال اور چند ماہ تک حکومت کی[1]۔

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ شمس العلماء ذکاء اللہ دہلوی

سُلطان علاؤالدین خلجیؒ

۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء تا ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء

علاؤالدین اپنے چچا جلال الدین خلجیؒ کے عہد میں اس کی طرف سے کڑہ مانک پور کا حاکم تھا ۶۹۴ھ ۱۲۹۴ء میں تخت نشین ہونے کے کچھ سال قبل اس نے مالوہ اور بندیلکھنڈ کی بغاوتوں کو ختم کیا اور کوہستان وندھیا کے دشوار گزار دروں کو طے کیا اور ... نفوس کو لے کر دیوگڑھ پہونچا اور اس کو فتح کر لیا پھر دکن کی طرف بڑھ کر ایلچ پور پر قبضہ کیا ان فتوحات سے علاؤالدین نے بے شمار دولت پائی۔ دکن پر یہ مسلمانوں کا پہلا اقدام تھا۔ تاریخ اسلام کا یہ ناگوار واقعہ ہے کہ علاؤالدین نے اپنے چچا اور خسر سلطان جلال الدین کو قتل کرا کے سلطنت دہلی حاصل کی جو تاریخ اسلام کا بدترین داغ کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہ فعل اسلام کے خلاف تھا۔ لیکن حیرت ہے کہ وہی شخص

لہ جلال الدین کے قتل کی خبر اس کی بیوی ملکہ جہاں کو ملی تو اس نے اپنے چھوٹے بیٹے قدر خاں ابراہیم کو رکن الدین کا خطاب دے کر تخت نشین کیا۔ بڑے بیٹے ارکلی خاں کا انتظار نہیں کیا وہ ملتان میں تھا وہ برہم ہوگیا۔ رکن الدین علاؤالدین کی آمد تک دلی کا حکمران رہا۔

ے تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۲۶ تا ۷۵

جس نے اپنی سلطنت کی ابتدا سفاکی سے کی ہو۔ باعتبار نظم ونسق، بہ لحاظ فتوحات، بہ حیثیت دولت و اقبال ایسا کامیاب حکمران ثابت ہوا کہ تاریخ میں جس کی نمایاں حیثیت ہے۔

علاؤالدین کی بیدار مغزی یہ صحیح ہے کہ علاؤالدین ظالم و سفاک تھا، جاہل و ناشائستہ تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ بے انتہا بیدار مغز اور مستقل ارادہ کا شخص تھا۔

سلطنت کی رونق علاؤالدین نے بیس سال تک حکومت کی اور اس زمانہ میں سلطنت دہلی کے حدود دکن تک وسیع ہو گئے، بڑے بڑے راجاؤں نے سر اطاعت خم کر دیا۔ دولت کی کوئی انتہا نہ رہی، سینکڑوں عمارتیں بن گئیں۔ علماء و فضلاء سرزمین دہلی میں پیدا ہونے لگے۔ خانقاہیں آباد ہو گئیں، مساجد کی رونق بڑھ گئی، مدارس میں درس و تدریس کا مشغلہ عام ہو گیا۔ بڑے بڑے صاحبانِ دل اصفیاء و ارباب ذوق مشائخ رونما ہو گئے، دربار اساتذۂ فن کا مرکز بن گیا۔ ارزانی حیرت انگیز طریقہ تک بڑھ گئی، اور سلطنت ایسی نظر آنے لگی کہ اس سے پہلے جس کی نظیر نہ تھی۔ یہ تھا نظام حکومت اس مسلمان بادشاہ کے عہد کا جس کا شمار حد درجہ کے ظالم لوگوں میں کیا جاتا ہے۔

داد و دہش جب علاؤالدین کڑہ سے دہلی کی طرف تخت نشین ہونے

کے لئے چلا تو اس نے حکم دیا کہ آزادی کے ساتھ روپیہ تقسیم کیا جائے اس سے مقصود یہ تھا کہ دہلی پہونچتے پہونچتے ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ شریک ہوجائے، چونکہ جلال الدین کے قتل سے لوگوں میں برہمی پیدا ہوگئی تھی، اور یہ بھی خیال تھا کہ شاید دہلی میں جنگ کرنی پڑے، اس لئے اس نے اس ذریعہ سے لوگوں کو مالوف کرنا چاہا اور ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ کرلی، ضیاء برنی لکھتا ہے کہ :-

"ہر منزل پر پانچ من وزن ستارے (اختر زر) ایک سبک سی منجنیق میں رکھ کر اڑائے جاتے تھے - اور ہزاروں آدمی ان کے لوٹنے کے لئے جمع ہوجاتے تھے"

تخت نشینی اسی طرح جب بعض امراء و خوانین دہلی سے علاؤالدین کے روکنے کے لئے روانہ کئے گئے تو علاؤالدین نے ان سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ دولت کے زور سے اُن کا مقابلہ کیا، اور اس طرح سلطان جلال الدین (مرحوم) کی تمام فوج کو اپنا طرفدار بنا لیا۔ حسب روایت تاریخ علائی[1] ۲۲ ذی الحجہ ۶۹۵ھ کو اور حسب روایت بیان تاریخ وصاف ذی قعدہ ۶۹۵ھ میں علاؤالدین دہلی پہونچا جہاں وہ دوبارہ (صحیح معنٰی میں) تخت نشین ہوا۔

علاؤالدین نے عنان حکمرانی ہاتھ میں لے کر خاندان و امرائے جلالی میں سے ان لوگوں کو جن کی طرف سے ادعائے حکومت و تحریک

---

[1] تاریخ علائی کا نام خزائن الفتوح ہے جو امیر خسرو کی تصنیف ہے۔

بغاوت کا شبہ ہو سکتا تھا نہ تیغ کرا دیا۔ دوسری طرف دولت تقسیم کرنی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی طرف سے برہمی ختم ہو گئی۔ لوگ رام ہو گئے اور اس کے طرفدار بن گئے۔ جس میں ضیاء برنی کے چچا اور باپ بھی تھے۔ برنی کے چچا ملک علاء الملک کو ولایت کڑہ سپرد کیا گیا اس کے باپ موئد الملک کو قصبہ برن کی نیابت و خواجگی مرحمت کی۔[1]

عزم و ثبات

سلطان علاؤ الدین بے انتہا سخت اور ظالم ہونے کی حد تک سخت گیر تھا لیکن وہ ایک بے مثل سپاہی اور بڑے زبردست عزم کا بادشاہ تھا۔ جس وقت علاؤ الدین کو معلوم ہوا کہ قتلغ خواجہ پسر دوا خاں (ماوراء النہر کا بادشاہ) دو لاکھ مغلوں کی جمعیتہ سے دریائے سندھ کو عبور کر چکا ہے۔ اور اب تسخیر دہلی کے لئے چلا آ رہا ہے اور اس فتنہ مغل سے خائف ہو کر ہزاروں آدمی قریب و جوار کے بھاگ بھاگ کر روزانہ دہلی میں پہونچ رہے تھے۔ گلیوں، بازاروں، مسجدوں اور محلات میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو ان پناہ گزینوں سے نہ بھر گئی ہو۔ غلہ اور تمام اشیاء سخت گراں ہو گئی تھیں۔ چنانچہ علاؤ الدین نے امراء کو جمع کر کے سب کی رائے طلب کی۔ چونکہ دہلی کی حالت اس وقت ایسی نہ تھی کہ مغلوں کی مدافعت آسانی سے ہو سکتی۔ اس لئے اکثر امراء نے یہی رائے دی کہ جہاں تک ممکن ہو صلح و آشتی سے کام لے کر اس فتنہ کو دفع کر دینا چاہئے علاؤ الدین نے یہ سن کر کہا کہ :-

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ٦٨

"جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ صحیح ہے لیکن یہ بتائیے کہ میں دنیا کو اپنی صورت کیونکر دکھا سکوں گا۔ کیا منہ لے کر گھر میں جاؤں گا اور میں کیا سلطنت کروں گا۔ نتیجہ جو کچھ ہو میں ان مغلوں سے جنگ کروں گا۔"

چنانچہ اس نے الغ خاں اور ظفر خاں کو سپاہ بیکراں کے ساتھ روانہ کیا اور شہر کا مناسب انتظام کیا۔

مغلوں کی شکست

علائی فوج نے لاہور کے حدود میدان کیلی میں مغلوں سے ایسا مردانہ مقابلہ کیا کہ تاریخ میں اس کی دوسری نظیر مشکل سے مل سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں کو سخت شکست ہوئی اور علاؤالدین تاجِ فتحمندی سر پر رکھے ہوئے دلی واپس آیا۔ اور اپنے نام کے خطبہ میں اور سکوں میں سکندر ثانی کا لقب اضافہ کیا۔[1]

مشاورت فی الامر

سلطان علاؤالدین خودسر بادشاہ ہونے ہوئے ہمیشہ تمام امور ملکی میں اپنے امراء سے مشورہ طلب کرتا تھا اور ایک صائب رائے کے مقابلہ میں اپنے بڑے سے بڑے ارادہ کو ترک کر دیتا تھا۔

نئے مسلک کے اجزا اور فتح عالم کا خیال

سلطان علاؤالدین نے دو سال کے اندر تمام خطرات کو دفع کر دیا اور مسلسل کامیابیوں اور فتوحات نے اس کے حدود سلطنت کو بہت زیادہ وسیع کر دیا اور گجرات وغیرہ پر قابض ہو کر تمام

---

[1] بدایونی ۱۸۴، فرشتہ ۱۰۳-۱۰۴۔ طبقات اکبری ۷۰

امور سلطنت اس کی مرضی کے مطابق طے ہو گئے تو اس میں اپنی عظمت و جبروت کا پندار پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ایک دن سوچا کہ جس طرح نبی آخر الزماں نے اپنے چار اصحاب کی مدد سے ایک دین و شریعت کو رواج دیا۔ اسی طرح اگر میں بھی اپنے چار یار (الماس بیگ الغ خاں، ملک ہزبر الدین ظفر خاں ملک نصرت خاں، سنجر الپ خاں) کی مدد سے کوئی شریعت قائم کروں تو میرا نام قیامت تک قائم رہے گا۔ اسی کے ساتھ دوسرا خیال اس نے یہ قائم کیا کہ جس طرح سکندر رومی نے کشور کشائی اور ملک گیری میں شہرت حاصل کی اسی طرح میں بھی خراساں و ماوراء النہر وغیرہ پر قبضہ کر کے تمام عراق و فارس و عجم و شام و فرنگستان و حبش وغیرہ کو مفتوح کروں اور اپنی شریعت کو رواج دوں۔

جب وہ نشہ کی حالت میں ہوتا تو اکثر اس مسئلہ پر بحث کرتا۔ اور اس کے امراء و ندیم خوف کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکتے۔ ایک دن علاء الملک کوتوال کے سامنے بھی یہی ذکر ہوا۔ اس نے جرأت سے کام لیکر علاءالدین کو سمجھایا کہ منصب نبوت خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ اور چونکہ اب سلسلہ نبوت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ خیال قائم کرنا سخت نادانی اور خلاف انصاف ہے۔ رہا سکندر کی طرح عزم جہاں کشائی کرنا، سو اس کے لئے دیکھ لیجئے کہ آپ کے پاس کوئی وزیر ارسطاطالیس کی طرح ہے جو آپ کی غیبت میں انتظام سلطنت کو درہم و برہم نہ ہونے دے۔" یہ سن کر علاؤالدین نے کہا کہ پھر اب میں کیا کروں، یہ تمام خزائن و دفائن

کس کام میں لائے جائیں؟ علاؤ الملک نے کہا کہ ابھی تو ہندوستان کا سارا جنوبی حصہ تسخیر کے لئے پڑا ہوا ہے۔ ارتنبھور، چندیری، چتوڑ، مالوہ، دھار، اجین فتح کیجئے۔ علاوہ اس کے حدود کابل کا مستحکم کرنا ضروری ہے۔ تاکہ مغلوں کی طرف سے اطمینان کلی حاصل ہو جائے۔"

علاؤ الدین کی حق پسندی

سلطان علاؤ الدین نے یہ سن کر اپنے خیال سے توبہ کی اور اسی وقت علاء الملک کو دس ہزار تنکہ دو آراستہ گھوڑے نہایت قیمتی زرین خلعت طلائی کمر بند جو وزن میں نصف من تھا اور دو گاؤں انعام میں دئے[1]

سلطان علاؤ الدین راست پسندی کے ساتھ اصول سیاست سے بھی کماحقہٗ واقف تھا۔ اور نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے وہ اپنے تمام ذرائع صرف کر دیا کرتا تھا۔ جب وہ قلعہ ارتنبھور کی تسخیر کے لئے آمادہ ہوا اور وہاں توقع سے زیادہ اس کو دیر لگی تو دہلی میں مسلسل تین چار سازشیں اس کے خلاف ہوئیں۔ سب سے پہلے سلیمان شاہ اکت خاں (برادر زادہ علاؤ الدین) نے سازش کی۔ اور اپنے نزدیک سلطان علاؤ الدین کو ہلاک کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن کامیاب نہیں ہوا اس کے بعد عمر خاں اور منگو خاں (علاؤ الدین کے ہمشیر زادگان) نے سلطان کی غیبت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر علم بغاوت بلند کیا۔ لیکن یہ بھی گرفتار ہو کر اپنی سزا کو پہونچے۔ پھر آخر میں حاجی نامی ایک شخص نے زیادہ سنگین بغاوت

---

[1] فیروز شاہی صفحہ ۱۷۰-۱۷۱

کی۔ یہ امیر الامراء فخر الدین کوتوال سابق کا غلام تھا۔ اس نے دہلی کو خالی پاکر ہنگامہ مچادیا، جو مشکل سے فرد ہو سکا۔ گجرات کے نو مسلموں کی بغاوت اس سے قبل ظاہر ہو چکی تھی۔ الغرض سلطان علاؤ الدین متردد ہوا اور بغاوتوں کے اس سلسلہ کو ختم کردینے کے لئے اس نے امراء کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا۔ ان میں بعض نے کہا کہ بدامنی کے چار اسباب ہوا کرتے ہیں:۔

۱۔ خلق کے نیک و بد سے بادشاہ کا لاعلم رہنا۔

۲۔ شراب کا علانیہ استعمال کیونکہ نشہ کی حالت میں لوگ مافی الضمیر کو آزادی کے ساتھ ظاہر کردیتے ہیں۔ اور اس طرح باہم دگر فتنہ و فساد پر لوگوں میں اتفاق ہو جاتا ہے۔

۳۔ امراء و اعیان کا ایک دوسرے سے تعلق رشتہ داری اور خلوص و محبت کا بڑھ جانا کہ ایک پر اگر آفت آجاتی ہے تو سب اس کی مدد کر رہے ہیں۔

۴۔ زر و مال کی کثرت کہ جب بداصل آدمی دولت مند ہو جاتے ہیں تو ہمیشہ ان میں خیالات فاسد ہی پیدا ہوتے ہیں۔

محکمۂ جاسوسی کا قیام

علاؤ الدین یہ سن کر متنبہ ہوا اور سب سے پہلے اس نے اپنی بے خبری دور کرنے کے لئے تمام ملک میں جاسوس مقرر کئے۔ اور خبر رسانی کا ایک ایسا مکمل انتظام کیا کہ امراء وغیرہ جو باتیں رات کو اپنے گھر کے اندر کرتے تھے وہ صبح کے

وقت بادشاہ کو معلوم ہو جاتی تھیں۔ اور جب امیر آتا تو بادشاہ ایک پرچہ پر لکھ کر اس کو دکھا دیتا کہ رات کو تم نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ رفتہ رفتہ لوگ اس قدر خائف ہو گئے کہ خلوت و جلوت میں گفتگو کرنا دشوار ہو گیا۔ اور سازش و سرگوشی کا بالکل سد باب ہو گیا۔

سڑکوں کی حفاظت

اس کے ساتھ اس نے اپنے ملک کے تمام راستوں کو اس قدر محفوظ کر دیا کہ تمام قافلے آزادی کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ اور رات کو اپنا اسباب بغیر کسی حفاظت کے یوں ہی کھلا چھوڑ دیتے تھے، پھر یہ انتظام صرف دہلی ہی کے قرب و جوار میں نہ تھا بلکہ کابل و کشمیر سے لے کر بنگال تک، سندھ و گجرات سے لیکر تلنگانہ و معبر تک ہر جگہ راستوں کے پرامن ہونے کی یہی کیفیت تھی، اور رہزنی و قزاقی بالکل مفقود ہو گئی تھی، اگر کوئی سیاح یا مسافر گاؤں میں پہونچتا تو مقدم اور اس گاؤں کے لوگ اس کو عزت کے ساتھ ٹھیراتے اور کھانے پینے کا بند و بست کرتے۔

میخواری کا سد باب

دوسرا انتظام شراب خواری کا تھا۔ ہر چند یہ ذرا مشکل کام تھا کیونکہ علاؤالدین خود اسکا عادی تھا۔ لیکن اس نے اپنی طبیعت پر سخت جبر کیا اور سب سے پہلے اپنے آبدار خانہ کو درہم و برہم کیا۔ جس قدر چینی کے برتن تھے ان کو تڑوا دیا اور طلائی و نقرئی ظروف کو گلوا کر دار الضرب میں بھیج دیا اور تمام ملک میں اعلان کر دیا کہ بادشاہ نے شراب سے توبہ کر لی ہے، اس لئے اب اگر کوئی

شراب بنائے گا یا پئے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔

تعلقات ازدواج کی ممانعت

مورخین کا بیان ہے کہ اس فرمان کے لیے اس قدر شراب کے قرابے لوگوں نے اپنے گھروں سے نکال نکال کر لنڈھائے کہ تمام راستوں میں کیچڑ ہو گئی۔ الغرض جب وہ اس انتظام سے بھی فارغ ہوا تو امرا و اعیان کے لئے ایک فرمان جاری کیا کہ آئندہ سے بلا حکم سلطانی آپس میں نہ کوئی رشتہ قائم کریں نہ ایک دوسرے کی دعوت کریں۔ اس سے تمام امرا کا ایک دوسرے سے ملنا جلنا اور آپس میں تعلقات رشتہ داری پیدا کرنا مسدود ہو گیا۔

مالگذاری کے اصول

اس انتظام سے فارغ ہونے کے بعد وہ دیہات کی طرف متوجہ ہوا۔ اس وقت تک انتظام کی صورت یہ تھی کہ مقدم اور چودھری سے وصولی مالگذاری کا معاملہ ہوا کرتا تھا اور یہ لوگ رعایا کو سخت تباہ کر رہے تھے چنانچہ سلطان نے پیمائش زمین کے مطابق مالگذاری فی بسوہ مقرر کی اور حکم دیا کہ نصف پیداوار بلا کسی استثناء و کمی کے سب سے وصول کر لی جائے۔ علاوہ اس کے مقدموں سے جو وصول ہو وہ خزانہ میں داخل کیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص خواہ مقدم ہو یا معمولی کاشتکار چار بیل دو بھینسیں، دو گائیں اور بارہ بکریوں یا بھیڑوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔ پھر چرائی بھی مقرر کی اور آباد گھروں کا کرایہ

بھی معین کیا۔ اگر کوئی محرر یا عامل بددیانتی کرتا یا ان احکام کی پوری پابندی نہ کرتا تو اس کو سخت سزا دی جاتی اور اگر سوائے چارہ کے وہ کوئی اور چیز گاؤں سے حاصل کرتا تو پٹواری کے کاغذات سے دیکھ کر اس کی قیمت وصول کر لی جاتی۔ اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خائن عمال و محرر ملازمت سے بیزار ہو کر نوکریاں ترک کرنے لگے۔ اور تمام مقدم و چودھری جو معزز و امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بالکل محتاج ہو گئے اور ان کی عورتیں محنت و مزدوری کرنے لگیں۔

مغلوں کا حملہ روکنے کی تدابیر

یہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ علاؤ الدین ایک بار میدان کیلی میں مغلوں کو شکست دے چکا تھا۔ لیکن وہ ان کے فتنہ کی طرف سے بالکل مطمئن نہ تھا اور نہ مغل اپنے حوصلوں کو ترک کر چکے تھے۔ جب انہیں موقع ملتا ہندوستان کی طرف بڑھنے اور دہلی کو فتح کرنے کی تدابیر اختیار کرتے۔ چنانچہ جب علاؤ الدین ۷۰۲ھ میں قلعہ چتوڑ کے محاصرہ میں مصروف تھا تو ماوراء النہر میں یہ خبر پہونچی کہ میدان خالی ہے۔ اور مغل فوجیں دہلی کی طرف بڑھنے لگیں۔ علاؤ الدین قلعہ چتوڑ فتح کرنے کے بعد مجبوراً پھر دہلی واپس آیا لیکن چوں کہ شاہی افواج کا ایک بڑا حصہ ورنگل کی طرف فتوحات میں مصروف تھا۔ اس لئے یہ بہت متردد ہوا کہ کیا کرے تاہم اس نے خار بندی اور خندقوں سے دہلی کو محفوظ کیا۔ اور اپنی افواج منتشر کو فراہم کرنا چاہا اتفاق سے

دو محاصرہ کرنے کے بعد مغلوں میں از خود خوف وہراس پیدا ہوگیا۔ اور وہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد علاؤ الدین نے مستقلاً ایسے ذرائع اختیار کرنے چاہے جن سے آیندہ کے لئے بھی مغلوں کی طرف سے اطمینان ہو جائے۔ اس کے لئے اس نے حصار دہلی کو از سر نو تعمیر کرایا۔ قصر ہزار ستون اور دوسری عمارات تیار کیں لیکن صرف حصار و عمارات بیکار تھیں۔ اس لئے اس نے یہ بھی چاہا کہ عساکر سلطانی کی مقدار و تعداد زیادہ کر دی جائے۔ اور یہ اس وقت ممکن تھا جب تنخواہیں کم کر دی جائیں ورنہ یوں تو موجودہ خزانہ صرف ۶ سال کے مصارف کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ امراء سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ لشکریوں کی تنخواہ اسوقت کم ہو سکتی ہے جب تمام اشیاء ارزاں ہو جائیں۔ چنانچہ اس کے لئے علاؤ الدین نے چند قواعد مقرر کئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ غلہ کپڑہ وغیرہ بہت ارزاں ہو گیا۔ اور باوجود اس کے کہ پھر قحط بھی رونما ہوا لیکن ارزانی بدستور باقی رہی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قواعد سلطان علاؤ الدین کی خصوصیاتِ حکومت میں داخل ہیں جس کی طرف اس سے قبل کسی کو توجہ نہیں ہوئی، اور نہ اس قدر ارزانی اس سے پہلے کبھی دیکھی گئی۔ پھر لطف یہ کہ ارزانی عارضی نہ تھی۔ بلکہ علاؤ الدین کے بقیہ ایام حکمرانی تک بدستور باقی رہی۔ اور اس میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا وہ ضوابط و قواعد مجملاً یہاں بیان کئے جاتے ہیں:۔

(۱) اہل بازار کو نرخ مقرر کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ صرف

بادشاہ نرخ مقرر کرے گا۔ چنانچہ تمام مملکت میں حسب تفصیل ذیل نرخ مقرر کیا گیا:۔

ایک من گیہوں	۷ ۱/۲	جیتل	ایک سیر شکر تری	۱ ۱/۲	جیتل[۵]
" " جو	۴	"	" شکر سرخ (گڑھ)	۱/۳	"
" " چاول	۵	"	۲ ۱/۲ سیر گھی، مکھن	۱	"
" " ماش	۵	"	۳ سیر روغن کنجد	۱	"
" " چنا	۵	"	۲ ۱/۲ من نمک	۵	"
" " موٹھ	۳	"			

(۲) ملک قبول الغ خاں (جو انتظامی معاملات میں نہایت فراست رکھتا تھا) منڈی کا داروغہ یا شحنہ مقرر کیا گیا۔ جس کا کام صرف یہ رہ تھا کہ مقرر نرخ میں کوئی تفاوت نہ ہونے دے۔

(۳) دوآب کے تمام خالصہ دیہات کی مالگذاری غلہ کی صورت میں وصول کی جائے اور سلطنت کی طرف سے غلہ کے انبار محفوظ رہیں اگر بازار کا غلہ کم ہو جائے تو شاہی غلہ کو بازار کے نرخ سے فروخت کریں۔

---

۵ عہدِ علائی کا من موجودہ وزن کے لحاظ سے ۱۲ ۱/۲ سیر کا تھا۔ ایک سیر موجودہ ۶ چھٹانک کے برابر اور ایک جیتل تقریباً دو پیسہ یا ایک ادھنے کی قیمت کا اس لئے اگر حساب لگایا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ موجودہ ارزانی اور سکوں کے لحاظ سے عہد علائی میں ایک من (یعنی موجودہ ۴۰ سیر) گیہوں کی قیمت ۱۲ ار (۳/۴ روپیہ سکۂ انگریزی) تھی۔

(۴) سلطنت کے تمام سفری غلہ فروشوں (بنجاروں) کو طلب کر کے ساحل جمن پر آباد کیا جائے اور ان سے معاہدہ لیا جائے کہ باہر سے غلہ منگا کر شہر میں مقررہ نرخ سے فروخت کریں گے۔

(۵) غلہ جمع کرنے کی سخت ممانعت کردی گئی۔ اگر کوئی شخص غلہ جمع کرتا تو بحق سلطنت قرق کر لیا جاتا اور سخت تنبیہ کی جاتی۔ ولایت دوآبہ کے افسران مال سے اقرار نامہ لیا گیا کہ کوئی شخص ان کے علاقہ میں غلہ جمع نہ کرے۔

(۶) افسران مال (ریونیو) سے اقرار نامہ لیا گیا کہ وہ کھیتوں ہی پر بنجاروں سے قیمت دلا کر غلہ دیدیں اور سوائے اپنے ضروری خرچ کے غلہ کا ایک دانہ بھی کوئی کاشتکار گھر نہ لیجائے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ بنجاروں کو غلہ آسانی سے ملنے لگا اور بازار میں افراط ہو گئی۔

(۷) منڈی کے حالات معلوم کرنے کے لئے اس نے تین عہدہ دار مقرر کئے ایک شحنۂ منڈی، دوسرے برید منڈی، تیسرے جاسوس منڈی، ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ بازار کے حال اور منڈی کے نرخ سے روزانہ بادشاہ کو اطلاع دیتا۔ اگر ان اطلاعوں میں ذرا بھی تفاوت ہوتا تو شحنہ سے سخت باز پرس کی جاتی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی شخص مقررہ قواعد سے انحراف کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اور تمام بازار سکا بازار ایک مشین کی طرح چل رہا تھا۔ اور حیرت یہ ہے کہ امساک باراں کے زمانہ میں کبھی غلہ کے نرخ میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار قحط کے زمانہ

میں شحنہ نے صرف نصف جتیل (ایک پیسہ) فی من نرخ بڑھا دینے کی درخواست کی تو سلطان نے اکیس چوب اس کے ماریں۔

کوئی شخص ایک وقت میں روزانہ خرچ کے علاوہ نصف من سے زیادہ نہیں خرید سکتا۔ اگر قحط کی وجہ سے مساکین کا ہجوم زیادہ ہوجاتا اور ان کا کوئی معقول انتظام نہ ہوتا تو شحنہ کو سخت سزا دی جاتی۔ شہر کا ہر محلہ ایک بنجارے کے سپرد تھا۔ اور اس کا فرض تھا کہ وہ اس محلہ کے لوگوں کو روزانہ غلہ مہیا کرے۔

(۸) اسی طرح کپڑے کا نرخ مقرر کیا گیا۔ اعلیٰ درجہ کا سوتی کپڑا ۲۰ گز فی تنکہ[۱] (نقرہ) اوسط درجہ کا سوتی کپڑا تیس گز فی تنکہ (نقرہ) فروخت کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی مناسبت سے اور تمام قسم کے کپڑوں کی قیمت متعین کی گئی۔ اس کے لئے اس نے ایک مکان سرائے عدل کے نام سے تعمیر کرایا۔ اور حکم دیا کہ یہاں صبح سے لیکر نماز پیشین تک دوکانیں کھلی رہیں۔

(۹) سوداگران شہر و اطراف کے نام دفتر میں درج کئے گئے اور ان سے اقرار نامہ لیا گیا کہ اس قدر کپڑا اور اس قسم کا ہر سال لاکر سرائے عدل

---

[۱] فرشتہ نے لکھا ہے کہ تنکہ نقرئی ہو یا طلائی ایک تولہ چاندی یا سونے کا ہوتا تھا ہر نقرئی تنکہ کی قیمت تبادلہ پچاس جیتل (تانبہ کا پیسہ) ہوتی تھی جیتل کا وزن البتہ مشتبہ ہے بعض کہتے ہیں ایک تولہ تانبہ کا ہوتا تھا بعض یونے دو تولہ بتلاتے ہیں۔

یں مقررہ نرخ پر فروخت کیا کریں گے۔

(۱۰) ملتانیوں (ملتان کے رہنے والے سوداگروں کو) بیس لاکھ تنکہ (نقرہ) خزانہ شاہی سے دیا گیا کہ اطراف ممالک سے کپڑا خرید کر کے لائیں اور نرخ مقررہ سے بازار میں فروخت کریں۔

(۱۱) امرا وغیرہ میں سے جس نفیس اور قیمتی کپڑوں کی ضرورت ہو پہلے رئیس بازار کا پروانہ حاصل کرے۔ یہ قید اس لئے لگائی تھی کہ سوداگر یہاں سے نرخ سلطانی پر ارزاں کپڑا خرید کر کے باہر گراں قیمت پر فروخت نہ کر سکیں۔

(۱۲) گھوڑوں کی قیمت ۲۰۰ تنکہ (نقرہ) سے بارہ تنکہ (نقرہ) تک مقرر کی گئی اور حکم دیا گیا کہ صرف بازار ہی میں نرخ مقررہ کے مطابق گھوڑوں کی خرید و فروخت ہو۔

(۱۳) لونڈی غلاموں کی قیمت ۲۰۰ تنکہ (نقرہ) سے ۵ تنکہ نقرہ تک مقرر کی گئی۔

الغرض اس نے گائے، بھینس، بکری اور بازار کی تمام چیزوں یعنی ٹوپی سے موزہ تک، شانہ سے سوزن تک، نیشکر سے سبزی تک ہریسہ سے شوربہ تک، حلوائے صابونی سے ریوڑی تک، بریانی سے روٹی تک، پان پھول سے ساگ پات تک، الغرض تمام ضروری اشیا حتیٰ کہ ایک ندیم خاص کے کہنے پر شاہدان بازاری تک کا نرخ مقرر کر دیا۔
چنانچہ فرشتہ نے لکھا ہے کہ:-

"عہدِ علائی میں مصری بحساب فی سیر[1] دو جیتل شکر تری فی سیر ایک جیتل شکر سرخ فی سیر نصف جیتل، نمک ۵ سیر فی جیتل فروخت ہوتا تھا۔"

(۱۴) بادشاہ صرف شحنہ وغیرہ کی اطلاع پر کفایت نہ کرتا بلکہ کمسن لڑکوں کو جنہیں کوئی وقوف نہ ہوتا دام دیکر بازار بھیجتا اور پھر ان چیزوں کو وزن کراتا۔ اگر وزن یا قیمت میں خلاف قاعدہ کوئی فرق ہوتا تو سخت سزا دی جاتی اور کمترین سزا یہ تھی کہ ناک کان کاٹ لئے جاتے یا جس قدر کم اس نے دیا ہے اتنا ہی گوشت اس کی ران یا کولہے سے کاٹ کر اس کے سامنے ڈال دیا جاتا۔

تحقیق حالات کی کیفیت

الغرض علاؤالدین نے مستحکم اور عجیب وغریب انتظام بازار کا کیا کہ اس کی حالت میں پھر کوئی تغیر نہیں ہوا اور کبھی کسی نے قانون مقررہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔

فوج کی تنخواہ

(۱۵) جب علاؤالدین بازار کا سارا انتظام کر چکا اس نے سپاہیوں کی تنخواہیں حسب ذیل مقرر کیں:-

سپاہی درجہ اول — دو سو چونتیس تنکہ (تقریباً ۲۴ پونڈ طلائی موجودہ انگریزی سکہ کے مطابق) ماہوار۔

سپاہی درجہ دوم — ۱۵۶ تنکہ ماہوار۔

سپاہی درجہ سوم — ۷۸ تنکہ ماہوار۔

---

[1] حسب بیان فرشتہ اس وقت سیر وزن میں ۲۴ تولہ کا ہوتا تھا۔

جس کے پاس دو گھوڑے ہوتے اس کو ۷۸ تنکہ اور زیادہ ملتا۔

عارضِ ممالک کی خدمات

(۶) عارضِ ممالک (جسے موجودہ اصطلاح انگریزی میں MASTER MASTER کہہ سکتے ہیں) تمام سپاہ کا معائنہ کرتا اور جو فن تیر اندازی و شمشیر زنی وغیرہ کا ماہر ثابت ہوتا اسے گھوڑے کی قیمت دیدی جاتی اور گھوڑا داغ دیا جاتا۔

جب علاؤ الدین ان تمام انتظامات سے فارغ ہوگیا اور اس نے فوج کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ صرف سواروں کی تعداد چار لاکھ بہتر ہزار تھی اسی عسکری انتظام کا نتیجہ تھا کہ اس کے بعد جب مغلوں نے عہد علائی میں ہندوستان کا قصد کیا تو ہمیشہ ان کو شکست ہوئی، اور نہایت کثیر تعداد میں مقتول و مقید ہوئے۔

علماء کی قدردانی

علاؤ الدین پہلے بالکل ناخواندہ شخص تھا اور بعد کو اس نے صرف معمولی نوشت و خواند سیکھ لی تھی۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ جتنے ماہران فن، بزرگان دین، علماء کرام، شعراء عظام اس کے زمانہ میں ہوئے ہیں کسی عہد کو نصیب نہیں ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلام شیخ نظام الدین اولیاءؒ، شیخ علاؤ الدین صابر قطب الاولیاء، شیخ رکن الدین بن صدر الدین عارف ملتانی اسی عہد کے بزرگوں میں سے تھے۔

علاوہ ان حضرات کے شیخ صدر الدین جو بے مثل فیاض تھے،

تاج الدین ولد صدر الدین جو اپنی جود و سخاوت علم و حلم کے لحاظ سے بہت مشہور تھے رسید مغیث الدین و سید نجیب الدین، قاضی جلال الدین، قاضی صدر الدین مولانا ضیاء الدین بیانوی، حمید الدین ملتانی جو اپنے کمالات ظاہری و باطنی میں مخصوص درجہ رکھتے تھے اسی بادشاہ کے دربار سے متعلق تھے۔

علماء ظاہری میں اس وقت ۴۶ صرف وہ لوگ تھے جو درس و تدریس کے مشغلہ میں مصروف تھے۔ فنِ قراءت کے جاننے والوں میں مولانا شاطی، مولانا علاؤ الدین، خواجہ زکی خواہر زادہ شیخ حسن خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

اہلِ وعظ میں سے مولانا حسام الدین، مولوی جلال الدین، مولانا شہاب الدین جلیل، مولانا کریم وہ نفوس تھے جنہیں نوادر روزگار میں جگہ دی جاتی ہے۔

طبقۂ شعراء میں صدر الدین عالی، فخر الدین، حمید الدین، مولانا عارف، عبد الحکیم، شہاب الدین جن میں سے ہر ایک شاعری میں ایک خاص طرز کا مالک تھا اور ان سب کے سرتاج حضرت امیر خسرو جو جامعِ کمالات ظاہری و باطنی ہونے کی حیثیت سے دنیا میں فرد تسلیم کئے جاتے ہیں اسی دربار کے زلہ ربا تھے۔

اطباء میں صدر الدین، جو لینی طبیب علیم الدین، اور مولانا بدر الدین دمشقی خاص لوگ تھے، مولانا بدر الدین کی مسیحائی و حذاقت کا یہ عالم تھا

کہ اس وقت تک کوئی دوسرا طبیب اس ذہانت وفراست کا پیدا نہیں ہو سکا، ان کی نسبت مشہور ہے کہ اگر چند جانوروں کا قارورہ ایک جگہ ملا دیا جاتا تو یہ بتا دیتے کہ فلاں فلاں جانوروں کا بول اس میں شامل ہے۔

علاوہ ان کے دیگر فنون کے ماہرین، جن میں مغنی، مطرب، اہل نجوم وغیرہ شامل تھے کثرت سے پائے جاتے تھے، اور ان کا شمار مشکل تھا۔

علاؤالدین کے عہد میں اس قدر مسجدیں، خانقاہیں، حوض، مینار اور حصار تیار ہوئے کہ کسی اور بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ:۔

علاؤالدین کے شاگرد پیشہ کی تعداد ۷۰ ہزار تھی جن میں سات ہزار صرف معمار و سنگکار تھے جو بڑی سے بڑی عمارت کو چند ہفتوں میں تیار کر دیتے تھے، تمام سلطنت میں سڑکیں کثرت سے بن گئی تھیں اور نہایت عمدہ حالت میں تھیں۔

جب سلطان قطب الدین مبارک شاہ (علاؤالدین کے بیٹے اور جانشین) نے دہلی سے دولت آباد تک کا سفر کیا ہے تو اس وقت کا حال ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ دہلی سے دولت آباد (دیوگڑھ) تک چالیس دن کا سفر تھا، اور ان دونوں شہروں کے درمیان جو سڑک تھی اس کے دونوں جانب بید وغیرہ کے درخت لگے ہوئے تھے ایک مسافر ایسا محسوس کرتا تھا کہ گویا وہ کسی باغ کی روش پر چل رہا ہے۔

ہر میل پر ڈاک کی چوکی تھی، اور راستہ میں ہر جگہ اس کو تمام ضرورت کی

چیزیں اس قدر فراوانی سے دستیاب ہوتی تھیں گویا بازار لگا ہوا ہے۔

یہاں سے اور سڑکیں ۶ مہینہ کی راہ کی معبر اور تلنگانہ تک بنی ہوئی تھیں۔ ہر منزل پر بادشاہ اور دیگر مسافروں کے قیام کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے۔ مفلس مسافروں کو زاد راہ کی مطلق فکر نہیں ہوتی تھی، اور ان کو تمام چیزیں مفت ملتی تھیں۔

سب سے پہلے جو شخص ہاتھی پر عماری رکھ کر سوار ہوا علاؤالدین خلجی تھا۔ چنانچہ امیر خسرو فرماتے ہیں:۔

جز او ننہاد بر فیلاں عماری
کسے در شاہی وانگہ سواری

عہد علائی کی خصوصیات

سلطان علاؤالدین اپنے عزم و جبروت، اپنی سطوت و سیاست کے لحاظ سے تاریخ ہندوستان میں عجیب و غریب بادشاہ ہوا ہے۔ اس کے عہد کی چند خصوصیات کو ضیاء برنی نے ایک جگہ حسب ذیل جمع کیا ہے:۔

۱۔ غلہ، کپڑہ اور دیگر اشیاء کی ارزانی۔

۲۔ مسلسل فتوحات اور دولت کا بے شمار انبار۔

۳۔ بڑی فوج کا قیام قلیل خرچ سے۔

۴۔ باغیوں کی سرکوبی اور تمام راجاؤں اور ماتحت فرمانرواؤں کا کلی اطاعت شعار رہنا۔

۵۔ مغلوں کی تباہی۔

۶۔ ملک کے تمام راستوں کی حفاظت

۷۔ بازاری لوگوں کا ایماندار ہو جانا۔

۸۔ مسجدوں، میناروں، قلعوں، تالابوں وغیرہ کا کثرت سے تعمیر کیا جانا

۹۔ آخری دس سال کے اندر مسلمانوں کا عام طور سے دیانت و امانت عدل و انصاف پسندی کی طرف مائل ہو جانا۔ یہ ہیں اس کے عہد کے برکات۔

افسانوں کی حقیقت

عہد علائی کے خاص واقعات میں، خضر خاں (اس کے بیٹے) اور دیول رانی (راجہ رائے کرن کی بیٹی) کا واقعۂ عشق و محبت ہے لیکن تاریخ فیروز شاہی میں اس واقعہ کا ذکر نہیں اسی طرح خود علاؤالدین کا راجہ چتوڑ گڑھ کی رانی پدمنی کے حسن و جمال کا شہرہ سن کر اس پر عاشق ہونا۔ اور پدمنی کا آگ میں جل کر جان دینا بھی کہیں ضیاء برنی نے تحریر نہیں کیا۔ حالانکہ وہ ایک متعصب مزاج مورخ تھا۔ اور اس نے تمام وہ باتیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر درج کی ہیں۔ جن سے علاؤالدین پر کوئی الزام عاید ہو سکتا ہے لیکن اس نے یہ واقعہ درج نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، رہا خضر خاں اور دیول دیوی کا افسانۂ عشق سو اس کو امیر خسرو نے ضرور ایک مثنوی کی صورت میں درج کیا ہے لیکن اس کی صورت یہ تھی کہ خضر خاں نے امیر صاحب کو طلب کیا اور چند مسودات دیکر کہا کہ ان میں میرے اور دیول دیوی کے واقعات عشق و محبت درج ہیں ان کو نظم کر دیجیے۔

چنانچہ آپ نے تعمیل ارشاد کردی۔

جب علاؤالدین اصلاحات سے فارغ ہوا تو اس نے توسیع سلطنت کی طرف پھر توجہ کی۔ چونکہ رنتھمبور اور چتوڑ کو وہ اس سے قبل فتح کر چکا تھا۔ اس لئے پھر اس نے دکن کو اپنی تاخت کا جولانگاہ بنانا پسند کیا۔ چنانچہ اس نے ملک کافور ہزار دیناری کو (جو ایک خوبصورت خواجہ سرا اور بادشاہ کا محبوب غلام تھا) ۷۰۶ھ؁ ۱۳۰۷ء میں دیوگڑھ کی جانب روانہ کیا۔ جہاں کے راجہ نے خراج دینا بند کر دیا تھا اس مہم میں ملک کافور کامیاب ہوا اور علاوہ بہت سے مال غنیمت کے وہاں کے راجہ رام دیو کو معہ اس کے بیٹوں کے دہلی لے آیا۔ بادشاہ نے راجہ کی بہت عزت کی۔ اور ایک لاکھ تنکہ دیکر پھر حکومت دیوگیر اس کے سپرد کردی۔

دوسرے سال ملک کافور تلنگانہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ (اس سے قبل ۷۰۳ھ؁ میں بادشاہ نے تلنگانہ پر حملہ کیا تھا لیکن ناکامیاب رہا تھا) اس جنگ میں ورنگل مفتوح ہوا اور راجہ نے خراج دینا منظور کیا۔ اس مہم میں ایک سو ہاتھی سات گھوڑے اور بہت سے جواہرات ہاتھ آئے۔

۷۰۹ھ؁ ۱۳۱۰ء میں ملک کافور ساحل مالابار گیا اور وہاں کے قدیم دارالحکومت، دورسمندر کو فتح کر کے میسور تک بڑھ گیا اور معبر کے مشہور مندر کو مسمار کیا۔ اس تاخت میں ۶۱۲ ہاتھی بیس ہزار گھوڑے جواہرات کے بہت سے صندوق، ۹۶ ہزار من سونا (جو موجودہ حساب سے ۲۹۰۰ ٹن کے برابر ہوا) ہاتھ آیا۔ جس وقت یہ دولت قصر سیری میں بادشاہ کے

سامنے پیش کی گئی۔ تو اس نے منوں کے حساب سے سونا لوگوں کو تقسیم کیا۔
ملک کافور نے دکن کے تمام شمالی حصہ کو سلطنت دہلی کا باجگذار بنا دیا۔ اور یہ زمانہ علاؤالدین کے انتہائی عروج کا سمجھنا چاہیئے البتہ آخر وقت میں ملک کافور کے اقتدار کی وجہ سے امراء میں برہمی پھیل گئی تھی۔ اور نظام حکومت میں تزلزل واقع ہو گیا تھا۔ علاؤالدین اس کو محسوس کرتا تھا لیکن قویٰ مضمحل ہو جانے کی وجہ سے وہ بے دست و پا ہو رہا تھا۔
حسب روایت فرشتہ سلطان علاؤالدین نے ۶ شوال ۷۱۶ھ (جنوری ۱۳۱۵ء یا ۱۳۱۶ء) بعارضۂ استسقاء انتقال کیا۔ بدایونی، امیر خسرو و برنی نے سنہ وفات ۷۱۵ھ تحریر کیا ہے۔ اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ اس نے بیس سال اور چند ماہ تک سلطنت کی۔[1]

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ۲ و اسلامی ہند از علامہ نیاز فتح پوری۔

سلطان شہاب الدین بن علاؤالدین خلجی

جنوری ۷۱۶ھ / ۱۳۱۵ء – ۱۳۱۶ء — ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء

سلطان قطب الدین مبارک شاہ بن علاؤالدین خلجی

۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء — ۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء

ناصرالدین خسرو شاہ

۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء

سلطان علاؤالدین نے وقت آخر میں خضر خاں اپنے بڑے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہا جو قلعہ گوالیار میں قید تھا اسے طلب کرنے کا حکم دیا۔ لیکن ملک کافور کے مصالح کا اقتضا یہ نہ تھا کہ خضر خاں تخت نشین ہو۔ اس لئے وہ ٹالتا رہا۔ حتےٰ کہ علاؤالدین کا انتقال ہوگیا۔ اور اس کے دوسرے دن ایک نوشتۂ سلطانی اس مضمون کا پیش کر کے کہ خضر خاں کی ولی عہدی بادشاہ نے منسوخ کردی تھی۔

اولاد | ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ علاؤالدین کے پانچ بیٹے تھے[۱] خضر خاں

شادی۲ خاں۔ ابوبکر۳ خاں۔ مبارک۴ خاں۔ شہاب۵ الدین۔ سلطان علاؤالدین مبارک خاں کی طرف زیادہ متوجہ نہ تھا۔ اپنے اور بیٹوں کو اس نے طبل و علم دیگر شاہانہ اعزاز سے سرفراز کر رکھا تھا لیکن اس کی طرف سے بے خبر تھا۔ ایک دن علاؤالدین نے اس کو بلا کر کہا کہ میں تمہیں بھی وہی عزت دینا چاہتا ہوں جو تمہارے اور بھائیوں کو حاصل ہے اس نے جواب دیا کہ صرف خدا عزت دینے والا ہے۔ اس جواب سے سلطان علاؤالدین بہت برہم ہو گیا۔ خضر خاں سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اور بادشاہ اس سے خوش بھی تھا لیکن اس کے ماموں سنجر نے علاؤالدین کی حیات ہی میں خضر خاں کو تخت نشین کرنے کی سازش کی جس کا پتہ ملک کافور کو مل گیا۔ اور اس نے بادشاہ کی اجازت سے سنجر کو قتل اور خضر خاں کو قلعہ گوالیار میں قید کرا دیا۔ سلطان علاؤالدین کے مرتے ہی ملک کافور نے ابوبکر خاں اور شادی کو اندھا کرا کے گوالیار بھیج دیا۔ اور خضر خاں کی آنکھیں نکلوا لیں۔ اور شہاب الدین کو جو سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور اس کی عمر اس وقت صرف ۶ سال کی تھی تخت نشین کر کے تمام انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور خاندان علاؤالدین کے تمام افراد کو تباہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اب صرف ایک مبارک خاں رہ گیا تھا تو اس کو بھی قید کر لیا اور چند سپاہی مبارک خاں کو قتل کرنے کے لئے روانہ کئے لیکن جب یہ سپاہی مبارک خاں کے پاس پہونچے تو اس نے مالائے مروارید ان کے سامنے ڈال دیا اور اپنے باپ کے حقوق یاد دلائے اس سے یہ

لوگ متأثر ہو کر واپس آ گئے اور اپنے افسران مبشر و بشیر سے سارا حال بیان کیا چنانچہ انہوں نے اس رات ملک کافور کو قتل کر دیا اور اس طرح ۸ محرم ۷۱۶ھ[1] کو مبارک شاہ سلطان قطب الدین لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ عنان حکمرانی ہاتھ میں لے کر اس نے حد درجہ خوش خلقی کا ثبوت پیش کیا۔ سترہ ہزار قیدی رہا کئے۔ جلا وطنوں کو وطن واپس آنے کی اجازت دی اور فوج کو ٦ ماہ کی تنخواہ ایک مشت دی گئی۔ امراء و ملوک کی جاگیریں اور منصب بڑھائے گئے۔ تمام سخت محصول منسوخ کر دئے۔ بازار کے جو انتظامات علاؤ الدین نے قائم کئے تھے ایک قلم موقوف ہو گئے۔ البتہ علماء و صلحاء کے وظائف میں اضافہ کر دیا۔ انعام و اکرام کی چاروں طرف سے بارش ہونے لگی۔ لیکن ظاہر ہے کہ جن اصول کے اوپر علاؤ الدین نے سلطنت قائم کی تھی اون کا دفعتہً اٹھا دینا سلطنت کے لئے کبھی مفید نہ ہو سکتا تھا، چنانچہ رعایا کا طبقہ تباہ ہونے لگا۔ امراء وغیرہ کا اقتدار بڑھ گیا اور رفتہ رفتہ جو نقائص دولت کے بیجا استعمال سے رونما ہونے لگے تھے وہ سلطنت میں ظاہر ہونے لگے جس طرح علاؤ الدین نے ملک کافور کو ادنےٰ درجہ سے وزارت کے عہدہ تک پہونچا دیا۔ قطب الدین مبارک شاہ ناصر الدین خسرو خاں ایک نو مسلم سے مالوف ہو گیا تھا۔ اس کا نام حسن تھا اور پہلوانان گجرات سے تھا

[1] صاحب طبقات اکبری۔ فرشتہ اور ضیاء برنی نے ۷۱۶ھ تحریر کیا ہے لیکن امیر خسرو مثنوی نہ سپہر میں ۷۱۶ھ لکھتے ہیں۔

تھا مبارک شاہ نے اس کو خسرو کا خطاب دے کر سارے ملکی انتظامات کا مختار بنا دیا۔

"ناصر الدین خسرو خاں از بندگان علائی بود در عہد طفولیت خسرو خاں و برادر او از نہب مالوہ بر دست لشکر اسلام اسیر گشتہ۔

(مبارک شاہی صفحہ ۸۶)

"خسرو خان در میان مسلمانان ظلم و تعدی کردن گرفتند و عورات از درون حرم می بردند و خزائن و دفائن کہ از سلطان علاؤالدین ماندہ بود تمام پریشان و تلف می کردند"

تاریخ مبارک شاہی یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی ۸۳۸ھ نصف نمودہ صفحہ ۸۷

چونکہ حسن پہلے ہندو تھا جب اس کا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے علانیہ ہندوؤں کو ترقی دینی شروع کی اور مسلمانوں کی ذلت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

آخر کار خسرو خاں نے ۷۲۰ھ میں مبارک شاہ اپنے محسن کو قتل کر دیا۔ اور خود تخت نشین ہو گیا۔ اس وقت تمام مسلمان امراء و ملوک سخت پریشان تھے خسرو خاں علاؤالدین کے تمام افراد کو تہ تیغ کر کے خاتونان حرم کی ہر ممکن توہین کر رہا تھا (یہاں تک کہ اس نے مرحوم بادشاہ کی ملکہ سے بجبر شادی بھی کر لی) علانیہ مذہب اسلام کی توہین شروع کر دی تھی۔ قرآن مجید کی توہین کی، مسجدیں منہدم کر دیں اور تمام بڑے بڑے

عہدے ہندوؤں کو دئے جا رہے تھے۔ اور جو چند مسلمان عامل وصوبہ دار رہ گئے تھے ان کو بھی خسرو خاں قتل کر دینا چاہتا تھا۔

اس وقت غازی ملک دیپالپور کا حاکم۔ ان حالات کو سن کر مضطرب و فکر مند ہو رہا تھا۔ بارہا اس نے ارادہ کیا کہ خسرو خاں کا مقابلہ کرے لیکن اس کا بیٹا ملک فخر الدین جونا خاں خسرو خاں کے قبضہ میں تھا اس لئے خاموش رہ جاتا تھا۔ آخر کار جب جونا خاں خفیہ طور سے اپنی جان بچا کر دہلی سے بھاگ نکلا اور اپنے باپ کے پاس پہونچ گیا تو غازی ملک نے خسرو خاں کے خلاف فوج کشی کی اور ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء[1] میں خسرو خاں قتل کیا گیا۔

جب غازی ملک اس جنگ سے فارغ ہوا اور خسرو خاں قتل ہوا تو اس نے تمام امراء کو بلا کر کہا کہ خدا کے فضل و کرم سے میں نے اپنے ولی نعمت کا انتقام لے لیا۔ اب تم لوگ جس کو مناسب سمجھو تخت نشین کر دو۔ چونکہ خاندان خلجی میں اب کوئی شخص باقی نہ رہا تھا اس لئے سب نے بالاتفاق غازی ملک کا ہاتھ پکڑ کر تخت سلطنت پر بیٹھا دیا اور غیاث الدین تغلق کا خطاب دیا[2]۔ سلطان قطب الدین نے بارہ سال اور چار ماہ تک حکومت کی اور خسرو خاں کچھ دن کم پانچ ماہ تک حکمران رہا[3]۔

---

[1] فرشتہ نے ۷۲۱ھ تحریر کیا ہے۔ بدایونی ص۲۲۶ طبقات اور ضیاء برنی نے ۷۲۰ھ درج کیا ہے۔

[2] فرشتہ ۱۲۳-۱۳۰۔ تاریخ فیروز شاہی ۲۱۱-۲۲۹۔ بدایونی ۵۳-۵۷، برنی (الیٹ) ۳ طبقات اکبری ۸۶-۹۵ ۔

[3] نگار ہندوستان نمبر ۔

تغلقیہ خاندان

غیاث الدین تغلق

۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء — ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء

تغلق ایک ترکی لفظ ہے جس کے معنی پہاڑی کے ہیں یا یہ پشتو لفظ رہیلہ کے مرادف ہے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ شیخ رکن الدین قریشی ملتانی سے میں نے سنا ہے کہ تغلق ترک قوم کے قبیلہ قرونہ سے تھا اور یہ لوگ ترکستان اور سندھ کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ غیاث الدین کا باپ ملک تغلق تھا۔ غیاث الدین ہی ملک غازی کہلاتا تھا۔ اس کی ماں جاٹ کی لڑکی تھی۔ خراسان سے سندھ آیا کسی سوداگر کا ملازم ہوا پھر الغ خاں خلجی کے لشکر میں سپاہی بن گیا۔ جب کچھ وسعت ہوئی اور گھوڑا بہم پہونچ گیا تو سواروں میں داخل ہوا۔ اور اپنی بہادری سے سب کے دل پر سکہ جمالیا اور اس طرح درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے میر آخور (داروغہ اصطبل) ہوگیا جو اس عہد میں بہت بڑا عہدہ تھا اور صرف وفادار امیروں کو اس پر ممتاز کیا جاتا تھا۔ اور اس زمانہ میں چونکہ مغلوں کا بڑا زور تھا۔ اس لئے سرحدی علاقے مخصوص وفادار امیروں کے حوالے کئے جاتے تھے۔

چنانچہ ملک غازی کو بھی دیپال پور کا علاقہ سپرد ہوا۔

جو آج بھی مونٹ گمری (پنجاب) کے ضلع میں بیاس ندی کے پرانے شکم پر پاک پٹن سے ۲۸ میل مشرق کی طرف واقع ہے وہ عرصہ تک اسی جگہ رہا اور اس کا بڑا لڑکا محمد جونا جس کے نام پر شہر جونپور یو۔پی میں بسایا گیا ہے، پایۂ تخت دہلی میں رہتا تھا۔ قطب الدین کے بعد نو مسلم امیر خسرو خاں گجراتی اپنے آقا کو دھوکہ سے قتل کر کے تخت پر بیٹھ گیا تو جیسا اوپر گزرا ملک غازی تغلق نے لڑ کر اس سے سلطنت چھین لی اور سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے یکم شعبان ۷۲۰ھ کو تخت پر بیٹھا۔

سلطان غیاث الدین خاندان تغلق کا پہلا بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے تدبر اور اعلیٰ قابلیت و دانشمندی سے حسن انتظام و تلافی مافات میں کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھا نہیں رکھا۔ بہ حیثیت ایک آزمودہ کار افسر ہونے کے جو شہرت صوبۂ پنجاب (دیپال پور) میں حاصل کی تھی، اور اپنی پامردی سے وہ تاتاری فتنہ کو ہندوستان سے دور کرنے میں کامیاب ہوا تھا[1] عنان سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اس نے اپنی دیانت و امانت، محنت و جفاکشی، حزم و احتیاط عقل و فراست سے کام لے کر ان تمام خرابیوں کو جو سلاطین خلجی اور خسرو خاں کے عہد حکومت میں پیدا

---

[1] ابن بطوطہ سے شیخ امام رکن الدین ملتانی نے بیان کیا تھا کہ انہوں نے خود اس مسجد کو دیکھا تھا جو غازی ملک (غیاث الدین) نے ملتان میں تیار کرائی تھی اس کے ایک کتبہ میں درج تھا کہ "میں نے ۲۹ بار تاتاریوں کا مقابلہ کر کے ان کو شکست دی۔ اسی بنا پر مجھے ملک غازی کہا جاتا ہے"۔ ابن بطوطہ (الیٹ) ۳-۶۰۶

ہوگئی تھی دور کر کے اسلامی مملکت ہند کو اپنی اصلی حالت پر لے آیا جو ملک اور رعایا کے لئے حد درجہ باعث سکون و فلاح ثابت ہوا۔ اس نے عہد علائی کے تمام معزول و تباہ شدہ امراء کو طلب کر کے، ان کے مواجب و انعامات بحال کئے۔

"بقیہ احوال عیال و نسل سلطان علاؤالدین و سلطان قطب الدین ہر کس ہر جا بود تفقد احوال نمودہ بوظیفہ داد راز خوشدل ساختہ [1]"

خاندان علائی کے بقیۃ السیف افراد کی حد درجہ عزت کی اور خواتین خلجیہ کا احترام کرنے میں اس نے اپنی ساری کوشش صرف کر دی۔ الغرض ملک کا نظامِ حکومت جو بہت ابتر ہو گیا تھا اس کو ایک ہفتہ کے اندر اصلی حالت پر لے آیا۔ مستحقین کے حقوق ادا کئے اور ظالموں کی دارو گیر شروع کی۔

وہ حد درجہ معتدل مزاج تھا۔ افراط و تفریط سے ہٹ کر ایک مناسب رائے تمام امور میں قائم کیا کرتا تھا، کام کرنے والے لوگوں کی اس نے قدر کی۔ اور ناکارہ لوگوں کو اپنے دربار سے خارج کر دیا۔

اس نے خراج کے اصول از سر نو منضبط کئے اور پیداوار کے دسویں یا گیارھویں حصہ سے زیادہ محصول لینے کی سخت ممانعت کر دی اس کی کوشش یہ تھی کہ ہر سال رقبۂ زراعت بڑھتا جائے۔ اور مقام

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ۹۵

وچودھری کاشتکاران پر جبر نہ کر سکیں جن امراء و ملوک کے پاس جاگیریں تھیں ان کی انتظامی حالت کی بھی نگرانی کرنا اور جبر و تعدی پر سخت باز پرس کرنا۔ خسرو خاں نے جن لوگوں کو خزانۂ شاہی سے بیجا انعامات دئے تھے وہ سب وصول کر کے خزانہ میں داخل کئے۔

جب کوئی فتح یا کامیابی کی خبر اس کو ملتی، بیٹا پیدا ہوتا۔ یا شہزادوں کی شادی ہوتی تو تمام اکابر و علماء کو طلب کرنا اور حسب حیثیت انعامات سے سرفراز کرنا جو مشائخ و صوفیہ خلوت نشین ہوتے ان کے پاس تحائف و نذرانے وہیں بھیجتا۔ چاہتا تھا کہ جو مسرت مجھے حاصل ہو اس میں ساری رعایا شریک ہو۔ چنانچہ وہ سب کو کچھ نہ کچھ دیتا اور اکثر ایسی داد و دہش کے بہانے پیدا کرتا رہتا۔ اس کا مقصود سلطنت یہ تھا کہ سارا ملک فراغت و اطمینان سے زندگی بسر کرے۔ رعایا خوش حال ہو جائے، لوگ گدائی چھوڑ دیں اور حلال کی کمائی حاصل کریں۔ اسی خیال کے زیر اثر اس نے مزدوری و اُجرت میں ۲۵ فی صدی اضافہ کر دیا۔ کاشتکاروں اور ہندوؤں کی حالت میں جو تمدنی انحطاط عارضی اسباب کی وجہ سے ہو گیا تھا دور ہو گیا اور پھر وہ آزادی کے ساتھ اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔

جس سپاہ کو خسرو خاں نے مواجب سے زیادہ روپیہ تقسیم کر دیا تھا وہ آہستہ آہستہ اس نے وصول کیا اور فوج کے باب میں جو قواعد علاؤالدین خلجی نے مقرر کئے تھے (حلیہ، و امتحان و داغ اور تعین قیمت

وغیرہ) وہ سب بدستور جاری رکھے۔ البتہ اس کی احتیاط ضرور کی کہ کوئی افسر یا امیر سپاہیوں کو ذلیل نہ سمجھے۔ اور ان کو کوڑے نہ مارے۔

مطالبات کے وصول کرنے میں بھی وہ بہت نرمی سے کام لیتا لاکھوں کے مطالبہ میں اگر ہزاروں بھی وصول ہو جاتے تو غنیمت سمجھتا اور حد درجہ نرمی و آشتی سے کام لے کر معاملات کو طے کرتا وہ نہ معمولی باتوں پر کسی کو حد سے زیادہ انعام دیتا اور نہ ضرورت سے زیادہ سختی عمل میں لاتا۔ میانہ روی اس کی خصوصیت تھی اور عدل و انصاف اس کی حکومت کا نصب العین تھا۔

انہیں باتوں کے ساتھ اس نے مغلوں کی طرف سے بھی ہندوستان کو مطمئن کر دیا۔ اور ایسی سخت ناکہ بندی کر دی کہ اس کے عہد میں ان کو حدود ہند کی طرف آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

اس نے نہریں کثرت سے کھدوائیں، باغات تعمیر کرائے ویرانوں کو آباد کیا، بنجر زمین کو نئے سرے سے قابل کاشت کیا اور متعدد عمارات قائم کرادیں حصار تغلق آباد اس بادشاہ کی یادگار ہے۔

"نیکذات پسندیدہ اعتقاد بود یا دامر و نواہی تقید تمام درشت بیشتر اوقات او صرف عبادت سری و بقیام شب و مواظبت نفل اشغال نمودے و گرد مسکرات نگشتی و در منع شراب مبالغہ وخودی[1]"

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ۹۷۔

غیاث الدین صوم و صلوٰۃ کا بھی پابند تھا وہ ہمیشہ باجماعت نماز ادا کرتا تھا اور تراویح کے ساتھ روزہ رکھتا تھا وہ اکثر باوضو رہتا اور شراب نہ خود پیتا اور نہ کسی کو پینے دیتا۔ کبر و غرور اس میں نام کو نہ تھا۔ مکر و فریب سے وہ بالکل ناآشنا تھا اور سادگی اس کی فطری خصوصیت تھی۔

فتوحات کے لحاظ سے بھی اس کا عہد کامیاب ثابت ہوا، اور بنگال و دکن کی طرف عساکرِ سلطانی نے کافی کامیابیاں حاصل کیں۔ ۷۲۰ھ میں جب تلنگانہ اور ورنگل کے راجہ نے خراج دینے میں تامل کیا، تو غیاث الدین نے اپنے بیٹے جونا خاں کو (جسے الغ خاں کا خطاب عطا ہو گیا تھا) اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور ہر چند ایک بار بعض مفسدین کے اغوا سے لشکر میں برہمی پیدا ہو گئی، لیکن دوسری بار کامیابی حاصل ہوئی، ورنگل فتح ہوا اور اس کا نام سلطان محمد رکھا گیا۔ اسی طرح جب ۷۲۴ھ میں لکھنوتی (بنگال) اور سنار گاؤں (ڈھاکہ) کی طرف سے جبر و ظلم کی شکایت موصول ہوئی تو غیاث الدین نے اپنے بیٹے کو ورنگل سے طلب کر کے دارالسلطنت کا انتظام سپرد کیا۔ اور خود لشکرِ عظیم لے کر لکھنوتی کی طرف کوچ کیا۔ غیاث الدین کی سطوت و جبروت سے اس وقت سارا ہندوستان آگاہ تھا، اس لئے ناصر الدین فرمانروائے لکھنوتی تحائف وغیرہ لے کر خود حاضر ہوا اور بہادر شاہ کو جو سنار گاؤں کا فرمانروا تھا اور بہت متکبر و مغرور ہو گیا تھا، گرفتار کر کے حضور میں پیش کیا۔ سلطان غیاث الدین نے ازراہِ لطف و

عنایت ناصر الدین کو "چتر و دور باش" عنایت کر کے نہ صرف لکھنوتی کا فرمانروا تسلیم کیا بلکہ سنار گاؤں کو بھی اس کے سپرد کر دیا اور قلعۂ ترہت فتح کرتا ہوا دارالحکومت کی طرف واپس آیا اور ایک اتفاقی حادثہ سے مر گیا۔ جونا خاں نے تین دن میں ایک قصر تعمیر کرایا اس میں بادشاہ نے قیام کیا۔ بجلی کی کڑک سے وہ گر گیا اس پر جھوٹے قصے مشہور ہوئے وہ قابل قبول نہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ وہ بہترین فرمانروا تھا اور اگر وہ چند دن اور حکومت کرتا تو جو اسلوب حکمرانی اس نے اختیار کیا تھا وہ زیادہ مستحکم ہو جاتا۔ یہ صحیح ہے کہ اس کے جانشین محمد تغلق کو ابتدا میں کثرت سے کامیابیاں حاصل ہوئیں اور سلطنت بہت زیادہ وسیع ہو گئی۔ لیکن چونکہ اس کے عہد میں بغاوتیں شروع ہو کر طوائف الملوکی کی بھی بنیاد پڑ گئی تھی اس لئے سلاطین دہلی میں یہ امتیاز صرف غیاث الدین ہی کو حاصل ہے کہ بحیثیت فرمانروائے ہندوستان ہونے کے سب سے زیادہ وسیع مملکت اس کی زیر نگیں تھی اور آخر تک وہ اس پر قابض بھی رہا۔

غیاث الدین کا زمانہ حکومت صرف چار سال اور چند ماہ رہا۔ ۷۲۵ھ میں اس نے انتقال کیا اور الغ خاں کو اپنا جانشین چھوڑ گیا۔

سلطان محمد بن تغلق شاہ

(۷۲۵ھ / ۲۶-۱۳۲۵ء — ۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء)

غیاث الدین تغلق کی وفات پر شاہزادہ جونا جسے الغ خاں بھی کہتے ہیں "سلطان المجاہد محمد بن تغلق" کا لقب اختیار کر کے ۷۲۵ھ میں تخت نشین ہوا۔

"سلطان غیاث الدین تغلق شاہ بادشاہ کریم و عادل بود و در طبیعت او ہمہ فراہمی و عمارت و آبادانی و دانائی و ہشیاری و عصمت و پاکی و پاکیزگی مجبول و مذکور بود دائماً خمس اوقات فرائض بجماعت گذاردی۔" (مبارک شاہی صفحہ ۹۲)

علمی شغف | محمد تغلق شیریں بیان اور فصیح مقرر تھا عربی و فارسی میں فی البدیہہ ایسے مراسلات تحریر کر دیتا کہ بڑے بڑے ماہرین فن متحیر ہو جاتے تھے اس کی ذہانت و فراست کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص کو دیکھتے ہی اس کے تمام محاسن و مصائب سے اس طرح آگاہ ہو جاتا جیسے کہ برسوں کے تجربہ کا نتیجہ ہو۔ علم تاریخ میں ایسی مہارت تھی کہ مشکل سے اس کے سامنے مورخ تک کو گفتگو کی جرأت ہوتی۔ حافظہ اس بلا کا پایا تھا کہ جو ایک بار دیکھ یا سن لیتا پھر وہ نقش کالحجر ہو جاتا۔ حکمت، نجوم، ریاضی و منطق میں تبحر کی یہ کیفیت تھی کہ دقیق ترین مسائل علمیہ

بات کی بات میں حل کر دیتا۔

"بعلوم حکمت و معقولات رغبت بنودی وسعد منطقی و عبید شاعر مولانا علیم الدین کہ از علمائے فلسفہ بودند در صحبت او بودند"

بدر چاچ ضیاء برنی مولانا ناصر الدین ملک قاضی فخر رکن عالم نصیر الدین چراغ دہلوی دربار کے روشن ستارے تھے۔ فن شاعری میں بھی اس کی جامعیت مشہور رہے، اسے نہ صرف قدماء کے کلام پر عبور حاصل تھا بلکہ خود بھی نہایت پاکیزہ شعر کہتا۔ فن طب کا ایسا مجتہدانہ ذوق رکھتا تھا کہ خود مریضوں کا علاج کرتا۔ فن کتابت میں بھی اسے ملکہ حاصل تھا۔

اسلام سے دلی لگاؤ اپنے مذہب کا حد درجہ احترام کرتا فرائض کے علاوہ نوافل و مستحبات بھی کبھی اس سے ترک نہ ہوتے تھے، شراب کو کبھی منھ نہیں لگایا۔ دیگر مشاغل لہو ولعب جو امرا و سلاطین کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کبھی اختیار نہیں کئے۔ بخشش وکرم کی یہ کیفیت تھی کہ[1] اگر کسی درویش کو خزانہ بھی اٹھا کر دیدیتا تو یہی سمجھتا کہ میں نے کچھ نہیں دیا، ممکن نہیں تھا کہ کسی بیوہ یا غریب و ضعیف کی فریاد اس تک پہونچ جائے۔ اور وہ اسے مالا مال نہ کر دے، عراق، وخراسان ماوراء النہر و ترکستان، روم و عربستان کے علماء، فضلاء، ماہرین فنون اس کے دربار میں کھنچے ہوئے چلے آرہے تھے اور وہ دونوں ہاتھوں سے

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ۹۹ ایضاً صفحہ ۱۰۰ فرشتہ جلد اول حالات محمد تغلق۔

زر و جواہر کی بارش ان پر کر رہا تھا۔

داد و دہش تاتار خاں والی سنار گاؤں کو جب اس نے بہرام خاں کا خطاب دیا تو اس کے ساتھ ایک ہی دن میں سو ہاتھی ہزار گھوڑے، اور ایک کروڑ تنکہ سُرخ (اشرفی) بھی مرحمت فرمائے۔ ملک سنجر بدخشانی کو اسی لاکھ تنکہ، ملک عماد الدین کو ستر لاکھ تنکہ اور مولانا ظفر الدین اپنے استاد کو چالیس لاکھ تنکہ ایک دن میں اٹھا کر دیدئے۔ اسی طرح مولانا ناصر الدین اور ملک غازی کو جو ایک فاضل شاعر تھا سالانہ لاکھوں تنکے انعام میں مرحمت کئے۔

جرأت و تدبر جرأت و بہادری، علوئے حوصلہ، پختگی عزم، رسوخ تدابیر کی صفات کا بادشاہ تھا، یہی وجہ کامیابی کی تھی۔

صاحب مسالک الابصار نے سراج الدین ابوالفتح عمرو (جو اودھ کا رہنے والا اور محمد تغلق کے دربار سے عرصہ تک متعلق رہا تھا) اور شیخ مبارک کے بیان سے اس عہد کے مفصل حالات لکھے ہیں کہ محمد تغلق کس شوکت و جبروت کا بادشاہ تھا اس کے دربار کا کیا آئین تھا اور اس کے زمانہ میں دہلی اور دیوگر (دولت آباد) کی رونق کا کیا عالم تھا؛ دولت آباد کا نام اس نے قبتہ الاسلام رکھا تھا اور کثرت سے عمارتیں تیار کر کر مخصوص جماعتوں کے قیام کے لئے شہر کو وقف کر دیا تھا علماء، فقراء، مشائخ، امراء، ملوک، خواتین، فوج، وزراء، تجار، پیشہ ور

لوگ، انگریز، نجار، جلاد وغیرہ کے لئے الگ الگ محلے مقرر کئے اور وہاں ان کے لئے مسجدیں، بازار، حمام، بھٹیاں اور ضرورت کے تمام عمارتیں قائم کرادیں۔ ہر محلہ گویا ایک مستقل قصبہ تھا۔

دہلی کا یہ حال تھا کہ یہاں چھوٹے اور بڑے مدارس ایک ہزار کے قریب تھے۔ اور ستر دارالشفاء تھے جن میں غربا کا علاج ہوتا تھا۔ ۲۰۰۰ مسجدیں تھیں اور خانقاہوں اور حماموں کا کوئی شمار نہ تھا۔ کنوئیں کثرت سے موجود تھے[1]

افسران حکومت درجہ بدرجہ خان، ملک، امیر، سپہ سالار، اور جنرل کہلاتے تھے۔ اور سواروں کی تعداد نولاکھ تھی جن میں ترک، ایرانی اور ہندوستانی لوگ شامل تھے ان کے گھوڑے عمدہ، وردی نفیس، اور اسلحہ کی حالت پسندیدہ تھی۔ ایک خان کی ماتحتی میں دس ہزار سوار اور ایک ملک کی ماتحتی میں ایک ہزار سوار ہوتے تھے۔ امیر سو سواروں کے دستہ کا افسر تھا۔ اور سپہ سالار اس سے کم درجہ کا۔ سپہ سالار بادشاہ کی حضوری میں نہیں جا سکتا تھا۔ ان کی تنخواہوں کی عوض میں جاگیریں مقرر تھیں۔ جن میں کبھی کمی نہ ہوتی تھی، ہر خان کو دو لاکھ تنکہ (ہر تنکہ آٹھ درم کے برابر) ہر ملک کو پچاس اور ساٹھ ہزار تنکہ کے درمیان ہر امیر کو تیس اور چالیس ہزار تنکہ کے درمیان اور سپہ سالار کے بیس ہزار تنکہ کی جاگیر اس کے ذاتی مصارف کے لئے مقرر تھی۔ سپاہیوں اور مملوکوں

---

[1] صبح الاعشیٰ۔

کی تنخواہ علاوہ خوراک، لباس اور مصارف اسپ کے ۵۰۰ تنکہ مقرر تھی جو خزانہ شاہی سے نقد ملتی تھی۔

غلاموں کو دس تنکہ ماہوار تنخواہ دی جاتی تھی، اور چار جوڑے کپڑے ہر سال مرحمت ہوتے اس کے علاوہ ماہوار دو من گیہوں اور چاول اور روزانہ تین سیر گوشت معہ ضروری سامان گھی اور مسالہ وغیرہ کے ہر غلام کے لئے مقرر تھا۔

کارخانہ جات

سلطان کا ایک ذاتی کارخانہ کپڑا بننے کا تھا جس میں چار سو آدمی ہر قسم کا ریشمی کپڑا بنا کرتے تھے۔ اس کارخانہ میں جو کپڑے تیار ہوتے۔ ان سے خلعت وغیرہ بھی تیار کئے جاتے۔ سلطان ہر سال موسم بہار میں ایک لاکھ اور موسم خزاں میں ایک لاکھ خلعت تقسیم کرتا۔ موسم بہار کی خلعتیں اسکندریہ کے ریشمی کپڑوں کی ہوتیں اور موسم خزاں کے خلعت دہلی یا چین و عراق کے کپڑے کی تیار کی جاتیں۔ خلعتیں، خانقاہوں میں مشائخ و علماء وغیرہ کو بھی تقسیم کی جاتی تھیں۔

صرف سلطان کے ذاتی کارخانے زردوزی اور کارچوب کے ۵۰۰ تھے جن میں خواتین حرم و دیگر معزز خواتین کے لئے ہر وقت کام ہوتا رہتا تھا۔

سلطان ہر سال دس ہزار عرب گھوڑے نہایت اچھی نسل کے معہ ساز و یراق کے امراء کو تقسیم کرتا تھا اور معمولی گھوڑوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔

نائب وارکان سلطنت

سلطان کا ایک نائب تھا جو خوانین سے منتخب کیا جاتا تھا۔ اس کی جاگیر کا رقبہ صوبۂ عراق سے کم نہ تھا۔ اسی طرح ایک وزیر بھی تھا۔ وزیر کی ماتحتی میں چار اس کے سکرٹری ہوتے تھے جن کی جاگیر بیس ہزار اور چالیس ہزار تنکہ کے درمیان ہوتی تھی۔ علاوہ ان کے چار دبیر (میر منشی) بھی ہوتے تھے۔ ہر دبیر کے ماتحت ۳۰۰ محرر۔ بعض محرروں کی جاگیر بھی تھی اور نقد تنخواہ بھی۔

ارکان عدالت عالیہ

قاضی القضاۃ کا بھی عہدہ ہوتا تھا جسے صدر جہاں اور اسلام بھی کہتے تھے اس کی جاگیر میں دس قصبات ہوتے تھے جن کی آمدنی ساٹھ ہزار تنکہ سے کم نہ ہوتی تھی۔ ایک عہدہ شیخ الاسلام کا بھی تھا اور اس کی جاگیر بھی اسی قدر ہوتی تھی۔ صدر جہاں کا کام مقدمات کی سماعت اور احکام سزا وغیرہ دینا تھا۔ اور شیخ الاسلام صرف قاضی تھا جو شرع کے مطابق مسائل عامہ طے کیا کرتا تھا۔ ایک عہدہ محتسب (کوتوال) کا بھی تھا اس کی تنخواہ ۸۰۰۰ تنکہ تھی۔ سلطان کے دربار میں ۲۰۰ طبیب تھے اور دس ہزار شکاری جو گھوڑوں پر سوار ہو کر ہاتھوں پر باز اور شاہین بٹھائے ہوئے نکلتے تھے۔ ۳۰۰ ہانکہ کرنے والے (سواف) بھی تھے اور علاوہ ان کے تین ہزار ایسے لوگ بھی تھے جو اس شکار کی تمام اور ضروریات کو مہیا کرتے تھے[۱]

[۱] نگار تاریخ ہند نمبر از علامہ نیاز فتح پوری و معارف نمبر جلد -

دربار سے متعلق ندیم و مصاحب مغنی و مغنیات ۱۲۰۰ ان میں ایک ہزار غلام فن موسیقی میں کمال رکھتے تھے۔ سلطان کے دسترخوان پر ۵۰۰ امرار کھانے میں شریک ہوتے۔ ایک ہزار شاعر بھی دربار سے متعلق تھے جن میں سے بعض عربی، فارسی اور ہندی زبان میں شاعری کرتے ان مغنیوں اور شعرار میں بعض کی بڑی بڑی جاگیریں مقرر تھیں اور بعض نقد تنخواہیں بیس ہزار سے ۴۰ ہزار تنکہ تک پاتے تھے انعام و اکرام اس کے علاوہ تھا۔

معمولات سلطان روزانہ صبح وشام دربار کرتا تھا۔ اور اس کے بعد کھانا ہوتا تھا جس میں بیس ہزار خواتین وسلوک امرار وارکین شامل ہوتے تھے خاص بادشاہ کے دسترخوان پر بڑے بڑے علمار (جن کی تعداد ۲۰۰ تھی) بیٹھتے تھے اور بادشاہ کھانے کے دوران میں ان سے علمی مباحث پر گفتگو کیا کرتا تھا۔

شیخ ابو بکر بن خلال کا بیان ہے کہ شاہی مطبخ کے لئے روزانہ ۲۵۰۰ بیل یا گائے اور ۲۰۰ بکریاں ذبح ہوتی تھیں۔ چڑیوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔

فوج اور رعایا کا انتظام نائب السلطان کے سپرد تھا علمار، و فقہار، ہندی ہو یا اجنبی سب کا تعلق صدر جہاں سے تھا۔ اسی طرح مشائخ و فقرار کا معاملہ شیخ الاسلام کی وساطت سے طے ہوتا تھا سیاحین وسفرار، شعرار و دیگر اہل کمال و بیروں (سکریٹریوں) سے متعلق تھے۔

جب بادشاہ شکار کو جاتا تو ایک لاکھ سوار اور ۲۰۰ ہاتھی اس کے

جلو میں ہوتے۔لکڑی کے سفری مکان دو دو منزل کے ساتھ ہوتے جنہیں دو سو اونٹ کھینچتے۔ خیمے اور قناتیں وغیرہ بھی کثرت سے ساتھ ہوتیں۔

جب بادشاہ ایک مقام سے کسی دوسرے مقام پر کسی غرض سے سفر کرتا تو تیس ہزار سوار، ۲۰۰ ہاتھی اور ایک ہزار کوتل گھوڑے جو اہر کار ساز و یراق سے آراستہ ہمراہ ہوتے۔

اخلاقی زندگی سلطان بہت منکسر مزاج تھا۔ ابو الصفا عمرو بن اسحاق کا بیان ہے کہ خود اس نے بادشاہ کو ایک فقیر کے جنازہ کو کاندھا دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ کلام مجید کا حافظ تھا۔ اور شرع حنفی کی تمام کتابوں پر اس کو پورا عبور تھا۔ وہ علمائے کبار سے برابر مسائل علمیہ میں مباحثہ کرتا۔ شعر و شاعری میں حد درجہ پاکیزہ مذاق رکھتا اور فن کتابت کا زبردست ماہر تھا۔[۱]

شراب کا رواج کہیں نہ تھا۔ بادشاہ کو اس سے سخت نفرت تھی۔ اور یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص ایک قطرہ شراب کا اپنے مکان میں رکھ لے۔ پان کا رواج عام تھا اور اس کی ممانعت بھی نہ تھی۔

برید خبر رسانی کا انتظام بھی نہایت مکمل تھا۔ علاوہ جاسوسوں کے ڈاک کی آمد و روانگی کے لئے ہرکارے بھی مقرر تھے۔ ہر محکمہ میں شاہی جاسوس حالات معلوم کرتے تھے۔ اور خبریں اپنے افسران کے ذریعہ سے بادشاہ تک پہونچاتے تھے۔ دور دراز مقامات کے حالات ڈاک کے ذریعہ

---

[۱] صبح الاعشیٰ جلد ۵ صفحہ ۶۹ از قلقشندی، فرشتہ جلد ۱ حالات محمد تغلق

سے پہونچتے تھے۔

ابن بطوطہ نے برید کا طریقہ زیادہ تفصیل کے ساتھ ڈاک کے انتظامی حالات بیان کئے ہیں وہ سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "اس وقت ڈاک دو قسم کی تھی ایک بریدالخیل (گھوڑے کی ڈاک) دوسری بریدالرجال (قاصدوں یا ہرکاروں کی ڈاک) ہر میل کے اندر تین چوکیاں ڈاک کی ہوتی ہیں۔ یہاں ہرکارے متعین ہوتے ہیں جس وقت کسی ہرکارے کے پاس ڈاک پہونچتی ہے وہ فوراً اپنی کمر کستا ہے اور ایک ہاتھ میں ڈاک اور دوسرے میں گھونگھرودار چابک لئے ہوئے جسے وہ راستہ بھر بجاتا جاتا ہے، دوسری چوکی کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہاں کا ہرکارہ آگے لیجاتا ہے۔ اسی ڈاک کے ذریعہ سے خراساں کے میوے، طباقوں کے اندر رکھ کر روزانہ بادشاہ کے پاس پہونچتے تھے۔ اور گنگا کا پانی بھی چالیس دن کے راستہ سے شاہی استعمال کے لئے اسی ذریعہ سے روزانہ پہونچتا تھا۔[1]

جب کوئی اجنبی ہندوستان آتا تو انہیں ہرکاروں کے ذریعہ سے بادشاہ کو فوراً معلوم ہو جاتا کہ فلاں شخص اس شکل و حلیہ اس صورت و لباس کا فلاں مقام پر آیا ہے۔ اور اس کے متعلق مناسب احکام صادر کئے جاتے۔ خاص خاص قیدی بھی ڈاک ہی کے ذریعہ سے بادشاہ تک پہونچائے جاتے تھے۔

سکہ اور اوزان ایک درہم ہشت کانی، چار درہم سلطانی کے برابر سمجھا جاتا تھا جنہیں دو کانی بھی کہتے تھے۔ ایک سکہ

[1] عجائب الاسفار

نصف درہم سلطانی کا بھی تھا جس کو یکانی کہتے تھے اور اس کی قیمت ایک جیتل تھی۔ ایک درہم کا نام دوازدہ کانی بھی تھا جو ڈیڑھ ہشت کانی کے برابر تھا۔ ایک سکہ شانزدہ کانی بھی تھا جس کی قیمت دو درہم کے برابر تھی۔ کل چھ نقرئی سکے اس وقت رائج تھے شانزدکانی، دوازدہ کانی، ہشتکانی، ششکانی، سلطانی، اور یکانی درہم سلطانی ۸ فلوس (پیسو) کے برابر تھا اور جیتل چار فلوس کے برابر۔ درہم ہشتکانی کے ۳۲ فلوس ملتے تھے۔ سیر، ستر مثقال کا تھا۔ اور ایک من چالیس کا ہوتا تھا۔

غلہ ایک من گیہوں ڈیڑھ ہشتکانی میں ملتا تھا، ایک من جو ایک درہم میں چاول ایک درہم میں ۲ من مٹر اور چنا ایک درہم ہشتکانی میں دو من ملتا تھا، گوشت بکری کا ایک درہم سلطانی میں ۲ سیر ملتا تھا، بڑی بطخ دو درہم ہشتکانی میں ملتی تھی، اور ایک ہشتکانی کی چار مرغیاں فروخت ہوتی تھیں، شکر ایک ایک ہشتکانی میں ۵ سیر ملتی تھی، اور نہایت نفیس اور فربہ بھیڑ ایک تنکہ میں۔ اسی طرح ایک عمدہ بیل دو تنکہ میں فروخت ہوتا تھا۔

ابن بطوطہ نے جو حالات دربار وغیرہ کے لکھے ہیں وہ بھی نہایت دلچسپ ہیں اس لئے مختصر الفاظ میں ان کا اظہار یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لکھتا ہے کہ:۔

"سلطان نے جو قصر دہلی میں تعمیر کرایا ہے اس کا نام دارالسرا ہے اور اس میں متعدد دروازے ہیں پہلے دروازہ پر محافظ فوج کا ایک دستہ

ہر وقت متعین رہتا ہے۔ اور نقارے، نفیریاں اور قرنا وغیرہ بھی موجود رہتے ہیں جو امرائے کبار کی آمد پر بجائے جاتے ہیں، یہی حال دوسرے اور تیسرے دروازہ کا ہے۔ آخری دروازہ کے بعد قصر ہزار ستون[1] ملتا ہے جہاں بادشاہ لوگوں سے ملاقات کرتا ہے، نقیبوں کے سر پر زریں دستار، کمر میں پٹکا، ہاتھ میں طلائی یا نقرئی دستہ کا کوڑا رکھنا ضروری ہے، نقیبِ اعظم کے ہاتھ میں سونے کی جریب ہوتی ہے اور سر پر زریں کلاہ جس میں جواہر جگمگاتے رہتے ہیں۔

دربار دربار کی نشست اکثر عصر کے بعد ہوتی ہے۔ ایک چبوترہ پر سفید فرش بچھا کر اس پر شاہی تخت رکھا جاتا ہے۔ جب بادشاہ برآمد ہو کر اپنی نشست پر جاتا ہے تو تمام نقیب اور حاجب باآوازِ بلند بسم اللہ کہتے ہیں اور ملک کبیر چنور لے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ سلطان کے دائیں اور بائیں جانب سو سو مسلح سپاہی کھڑے ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں میں تلواریں اور شانوں پر کمانیں ہوتی ہیں۔ تمام امراء درجہ بدرجہ بٹھلائے جاتے ہیں، یہاں ساٹھ گھوڑے کوتل بھی جواہر کار ساز و براق کے ساتھ رہتے ہیں۔ گھوڑوں کے بعد پچاس ہاتھی کھڑے ہوتے ہیں ان کی جھولیں حریر کی ہوتی ہیں جن پر زردوزی کا کام ہوتا ہے۔ اور ان کے دانتوں پر لوہے کا خول چڑھا رہتا ہے، ان ہاتھیوں پر ہودہ

---

[1] قصر ہزار ستون کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں ایک ہزار چوبی ستون لگے ہوئے تھے اس قصر کی چھت بھی لکڑی کی تھی۔

ہوتا اور ہر ہودہ پر چار علم بھی ہوتے ہیں۔

جلوس عید عید کی صبح کو ہاتھی آراستہ کئے جاتے ہیں اور ان پر جواہر کار زردوزی کی جھولیں ڈالی جاتی ہیں۔ سولہ ہاتھی بادشاہ کی سواری کے لئے مخصوص ہیں جن پر مرصع چھتر ہوتے ہیں، چھتر کی ڈنڈی خالص سونے کی ہوتی ہے۔ بادشاہ جس ہاتھی پر سوار ہوتا ہے اس کی مستک پر ایک روشن ستارہ جواہرات کا لگا دیا جاتا ہے اس ہاتھی کے آگے غلاموں کی قطار ہوتی ہے جن کے سروں پر سونے کی کلغیاں ہوتی ہیں۔ اور کمر میں جواہر کار پٹکے۔ ان کے آگے ۳۰۰ نقیب ہوتے ہیں جو سر سے پاؤں تک زر و جواہر سے لدے رہتے ہیں۔ انکے آگے امراء ہاتھیوں اور گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اور پھر فوج اور ماہی مراتب عیدگاہ کے دروازہ پر پہونچ کر ٹھیر جاتا ہے۔ اور جب تمام علماء و امراء اندر چلے جاتے ہیں تو پھر خود ہاتھی سے اتر کر اندر جاتا اور نماز سے فارغ ہو کر اونٹ کی قربانی کرتا ہے۔

عید کے دربار میں حد درجہ تزک و احتشام سے کام لیا جاتا، جس کا بیان ابن بطوطہ نے نہایت تفصیل سے کیا ہے، لیکن ہم اس کا ذکر یہاں نہیں کرتے بیان ماسبق سے اس کی شان و شوکت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

جب بادشاہ کسی سفر سے واپس آتا تو ہاتھی آراستہ کیے جاتے اور سولہ ہاتھیوں پر جواہر کار ہودے رکھے جاتے، ہر ایک کی مستک پر

ایک ستارہ لگایا جاتا جس میں موتی و الماس ٹنکے ہوتے، علاوہ انکے
کئی کئی منزل کے چوبی قبّے بنائے جاتے اور ان پر ریشمی کپڑا لپیٹ
دیا جاتا، ان قبوں کی ہر منزل میں خوبصورت کنیزیں پُر تکلف لباس
اور قیمتی زیور پہنے ہوئے نغمہ و رقص میں مصروف نظر آتیں۔ راستہ میں
تمام ریشمی فرش ہوتا اور اس پر سے سلطان کی سواری گزرتی، شہر کے
دروازہ سے لیکر قصر کے دروازہ تک راستے آراستہ کیے جاتے، اور ان پر
بھی ریشمی فرش کیا جاتا، بادشاہ کے آگے ہزار غلام ہوتے اور پیچھے فوج
کے دستے، بادشاہ جس وقت شہر کے اندر داخل ہوتا تو دینار و درم کی
بارش ہونے لگتی تھی۔ غربا انہیں لوٹتے تھے اور سلطان اس حال میں
قصر کے اندر داخل ہو جاتا۔

طعام طریق طعام یہ تھا کہ جب مطبخ سے کھانا چلتا تو نقیب باآواز
بلند بسم اللہ کہتے ہوئے آگے ہوتے جب کھانا بادشاہ کے
قریب پہونچ جاتا تو سوائے بادشاہ کے سب کھڑے ہو جاتے اور
کھانا فرش پر چنا جاتا۔ اس کے بعد نقیب اعظم بادشاہ کی مدح و
تعریف کرتا اور تمام نقیب بادشاہ کو مجرا کر کے ہٹ جاتے پھر بادشاہ کے
سامنے تمام حاضرین کی فہرست پڑھی جاتی، اور اس کے بعد کھانا کھایا
جاتا، صدر دستر خوان پر فقہاء و علماء، یا قضاۃ و مشائخ ہوتے۔ اس کے
بعد بادشاہ کے اقارب و امراء کبار اور پھر تمام آدمی اپنی اپنی معین جگہ
پر بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد شراب دار سونے چاندی کے برتن لیے ہوئے

آتے جن میں مصری کا شربت ہوتا، پہلے یہ پی لیا جاتا، اس کے بعد کھانا شروع کیا جاتا، فراغتِ طعام کے بعد جَو اور موہز کا افشردہ پینے کو دیا جاتا، اور پھر ریشمی تاگہ سے بندھی ہوئی پان کی گلوریاں تقسیم ہوتیں۔

عدل سلطان عدل و انصاف کے معاملہ میں بہت سخت تھا، حتیٰ کہ وہ اپنے وجود کو بھی اس سے مستثنیٰ نہ سمجھتا تھا، ایک بار کسی ہندو امیر نے قاضی کے ہاں نالش کی کہ سلطان نے اس کے بھائی کو بے سبب قتل کر ڈالا ہے۔ قاضی نے سلطان کو طلب کیا چنانچہ یہ گیا اور قاضی کو سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔ جب قاضی نے بیٹھنے کی اجازت دی تو بیٹھا۔ اور اس وقت تک عدالت سے باہر نہ گیا جب تک مدعی راضی نہیں ہو گیا[1]

محمد تغلق اپنی صفات کے لحاظ سے ایک سب سے مکمل حکمراں تھا، عزم و استقلال، سطوت و جبروت، بذل و کرم، زہد و اتقاء، شجاعت و بسالت اس میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں، وہ خود تمام امور کا انتظام کرتا، قوانین نافذ کرتا، اور خود اپنے کو بھی اس سے مستثنیٰ نہ سمجھتا، خود میدان میں فوج کے ساتھ جاتا اور دشمن کا مقابلہ کرتا لیکن باوجود ان تمام باتوں کے وہ کامیاب بادشاہ ثابت نہ ہوا۔

فتوحات تخت نشین ہوتے ہی وہ ایک سیلاب کی طرح تمام دور دراز علاقوں پر چھا گیا اور سلسلہ فتوحات شروع ہوا تو

[1] ابن بطوطہ (تاریخ ہندوستان مولوی ذکاء اللہ) ۱۴۷ - ۱۵۶

گجرات، مالوہ، تلنگانہ، جھجر، اور سمندر، لکھنوتی، (بنگال) ست گاؤں (چٹگام) کرناٹک، ورنگل یکے بعد دیگرے اس کے قبضے میں آ گئے۔

بغاوت اس کی وہی رعایا جس پر وہ اپنی دولت بیدریغ صرف کیا کرتا تھا، اس سے متنفر ہو گئی، تمام دور دراز کے صوبے سوائے گجرات کے خود مختار ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب ۲۶ سال کے بعد وہ ساحلِ سندھ پر دم توڑ رہا تھا تو اس کی ساری سلطنت میں شورش بپا تھی اور ہنگامہ و بغاوت سے سارا انتظام حکومت متزلزل ہو رہا تھا۔

اسباب ناکامی جس وقت غیاث الدین تغلق کا انتقال ہوا تو خزانہ شاہی معمور تھا، اور سلطنت کی حالت نہایت اچھی تھی، لیکن اس میں کلام نہیں کہ محمد تغلق کے عزائم اور جذبات بذل و سخا کو دیکھتے ہوئے خزانہ اور حکومت کی تمام موجودات بہت کم تھیں۔ محمد تغلق نے تخت نشین ہوتے ہی، جو نصب العین مقرر کیا وہ یہ تھا کہ ساری دنیا اس کے قبضہ میں چلی آئے اور لوگوں کو اتنی دولت تقسیم کر دے کہ کوئی شخص محتاج و غریب نہ رہے چنانچہ اس نے بیدریغ دولت لٹانی شروع کر دی اور تسخیر ایران، و چین کے لئے کثیر افواج فراہم کرکے اور بھی خزانہ کو خالی کر دیا چونکہ روپیہ برابر صرف ہو رہا تھا اور آمدنی کم تھی۔ اس لئے محمد تغلق نے اس کے لئے دو تدبیریں اختیار کیں ایک یہ کہ دوآبہ کے خراج میں ۵ و ۱۰ فیصدی اور اضافہ کر دیا خراج سے رعایا سخت بددل ہو گئی اور کاشت کاروں نے کاشت چھوڑ دی۔ بادشاہ نے نہایت

سختی سے خراج وصول کرنے کا حکم دیا۔ عمال نے تشدد سے کام لے کر خراج وصول کرنا شروع کر دیا اور رعایا بھاگ نکلی، گاؤں ویران ہو گئے زراعت بالکل مسدود ہو گئی۔ سارا ملک تباہ ہو گیا، اسی وقت نہایت سخت قحط پڑ گیا جس نے ان تباہیوں میں اور اضافہ کر دیا، ہر چند محمد تغلق نے انسداد گرانی کے لئے پوری کوشش کی اور شاہی ذخیرہ سے لوگوں کو غلہ تقسیم کیا گیا۔ ان تدابیر سے مصیبت دور نہیں ہو سکی، چنانچہ خراج کی تدبیر سخت ناکام ثابت ہوئی پھر سلطان نے اس امر کی کوشش کی کہ ویران گاؤں آباد ہو جائیں۔ کاشت کی حالت بہتر ہو جائے اور اس کے لئے اس نے خزانۂ شاہی سے ستر لاکھ تنکہ بطور تقاوی کے رعایا کو تقسیم کیا، لیکن کارکنوں نے بہت کچھ اس میں سے خود غصب کر لیا، تھوڑا بہت جو رعایا کو ملا بھی اس میں سے ہزارواں حصہ بھی خزانہ میں نہ آسکا، اب چونکہ خزانہ بالکل خالی ہو چکا تھا اور روپیہ کی ضرورت شدید تھی، اس لئے سلطان نے خیال کیا کہ سکّہ کی قیمت بڑھا دینی چاہیے۔ اور اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر اس نے تانبہ کا سکہ بجائے طلائی سکّہ کے جاری کیا۔ لیکن اس تدبیر نے اور زیادہ نقصان پہونچایا، چونکہ دارالضرب میں سکہ ڈھالنے کا کوئی ایسا مخصوص طریقہ نہ تھا کہ عام طور سے لوگ اس کی نقل نہ کر سکیں اس لئے تمام ملک میں گھر گھر خفیہ ٹکسالیں قائم ہو گئیں اور لوگوں نے کروڑوں سکّے تانبہ کے بنا کر بازار میں سونے چاندی کے ہم وزن سکوں سے بدلنا شروع کئے، اس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ تمام تاجر، زمیندار، گاؤں کے مکھیا اور ہندو راجہ دولتمند ہو گئے اور خزانہ شاہی خالی ہونے لگا۔ آخرکار سلطان نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور مجبوراً اس سکہ کے رواج کو بھی مسدود کرنا پڑا۔ اس سے انکار نہیں۔ سلطان خودرائے تھا اور طبیعت میں سختی تھی۔ بلا مشورہ کے جو کام کئے اس کا ہی یہ نتیجہ تھا جو رونما ہوا۔

جب سلطان کو اپنی ان تدابیر میں ناکامیابی ہوئی تو ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح وہ سخت غضبناک ہو گیا اور بات بات میں قتل کرا دیتا اس کے دربار کا معمولی منظر ہو گیا چنانچہ ابن بطوطہ نے اس کے دربار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر شاہی قصر کے کسی دروازہ پر بارش انعام ہوتی ہوگی تو دوسرے دروازہ پر تم کسی لاش کو بھی ضرور پھڑکتے ہوئے دیکھو گے۔

پھر چونکہ محمد تغلق کی بے برہمی، ہر ناکامی کے ساتھ روزانہ بڑھتی جارہی تھی اور تمام رعایا اس سے متاثر ہو رہی تھی۔ اس لئے رفتہ رفتہ اس کی طرف سے بدولی عام ہو گئی اور اس کے تمام امراء و اراکین میں بغاوت کے جذبات پیدا ہو گئے۔

نیا دارالحکومت دہلی سے پایہ تخت بدل کر دیوگیر (دولت آباد) قائم کرنا بجائے خود ایک عمدہ تجویز تھی، کیونکہ دیوگیر درمیان میں واقع تھا، اور یہاں سے مختلف صوبوں پر اقتدار آسانی سے قائم رہ سکتا تھا لیکن اس کا یہ حکم دینا کہ تین دن کے اندر دہلی کی تمام آبادی معہ اپنے اسباب کے دیوگیر منتقل ہو جائے، اور ایک متنفس بھی یہاں

باقی نہ رہے، یہ جابرانہ حکم تھا اور اس میں شک نہیں کہ جہاں اور اسباب امراء و اراکین کی بددلی کے تھے انہیں میں سے یہ بھی ایک قوی سبب تھا۔

یہاں ایک امر اور قابل غور ہے کہ جن صوبوں نے اس کے عہد میں بغاوت کی ان میں سے اکثر وہی تھے جو اس کے مقرر کئے ہوئے تھے، پھر جو انہوں نے بغاوت کر کے خود سری اختیار کی تو اس کی وجہ کچھ اور بھی تھی۔ وہ یہ کہ غلام خاندان کے زمانہ میں صوبہ کے گورنر جاگیردار ہوتے تھے اور چونکہ وہ خود بھی اپنے بادشاہوں کی طرح ترک نژاد تھے۔ اس لئے سلطنت کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ جب ان ترک فرمانرواؤں کے بعد خلجیوں کا دور شروع ہوا تو ان بھی نظام میں کچھ تغیر پیدا ہوا لیکن نہ اس قدر، کیونکہ خلجی سلطنت کے زمانہ میں صوبوں کے گورنر پھر بھی مرکزی حکومت سے قریب کا تعلق رکھتے تھے۔ لیکن جب عہد تغلق شروع ہوا تو یہ تعلقات بالکل ختم ہو گئے۔ اور صوبوں کی حکومت اجنبی سرداروں (ایرانیوں، خراسانیوں، تغلقوں، افغانوں) کے سپرد کی گئی جو بادشاہ سے نہ خون کا تعلق رکھتے تھے نہ قومیت کا، بادشاہ جس قدر ان پر انعامات کی بارش کرتا جاتا تھا، ان کی طمع بڑھتی جاتی تھی اور یہ خود اپنی خود مختار سلطنتیں قائم کر لینی چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ محمد تغلق کی وسیع سلطنت (ایسی وسیع کہ پھر دو صدی بعد تک ایسی وسعت حاصل نہ ہو سکی) ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منتشر ہو گئی۔ ہر چند ان بغاوتوں کے فرو کرنے میں بادشاہ نے پوری کوشش کی اور وہ کامیاب بھی ہوا لیکن ظاہر ہے کہ وہ ہر جگہ

نہ پہونچ سکتا تھا۔ اور وہاں حالت یہ تھی کہ آج ملتان باغی ہوا تو کل بنگال کل لاہور میں فتنہ اٹھا تو پرسوں ورنگل میں۔ اس وقت اودھ کی بغاوت کی خبر ملی تو دوسرے وقت گجرات کی۔ بادشاہ کہاں کہاں پہونچ سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض صوبے جن میں بنگال اور دکن بھی شامل تھے بالکل خود مختار ہو گئے اور پھر کبھی تغلق سلطنت میں شامل نہ ہو سکے"[1]

سلطان محمد تغلق نے ۲۶ سال تک حکومت کی اور اس میں شک نہیں کہ ابتدائی زمانہ باعتبار وضع قوانین نظم سلطنت، کثرت فتوحات، ایک یادگار زمانہ تاریخ ہند کا شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اسباب کی وجہ سے جن کا اجمالی بیان ہم نے کیا ہے اس کا درمیانی اور آخری عہد درجہ اضطراب واضطرار میں بسر ہوا۔ جس سال وہ مرنے والا تھا اسی سال سندھ میں بغاوت رونما ہوئی۔ محرم کا مہینہ تھا کہ اس نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور بے شمار افواج لئے ہوئے ٹھٹھہ کی طرف بڑھا۔

وفات محرم ۷۵۲ھ (۱۳۵۰ء) کی دسویں تاریخ تھی اور ٹھٹھہ صرف تیس کوس رہ گیا تھا کہ شام کو روزہ افطار کرنے کے بعد اس نے مچھلی کھائی۔ طبیعت پہلے سے بھی کچھ خراب تھی۔ اس بد پرہیزی سے بخار بڑھ گیا۔ لیکن سلطان نے سفر کو ملتوی نہیں کیا اور تیسرے دن ٹھٹھہ سے صرف چودہ کوس کا فصل رہ گیا تھا کہ بادشاہ کی حالت زیادہ خراب ہو گئی اور مجبوراً حملہ ملتوی کرنا

---

[1] (ملخص اسلامی ہند)

پڑا۔ ایک ہفتہ تک سلطان اسی حالت میں مبتلا رہا یہاں تک کہ ۲۱ر محرم کو دریائے سندھ کے ساحل پر اس نے انتقال کیا اور اس طرح خاندان تغلق کے اس جلیل القدر بادشاہ کا عہدِ حکومت ختم ہو گیا۔ جس کا مثل تاریخ ہندوستان پھر کوئی اور پیدا نہ کر سکی[1]

---

[1] طبقات اکبری ۹۵ - ۱۱۳

سلطان فیروز شاہ

۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء = ۷۹۰ھ / ۱۳۸۸ء

محمد تغلق نے اپنے بعد کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی تھی اور اپنے آخری وقت میں وہ "فیروز شاہ" کی تخت نشینی کے لئے وصیت کر گیا تھا۔ اس لئے ۲۴ محرم ۷۵۲ھ کو وہیں وادیِ سندھ کے اندر تمام امراء کے انتخاب و اصرار سے تخت نشین ہوا۔ اور باغیوں کی سرکوبی کے بعد دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ ہر چند اس تخت نشینی پر "تغلق شاہ" کی لڑکی خداوند زادہ" (داور الملک کی ماں) کی طرف سے اعتراض ہوا کہ بھانجے کے ہوتے ہوئے برادر عم زاد کا کوئی حق نہیں ہے، لیکن امراء نے خداوند زادہ کو سمجھایا کہ داور الملک حکومت کا اہل نہیں ہے اور اس وقت جب کہ ہم لوگ دہلی سے بہت بعید فاصلہ پر ہیں اور مغلوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے، کسی ہوشیار اور قابل دماغ کی ضرورت ہے۔ اسلئے فیروز شاہ کا تخت نشین ہونا ہر طرح مناسب ہے۔ ہاں داور الملک تو اسکو نائب باربک بنا دیا جائے گا۔ یہ سن کر "خداوند زادہ" خاموش ہو گئی۔ اور پھر "فیروز شاہ" کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی، سوائے اس کے کہ "خواجہ جہاں" نے دہلی میں "محمد تغلق شاہ" کا حال معلوم کر کے اس کا ایک فرضی بیٹا قرار دیکر تخت نشین کر دیا تھا۔ (سو اس کے متعلق بھی

شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں مفصل حالات لکھکر ثابت کیا کہ اس طرز عمل میں خواجہ جہاں کی کوئی بدنیتی شامل نہ تھی لیکن فیروز شاہ بغیر کسی مقابلہ کے دہلی میں داخل ہوا اور محل میں جا کر خداوند زادہ کے قدموں پر گر پڑا۔ اس نے فیروز کے سر پہ تاج رکھا اور اس کے بعد اکیس دن تک جشن شاہانہ منایا گیا۔

اخلاقی زندگی

سلطان فیروز حد درجہ رحیم المزاج، نیک نفس، پابند مذہب بادشاہ تھا۔ اور وہ خونریزی سے بچتا تھا۔ اس نے خود فتوحات "فیروز شاہی" میں جا بجا اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے جور و ظلم سے پناہ مانگی ہے اور اس نے اپنا نصب العین یہی بتایا ہے کہ ملک میں ہر طرف امن و سکون نظر آئے خونریزی مفقود ہو جائے۔ رعایا خوش حال رہے، اور اس کی طرف سے کسی کو ایذا نہ پہونچے۔"

جب فیروز شاہ جشن سے فارغ ہوا تو "خواجہ فخر شادی" نے جو سلطنت کا محاسب اعظم تھا۔ ایک فہرست پیش کی کہ خواجہ جہاں نے فلاں فلاں لوگوں کو اس قدر زر و جواہر تقسیم کیا تھا اور محمد شاہ تغلق نے جو دو کروڑ تنکہ تقاوی تقسیم کرنے کی غرض سے دیا تھا، اس میں سے فلاں فلاں کو اتنا ملا ہے۔ فیروز شاہ نے قوام الملک خاں جہاں سے رائے طلب کی۔ اس نے کہا کہ جب کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے، تو وہ گزشتہ تقصیریں لوگوں کی معاف کر دیتا ہے۔ اگر

"محمد شاہ تغلق" کی تقسیم کردہ تقاوی اور "خواجہ جہاں" کے لٹائے ہوئے زر و جواہر کا مطالبہ کیا جائے گا، تو لوگ بددل ہو جائیں گے۔ اور وصولیات کچھ نہ ہو گا۔ فیروز شاہ نے اس رائے کو پسند کیا اور اسی وقت تمام کاغذات جن میں حساب درج تھا مجمع عام میں جلا کر نیست و نابود کر دئے اور ہر شخص اپنی جگہ پر مطمئن ہو گیا"

چنانچہ وہ خود فتوحات فیروز شاہی میں لکھتا ہے کہ:-

(۱) مجھ سے قبل بہت سے ناجائز اور نامشروع ٹیکس قائم تھے۔ میں نے ان کو ایک قلم منسوخ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ صرف شرع کے مطابق خراج وصول کیا جائے یعنی زمین مزروعہ کی پیداوار کا دسواں حصہ، معدنی پیداوار کا ایک خُمس، اور مسلمانوں کی صدقہ و زکوٰۃ کی رقم خزانہ میں داخل ہونی چاہیئے۔

(۲) میرے عہد سے پہلے مال غنیمت کا پانچواں حصہ سپاہیوں کو دیا جاتا تھا۔ باقی خزانہ میں داخل ہوتا تھا۔ میں نے اس کو بھی موقوف کیا کیونکہ حکم شرعی اس کے بالکل خلاف تھا۔ چنانچہ میں نے ہمیشہ خزانہ میں مال غنیمت کا ایک خُمس داخل کیا اور باقی سپاہیوں کو تقسیم کر دیا۔

(۳) شرع کے خلاف مسلمانوں میں عام طور سے یہ رواج ہو گیا تھا کہ ان کی عورتیں شہر کے باہر مزاروں پر جاتی تھیں، چونکہ اوباشوں کو بدمعاشی کا زیادہ موقع ملتا تھا اس لئے میں نے حکم دیا کہ آئندہ جو عورت مزاروں پر جائے گی اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ چنانچہ

یہ دستور بالکل موقوف ہو گیا۔

(۴) مجھ سے قبل یہ دستور تھا کہ شاہی دسترخوان پر سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھایا جاتا تھا۔ اور تلواروں کے قبضے وغیرہ زر و جواہر سے مرصع ہوتے تھے۔ میں نے ان باتوں کو ممنوع قرار دیا۔ اور حکم دیا کہ ہتھیاروں میں صرف ہڈیوں کے دستے لگائے جائیں اور ظروف نقرئی و طلائی کا استعمال یک قلم موقوف کر دیا جائے۔

(۵) امراء زریں لباس پہنا کرتے تھے۔ اور زریں لگام "گلہ بند" صراحی، نیچے، پردے، کرسیاں اور تمام چیزیں تصویروں سے آراستہ کی جاتی تھیں۔ میں نے ان ناجائز نقش و نگار کو محو کرا کے آئندہ کے لئے ممانعت کر دی۔

(۶) ریشمیں و زربفت کے لباس کا بھی امراء میں عام رواج تھا میں نے اس کی بھی ممانعت کی اور شریعت کے مطابق ایک انگل سے زیادہ عریض ریشمی کپڑے کا استعمال ممنوع قرار دیا۔

(۷) میرے آقا سلطان محمد تغلق کے عہد میں جو لوگ قتل ہوئے ان کے وارثوں کو اور جو مفلوج الاعضاء تھے خود انہیں بلا کر اپنی بخشش کی کہ انہوں نے رضامندی کا اظہار کر کے اقرار نامے لکھ دئے کہ ہم کو اب سلطان محمد تغلق پر کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ میں نے یہ سارے اقرار نامے ایک صندوق میں بند کرا کے محمد تغلق کی قبر کے سرہانے رکھ دئے اس امید کے ساتھ کہ خدا میرے آقا کے ساتھ مہربانی فرمائے گا۔

(۸) مجھ سے قبل جو وظائف اور دیہات معافی وغیرہ کے ضبط ہو گئے تھے ان کے متعلق میں نے عام حکم دیدیا کہ از روئے سند جس کا حق ثابت ہو اس کے حق میں تمام وظائف وغیرہ بحال کر دیئے جائیں۔

سراج عفیف نے فیروز شاہ کی زندگی کی تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً فیروز شاہ نہایت اچھے صفات کا بادشاہ تھا اور محمد تغلق کے بعد ہندوستان کو ایسا فرمانروا مل جانا ایک ایسا مرہم تھا جس نے تمام جراحتوں کو مندمل کر دیا۔ فیروز شاہی عہد میں جو انتظامات ہوئے ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ:-

(۱) بازار نفیس اور عمدہ اسباب تجارت سے معمور ہو گئے۔

(۲) مزدوروں کو پوری اجرت ملنے لگی اور ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو گئی۔

(۳) پیشہ ور لوگ نہایت اطمینان سے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے اور شہر کی رونق بڑھنے لگی۔

(۴) ایک ایک کوس کے اندر چار چار گاؤں آباد ہو گئے۔

(۵) رعایا کے پاس غلہ اور تمام ضروری سامان زندگی مہیا ہو گیا اور تمام سلطنت میں امن و سکون و مسرت و خوشحالی نظر آنے لگی۔ ہر چند ان ٹیکسوں کے موقوف کر دینے سے سلطنت کی آمدنی کم ہو گئی۔ لیکن اسکے عوض میں مخلوق خدا کو جو راحت و آسانی حاصل ہوئی وہ کافی سے زیادہ معاوضہ اس کی کمی کا تھا جس پر فیروز شاہ قانع تھا۔"

سلطنت کے امراء اراکین افسران ومعززین علاؤالدین خلجی سے پہلے جاگیریں رکھتے تھے۔ اور وہی ان کی خدمات کا معاوضہ سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن علاؤالدین خلجی نے اس دستور کو مٹا کر نقد تنخواہیں کر دی تھیں یا اور تمام جاگیریں وغیرہ خالصہ میں شامل کر لی تھیں۔ لیکن جب فیروز شاہ نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ لی تو اس نے اپنی فطرتی فیاضی اور نرمی سے مجبور ہو کر جاگیریں پھر بحال کر دیں اور کامل چالیس سال تک اس کے عہد سلطنت میں اس قاعدہ کی پابندی کی گئی اور کسی جاگیردار یا معافی دار کی طرف سے اظہار سرکشی و بغاوت نہیں ہوا۔

فوجی ملازمین کے لئے اس نے ایک قانون اور بنایا وہ یہ تھا کہ کوئی فوجی افسر مر جائے یا ضعیف ہو جائے تو اس کے بیٹے کو جگہ دی جائے۔ اگر بیٹا نہ ہو تو داماد کو اگر یہ بھی نہ ہو تو غلام کو اور اس کے بعد اور کسی قریبی رشتہ دار کو۔ جب تک فیروز شاہ زندہ رہا اس قانون پر عمل کیا اور اس طرح فوجی خدمات کی طرف لوگوں کو بہت زیادہ توجہ ہو گئی۔ فیروز شاہ کو چونکہ غلاموں کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا اس لئے تھوڑے دنوں میں تحائف اور نذرانوں کی صورت سے اس قدر کثیر تعداد میں غلام جمع ہو گئے کہ سلطان کو مستقلاً ان کا انتظام کرنا پڑا۔ بہت سے غلام تو اس نے مختلف اقطاع ملک میں بھیجدئے اور وہاں ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ جو غلام شہر میں رہ گئے ان کا مشاہرہ ۱۰۰ تنکہ سے دس تنکہ تک حسب حیثیت مقرر کیا علاوہ اس کے ہر غلام کو اس کی

میلانِ طبیعت کے موافق تعلیم بھی دلائی کسی کو حافظ بنایا اور کسی کو فقیہہ کسی کو حدیث کا درس دلایا اور کسی کو علم کلام کا کسی کو خوش نویسی کی تعلیم دلائی اور کسی کو سپاہ گری کی، اسی طرح دوسرے پیشوں اور حرفوں کی طرف ان کو راغب کیا۔ چنانچہ ایک لاکھ اسی ہزار غلاموں میں بارہ ہزار غلام صرف وہ تھے جو مختلف پیشوں اور صنعتوں کے ماہر تھے۔ بادشاہ نے غلاموں کا محکمہ ہی جدا کر دیا تھا۔ اور اس محکمہ کے دیوان خزانچی، محاسب وزیر الگ کر دیئے تھے۔ جن امراء کو غلام دیئے جاتے تھے ان کو سخت تاکید کی جاتی تھی کہ اپنے بچوں کی طرح ان کی پرورش کریں اور تعلیم و تربیت کی خاص نگرانی رکھیں۔"

ترقی زراعت زراعت و آبادی کی ترقی کا یہ عالم تھا کہ دوآبہ کے ۵۲ پرگنے تھے اور تمام پرگنوں میں ایک گاؤں بھی غیر آباد نہ تھا۔ اور ایک چپہ زمین کاشت سے خالی نہ تھی، صوبہ سامانہ میں بھی ایک ایک کوس کے اندر چار چار گاؤں آباد ہو گئے تھے اور تمام رعایا خوش حال نظر آتی تھی۔

ارزانی کی یہ کیفیت تھی کہ خاص دہلی میں ایک من گیہوں ۸ جیتل میں ایک من جوار اور جو ۴ جیتل میں عام طور سے فروخت ہوتا تھا۔ ایک سوار اپنے گھوڑے کے لئے دس سیر دلا ہوا غلہ جسے سراج عفیف نے ولیدہ یعنی "دلیہ" سے تعبیر کیا ہے۔ ایک جیتل میں خرید لیتا تھا۔ گھی ڈھائی جیتل کا ایک سیر اور شکر ۳ یا ۳½ جیتل کی ایک سیر ملتی تھی۔ اگر

کبھی امساک باراں ہوتا تو ایک تنکہ فی من سے زیادہ کبھی نرخ نہ بڑھتا۔ چالیس سال تک فیروز شاہ نے حکومت کی اور اس زمانہ میں قحط عام یا گرانی کی شکایت کسی کو نہیں ہوئی۔ کپڑے کی ارزانی کا بھی یہی عالم تھا۔"

آمدنی اس کے عہد میں صرف دوآبہ کی آمدنی ۸۰ لاکھ تنکہ اور کل سلطنت کی ۶ کروڑ ۸۵ لاکھ تنکہ تھی لیکن یہ سب خزانہ شاہی میں نہ آتی تھی۔ بلکہ مختلف امراء و اراکین، ملوک و وزراء، ملازمین مال فوج پر جاگیروں کی صورت میں منقسم تھی۔ خان جہاں وزیر کی ذات خاص کا تیرہ لاکھ تنکہ مقرر تھا، اسی طرح کسی کی جاگیر آٹھ لاکھ کی تھی۔ کسی کی چھ لاکھ کی کسی کی ۴ لاکھ تنکہ کی۔ چنانچہ امراء کی دولت کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جب ملک شاہین شحنہ (جو مجلس خاص کا نائب امیر بھی تھا) مرا ہے تو علاوہ قیمتی گھوڑوں اور جواہرات کے پچاس لاکھ تنکہ نقد اس کے گھر سے نکلا تھا۔ اس طرح عماد الملک کی دولت کا کوئی اندازہ نہ ہوسکتا تھا۔ مشہور ہے کہ اس نے روپیہ رکھنے کے لئے جو تھیلیاں سلوائی تھیں ان میں ڈھائی ہزار تنکہ صرف ہوگیا تھا حالانکہ اس وقت ایک ٹاٹ کا تھیلا چار جیتل میں آتا تھا) کہا جاتا ہے کہ سترہ کروڑ تنکہ نقد اس کے پاس موجود تھا۔ پھر یہ دولت و خوش حالی مخصوص افراد کا حصہ نہ تھی بلکہ تمام امراء و اراکین، ملازمین و متوسلین یہاں تک کہ کاشتکار اور مزدور بھی ایک دوسرے سے مستغنی نظر آتے تھے اور حد درجہ راحت و آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ علماء و مشائخ کیلئے

۳۶ لاکھ تنکہ اور سائلین وفقراء کے لئے ایک لاکھ تنکہ بطور وظائف کے تقسیم کیا جاتا تھا۔

بیروزگاری کا انسداد فیروز شاہ کے لئے یہ امر بار خاطر تھا کہ کوئی شخص اس کی سلطنت میں بیکار رہے اور کلفت سے زندگی بسر کرے۔ چنانچہ اس نے حکم دیدیا تھا کہ جب کوئی شخص بیکار نظر آئے تو کوتوال اہل محلہ سے اس کے حالات تحقیق کر کے بادشاہ کے روبرو پیش کرے۔ پھر بادشاہ ہر بیکار کو اس کی حسب حیثیت مشاغل بتادیتا۔ کسی کو کارخانہ میں بھیج دیتا۔ کسی کو وزیر کے پاس بھیج دیتا اگر کوئی کسی جاگیردار کے پاس رہنا چاہتا تو وہاں بھیج دیا جاتا۔ ان لوگوں کے رہنے کے لئے مکان ملتے اور ان کی معاش کا پورا انتظام کیا جاتا۔"

کارخانہ جات بادشاہ نے کل ۳۶ کارخانے قائم کر رکھے تھے انکی دو قسمیں تھیں معمولی اور غیر معمولی۔ معمولی قسم میں فیل خانہ یا پائے گاہ (اصطبل) مطبخ، شتر خانہ، سگ خانہ، آبدار خانہ وغیرہ شامل تھے ان کارخانوں کا خرچ ماہوار ایک لاکھ ساٹھ ہزار تنکہ تھا، اور اس قدر صرف ملازمین وغیرہ کے مشاہرہ کا تھا۔"

غیر معمولی قسم میں جامدار خانہ، علم خانہ، فراش خانہ، رکاب خانہ، وغیرہ داخل تھے ان کارخانوں کے لئے ہر سال نیا سامان خریدا جاتا جامدار خانہ کے لئے موسم سرما میں (بھاروگری کی خریداری علیحدہ تھی)

۶ لاکھ تنکہ کا، علم خانہ کے لئے ہر سال ۸۰ ہزار تنکہ کا، اور فراش خانہ کے لئے ہر سال دو لاکھ تنکہ کا اسباب خریدا جاتا تھا، ہر کارخانہ ایک امیر کے سپرد تھا۔ اور سب کا حساب جداگانہ مرتب کیا جاتا، تمام کارخانوں کی نگرانی خواجہ ابوالحسن کے ذمہ تھی ۔“

سکّہ سلطان محمد تغلق کی طرح فیروز شاہ کو بھی سکّوں کی طرف بہت توجہ تھی۔ اس نے بڑی احتیاط کی کہ سکّے عمدہ اور خالص تیار ہوں، اس کے عہد کے خاص سکّے علاوہ طلائی اور نقرئی تنکہ کے جو پہلے سے رائج تھے۔ چہل و ہشت گانی۔ بست و پنج گانی (یہ سکہ خاص فیروز شاہ کی اختراع تھے) بست و چہار گانی، دوازدہ گانی، دہ گانی ہشت گانی، شش گانی تھے ان کی قیمتیں علی الترتیب ۴۸ سے لیکر ۶ جیتل تک تھیں ۔“

ایک بار بادشاہ کو خیال آیا کہ خرید و فروخت کے وقت ایک جیتل سے کم کا حساب ہوتا ہوگا تو بیچنے والا کیونکر فاضل رقم واپس کرتا ہوگا۔ جبکہ جیتل سے کم سکہ کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے دو سکہ اور رائج کئے ایک نصف جیتل کا جسے آدہ کہتے تھے اور دوسرا پاؤ جیتل کا جس کا نام بیکھہ رکھا گیا۔

ایک دفعہ بادشاہ کو دو آدمیوں نے خبر دی کہ شش گانی سکہ میں کچھ خفیف سی کھوٹ ہے، اور بازار میں اس کا چرچا ہو رہا ہے۔ بادشاہ نے وزرا کو حکم دیا کہ اس کی کامل تحقیقات کی جائے، یہ واقعہ ۷۷۲ھ

کا ہے، خان جہاں زندہ تھا، جب اس کو بھی خبر ہوئی تو بادشاہ سے
عرض کیا کہ سکہ کی حالت نا کتخدا لڑکی کی سی ہے کہ اگر اس کی عصمت پر جھوٹا
الزام بھی لگ جائے تو پھر اسے کوئی نہیں پوچھتا، اس لئے اگر علانیہ
تحقیقات کی گئی اور کھوٹ ثابت ہو گیا تو شاہی سکہ کا اعتبار اٹھ جائیگا
اس لئے پہلے خفیہ جانچ مناسب ہے، اس وقت گجر شاہ ٹکسال کا
مہتمم تھا۔ اس سے خان جہاں نے دونوں مخبروں کو حراست میں لیکر
کہا کہ کیا تم اپنی طور پر تحقیق کر کے مجھے اطلاع دو گے، چنانچہ اس نے
تفتیش کی اور خان جہاں سے کہا کہ واقعی ٹکسال کے بعض شریر آدمیوں
نے سکہ میں کچھ کھوٹ ملا دی ہے، خان جہاں یہ سن کر خاموش ہو گیا
اور پھر کچھ سوچ کر حکم دیا کہ سناروں کو بلا کر بادشاہ کے سامنے اس
طور سے جانچ کرائی جائے کہ وہ سکہ کے کھرے ہونے کی طرف سے
مطمئن ہو جائے۔ گجر شاہ نے سناروں سے حالات بیان کئے انہوں
نے مشورہ دیا کہ ہم لوگ بادشاہ کے سامنے بغیر کسی سامان کے برہنہ طلب
کئے جائیں لیکن تھوڑی سی چاندی کسی کوئلہ کے اندر رکھ کر شگاف یا سوراخ
کو موم سے بند کر دیا جائے۔ جب ہم سکہ گلائیں گے تو اس کوئلہ کو بھی
اس میں ڈال دیں گے اور اس کی چاندی سکہ کی چاندی سے مل کر وزن
کو پورا کر دیگی۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور مجمع عام میں بادشاہ کے سامنے
سکہ کی جانچ کی گئی چونکہ اس ترکیب سے کسی کو کھوٹ کا پتہ نہ چلا اور سکہ
کا وزن صحیح نکلا اس لئے بازاروں میں عام اعلان کر دیا گیا کہ جانچ سے

سکۂ ششگانی بالکل کھرا معلوم ہوتا ہے اور اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔
گجرشاہ کو خلعت دیا گیا اور مخبروں کو شہر بدر کر دیا گیا۔ لیکن چند دن بعد
خان جہاں نے کسی اور بہانے سے گجرشاہ کو علیحدہ کر دیا۔

اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ خان جہاں کسی قابلیت کا وزیر تھا بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معاملات سلطنت میں فیروز شاہ کیسا امین اور متدین تھا۔"

جب بادشاہ نے بنگال کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد شہر حصار فیروزہ کی بنیاد ڈالی (جس کا حال آگے آتا ہے) تو اس نے اس نواح کی زمین کو (جس میں فتح آباد اور حصار فیروزہ دونوں داخل تھے) کی پیداوار کو بہت بڑھایا۔"

انتظام آب پاشی

بادشاہ کو آبادیٔ املاک کا اس قدر خیال تھا کہ بارش کے زمانہ میں وہ خاص خاص افراد کو متعین کرتا کہ نہروں کے کنارے پھر کر دیکھیں کہ سیلاب کہاں تک پہونچتا ہے اور وہ بہت خوش ہوتا جب اسے معلوم ہوتا کہ کاشتکار نہروں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ فیروز شاہ کے یہی انتظامات تھے جنہوں نے نہ صرف اس کی جاگیر بلکہ سارے ملک کو آباد و خوش حال بنا دیا تھا۔

فیروز شاہ کے عہد میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ اس کی تعمیرات ہیں جنہوں نے ایک طرف ملک کو پر رونق بنانے میں

مدد دی تو دوسری طرف رفاہِ عام میں غیر معمولی اضافہ کیا۔

اس کو تعمیرات کا غیر معمولی شوق تھا۔ اور آثار قدیمہ کی طرف توجہ کرنے میں اوّلیت کا فخر اسی بادشاہ کو حاصل تھا۔

نئے شہروں کی بنا علاوہ فتح آباد و فیروزہ حصار کے اس نے حسب تفصیل ذیل اور نئے شہر تعمیر کئے:۔

فیروز آباد۔ فیروز آباد ہارنی کھیڑا، تغلق پور کاسنہ، تغلق پور ملوک مکوت اور جونپور، اس نے محلات بھی کثرت سے تعمیر کرائے جس میں فیروز کوشک، نزول کوشک، مہندواری، کوشک حصار فیروزہ، کوشک فتح آباد کوشک جونپور، کوشک شکار (جسے اب فیروز شاہ کا کوٹلہ کہتے ہیں اور جو دلی سے نظام الدین جاتے ہوئے راستہ میں ملتا ہے) کوشک بند فتح خاں، کوشک سامورہ خاص شہرت رکھتے تھے۔

بند اس نے پانی کے بند بھی کثرت سے بنوائے، ان میں "بند فتح خاں" بند مالجی، بند مہیپالپور، بند شکر خاں، بند سالدرہ، اور بند وزیر آباد، بہت مشہور ہیں۔ اور چھوٹے چھوٹے بندوں کا کوئی شمار نہیں ہے۔

خانقاہیں و سرائیں دہلی اور فیروز آباد میں اس نے ایک سو بیس خانقاہیں اور سرائیں تعمیر کرائیں یہ ہمیشہ مسافروں سے بھری رہتیں اور بادشاہ کی طرف سے مسافروں اور فقراء سب کو کھانا وغیرہ دیا جاتا۔ تمام مصارف خزانۂ شاہی سے نقد دئے جاتے تھے اور ایک امیران کا متولی تھا۔

محلات فیروز آباد میں اس نے اپنے دربار کے تین محل تیار کئے تھے۔ ایک کا نام "محل صحن گلی" اس کو محل انگور بھی کہتے تھے۔ دوسرے کا نام "محل چھجہ چوبیں" تھا اور تیسرے کو محل بارعام کہتے تھے۔ (صحن میانگی اس کا دوسرا نام تھا) پہلے محل میں صرف خوانین، ملوک، امراء، اور خاص خاص اہل قلم سے ملاقات ہوتی تھی، دوسرا محل گویا خلوت کدہ تھا اور نہایت ہی مخصوص امراء کے ساتھ وہاں نشست ہوتی تھی، تیسرا محل عام دربار کے لئے تھا۔

باغات فیروز شاہ کو باغوں کا بھی بہت شوق تھا۔ دہلی کے قریب اس نے بارہ سو باغات خود نصب کرائے اور علاؤالدین کے زمانہ کے تیس باغات کو بھی از سر نو آباد کر کے بہت ترقی دی۔ اسی طرح سلورہ کے قریب اس نے ۸۰ باغ تیار کرائے اور چتور میں چوالیس تمام باغوں میں علاوہ اور میووں اور پھلوں کی آمدنی تھی۔ جب حصار فیروزہ میں نہر کا پانی آنے لگا تو یہاں بھی کثرت سے باغات نصب کرائے۔

نہریں فیروز شاہ کے تمام کاموں میں جو رفاہ عام سے متعلق ہیں سب سے بڑا اور اہم کام نہروں کا اجرا تھا۔ حصار فیروزہ جس جگہ بنایا گیا تھا۔ وہاں پانی کی بہت تکلیف تھی، اس لئے اس نے یہ مصیبت دور کرنے کے لئے اور نیز مزارعین کو فائدہ پہونچانے کے لئے دو نہریں بنوائیں۔ ایک نہر اس نے دریائے جمن سے نکالی،

جس کا نام اس نے رجیراہ (رجیواہ) رکھا اور دوسری نہر دریائے ستلج سے جس کا نام الغ خانی تھا یہ دونوں نہریں کرنال کے قریب ہوکر گزرتی تھیں اور ۸۰ کوس کے بعد دونوں ملکر شہر فیروزہ حصار میں پہونچتی تھیں ہر دو نہریں آج بھی موجود ہیں۔

اس نہر کا ثبوت عہد اکبری کی ایک سند ۹۷۸ھ سے بھی ملتا ہے جس کے شروع میں لکھا ہے کہ دریائے چٹانگ سے ۲۱۰ سال ہوئے سلطان فیروز شاہ نے نہر نکالی تھی، نالوں وغیرہ کا پانی بہتا ہوا سادورہ کے قریب ہانسی، حصار کے پہاڑی کے دامن میں پہونچتا ہے۔

علاوہ ان نہروں کے فیروز شاہ نے اور بھی متعدد نہریں جاری کی تھیں جن میں سے ایک کا ذکر تیمور نے اپنے ملفوظات میں قلعۂ لونی کا حال لکھتے ہوئے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "قلعۂ لونی دریائے جمنا اور ہنڈون کے درمیان واقع ہے۔ ہنڈون حقیقتاً ایک بڑی نہر ہے جسے فیروز شاہ نے دریائے کالی ندی سے نکال کر فیروز آباد کے محاذ میں جمنا سے ملادیا تھا۔

رفاہ عام | فیروز شاہ کو عمارات اور رفاہ عام کے کاموں کی طرف بہت توجہ تھی اور اس نے کثرت سے اس قسم کی عمارتیں بنوائیں جس سے رعایا کو فائدہ پہونچے۔

آثار قدیمہ کا تحفظ | آثار قدیمہ کو محفوظ رکھنے کا خیال سب سے پہلے ہندو پاکستان میں فیروز شاہ کو پیدا ہوا اور اس خیال کے ماتحت جن جن عمارتوں کی اس نے مرمت کرائی انکا

ذکر خود اس نے اپنی فتوحات میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پرانی عمارتیں جو خراب و ویران ہو گئی تھیں میں نے ان کی مرمت کرائی اور ان کی آبادی کو میں نے اپنے محلات میں تعمیر پر مقدم جانتا چنانچہ:۔

(۱) دہلی کی جامع مسجد جو سلطان معز الدین سام نے تعمیر کرائی تھی اور کہنگی کے سبب سے خراب ہو گئی تھی۔ میں نے اس کو بالکل بنا کرا دیا۔

(۲) سلطان معز الدین سام کے مقبرہ کی مغربی دیوار بوسیدہ ہو گئی تھی میں نے اس کو از سر نو تعمیر کرایا۔ اور منقش محرابیں صندل کی لگوادیں۔ سلطان معز الدین کا مینار بھی بجلی سے گر پڑا تھا۔ میں نے اس کو پہلے سے بھی زیادہ بلند بنوادیا۔

(۳) حوض شمسی (سلطان التمش کے حوض) میں بعض شریر آدمیوں نے پانی آنے کی راہیں بند کر دی تھیں میں نے ان لوگوں کو سزا دی اور پانی کے منبع پھر جاری کر دیئے۔ اسی طرح حوض علائی (سلطان علاؤ الدین کا حوض) مٹی سے بھر گیا تھا۔ اور وہاں کھیتی ہونے لگی تھی میں نے اس کو بھی صاف کرادیا۔

(۴) سلطان التمش کا مدرسہ (جو التمش کے مقبرہ سے ملحق تھا) بالکل خراب ہو گیا تھا میں نے اسے بھی از سر نو بنایا اور صندل کے دروازے اس میں لگوادئے۔ جو ستون گر گئے تھے ان کو پہلے سے زیادہ اچھا بنوادیا، مقبرہ کا صحن مدور نہ تھا میں نے اسے مدور کرادیا۔ چار میں

برجوں کا پشتہ گر گیا تھا وہ بھی میں نے وسیع کرا دیا۔

(۵) سلطان شمس الدین کے بیٹے معز الدین سام کا مقبرہ جو ملک پور میں تھا بالکل کھنڈر ہو گیا تھا۔ اور قبر کا کہیں نشان نہ تھا۔ میں نے از سرِ نو برج کی تعمیر کرائی اور احاطہ کی دیوار کھنچوا کر قبر کا چبوترہ بنوا دیا۔

(۶) سلطان شمس الدین کے بیٹے سلطان رکن الدین کا مقبرہ جو ملک پور میں تھا۔ بالکل خراب ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی دیوار احاطہ کھنچوائی اور نیا گنبد بنوا کر ایک خانقاہ بھی وہاں تعمیر کرا دی۔

(۷) سلطان علاؤ الدین کے مقبرہ کی مرمت کرائی اور صندلی دروازے اس میں لگوا دیئے۔ آبدار خانہ کی دیوار اور مدرسہ کے اندر جو مسجد تھی اس کی مغربی دیوار بنوائی اور چوپڑ کا فرش تیار کروا دیا۔

(۸) سلطان قطب الدین کا مقبرہ اور سلطان علاؤ الدین کے بیٹوں، خضر خاں، شادی خاں، فرید خاں، سلطان شہاب الدین، سکندر خاں، محمد خاں، عثمان، اور اس کے پوتوں اور پڑپوتوں کے مقبروں کی مرمت کرائی اور از سرِ نو تعمیر کرایا۔

(۹) شیخ الاسلام نظام الدین (اولیاء) کے مقبرہ کے دروازے اور قبر کی صندلی جالیاں خراب ہو گئی تھیں ان کی مرمت کرائی اور چاروں محرابوں میں سونے کے جھاڑ طلائی زنجیروں سے آویزاں کرا دیئے ایک مجلس خانہ بھی بنوا دیا جو اس سے قبل نہیں تھا۔

(۱۰) سلطان علاؤالدین کے وزیر اعظم تاج الملک کافوری کی قبر ہموار ہوگئی تھی اور گنبد گر پڑا تھا میں نے اس کی بھی از سر نو تعمیر کرائی۔

(۱۱) دارالامان (یہ بڑے بڑے آدمیوں کے دفن ہونے کی جگہ تھی) میں نے دروازے صندل کے لگوائے اور مشہور آدمیوں کی قبروں کے غلاف اور پردے بنوائے۔

(۱۲) سلطان محمد تغلق نے "جہاں پناہ" کی بنیاد ڈالی تھی میں نے اُسے مکمل کرا دیا کیونکہ سلطان محمد تغلق میرا مربی اور استاد تھا۔

(۱۳) دہلی میں اگلے بادشاہوں نے جتنے قلعے اور حصار بنوائے تھے ان سب کی میں نے مرمت کرائی۔

(۱۴) ان مدرسوں و مقبروں کی تعمیر کا خرچ ان کی قدیم املاک اوقاف کی آمدنی سے کیا گیا۔ بعض عمارتیں ایسی بھی تھیں جن کے فرش، روشنی اور مسافرین و زائرین کی مہمان نوازی کے لئے کوئی آمدنی نہ تھی۔ میں نے ان کے لئے دیہات وقف کئے تاکہ ان کی آمدنی سے مصارف پورے ہوتے رہیں۔

(۱۵) نامور سلاطین اور اولیاء کے مقابر کے لئے دیہات وقف تھے میں نے ان کو بدستور قائم رکھا۔ اور بعض جدید مقابر و مزارات کے لئے بھی زمین وقف کر دی۔

دارالشفاء (۱۶) میں نے دارالشفاء بھی تعمیر کرایا۔ اس میں ادنیٰ و اعلیٰ تمام طبقوں کے مریضوں کا علاج ہوتا ہے۔ اطباء حاذق

تشخیص امراض و معالجہ کے لئے مقرر ہیں اور غذا دوا وغیرہ سب جائداد موقوفہ کی آمدنی سے مہیا کی جاتی ہے۔"

مدارس

فیروز شاہ نے جو مدارس قائم کئے تھے ان میں سے ایک فتح خاں کے مقبرہ کے پاس تھا جسے "قدم شریف" کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی اور ایک حوض بھی۔ فتح خاں، فیروز شاہ کا بہت محبوب فرزند تھا اور یہ مدرسہ مع مسجد کے اسی کی یادگار میں تعمیر کیا گیا تھا۔

دوسرا مشہور مدرسہ فیروز آباد میں تھا جو "فیروز شاہی مدرسہ" کے نام سے مشہور تھا۔ ضیاء برنی نے لکھا ہے کہ "یہ مدرسہ بہ لحاظ عمارت و تعلیم اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔"

اس مدرسہ کی عمارت بہت وسیع تھی اور اس کے گنبد بڑے شاندار تھے۔ یہ مدرسہ ایک بہت بڑے باغ کے اندر تالاب کے کنارے واقع تھا۔ ہر وقت سینکڑوں طلبہ اور کثیر علماء و فضلاء یہاں موجود رہتے تھے۔ اور سارا باغ ان کے لئے وقف تھا۔ یہاں ان کی تعلیم و تعلم، درس و تدریس عبادت و تفریح کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے اور وہ نہایت آزادی کے ساتھ تالاب کے کنارے باغ کے کنجوں میں سنگ مرمر کے صیقل کئے ہوئے فرش پر اپنے مشاغل علمیہ میں منہمک نظر آتے تھے۔

اس مدرسہ سے متعلق ایک مہمان خانہ بھی تھا جہاں سیاح آکر قیام کرتے تھے اور مسجد مدرسہ کے ساتھ ایک لنگر خانہ یا خیرات خانہ بھی تھا جس سے تمام غرباء اور مساکین کو امداد ملتی تھی۔

لاٹیں | فیروز شاہ کے تمام کاموں میں سے سب سے زیادہ اہم اور موجودہ تہذیب کے نقطۂ نظر سے بے انتہا قابل قدر کام یہ ہے کہ اس نے قدیم عہد کے دو سنگین مینار میرٹھ اور خضر آباد کے قریب سے اکھڑوا کر کوشک شکار میں نصب کرائے ۔ یہ دونوں مینار ۳۲۰ سال قبل مسیح کے ہیں جن پر پالی حروف میں اسوکا (بدھ مذہب کے بہت بڑے مبلغ) کے احکام مذہبی منقوش ہیں ۔ جب یہ دونوں مینار دہلی پہونچے تو فیروز شاہ نے تمام پنڈتوں کو جمع کیا لیکن کوئی منقوش عبارت کو نہ پڑھ سکا ۔

ہر چند یہ دونوں مینار ہندو یا بودھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے لیکن فیروز شاہ نے بے انتہا کاوش و سعی محنت و صرف سے ان دونوں میناروں کو اپنی دارالحکومت میں منتقل کرایا ۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ آثار قدیمہ کی حفاظت کا فطری ذوق رکھتا تھا ۔ اور اس مسئلہ میں بھی وہ مذہبی تعصب سے کام نہ لیتا تھا اس سے ان مذہبوں کے آثار باقی رہ گئے ۔

فرشتہ نے اور صاحب طبقات اکبری نے حسب ذیل فہرست عمارات کی مرتب کی ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے :۔

۵۰ بند جن سے آب پاشی ہوتی تھی ۔۔۔ ۴۰ مسجدیں ۔۔۔ ۳۰ مدارس جن کے ساتھ مسجدیں بھی تھیں ۔۔۔ ۲۰ خانقاہیں ۔۔۔ ۱۰۰ محل ۔۔۔ ۵۰۰ شفاخانے ۔۔۔ ۱۰۰ مقبرے ۔۔۔ ۱۰ حمام ۔۔۔ ۱۵۰ کنوئیں ۔۔۔

۱۰۰ اپل ــــ ۲۰۰ رباط ــــ ۳۰ شہر ــــ ۵۰ حوض ــــ ۱۰ ابنبارے ــــ باغوں وغیرہ کا کوئی شمار نہیں ہے۔ ان میں سے ہر عمارت کے لئے اس نے جائیداد وقف کی تاکہ وہ خراب نہ ہونے پائے۔ اور اس کے مصارف پورے ہوتے رہیں۔

مدارس کے متعلق مورخین کا اختلاف ہے۔ مآثر رحیمی میں پچاس مدرسہ درج ہیں۔ فقیر محمد لکھتے ہیں کہ طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں تیس کی تعداد درج ہے۔ اگر ان میں سے کوئی تعداد صحیح نہ ہو تو بھی اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس نے متعدد مدرسہ قائم کئے۔

ان شفاخانوں کا جو انتظام تھا اس کا حال خود فیروز شاہ نے اپنی فتوحات میں لکھ دیا ہے۔ اور جسے ہم درج کر چکے ہیں۔

دیوان خیرات غربا کے فائدہ و سہولت کے لئے اس نے دیوان خیرات بھی قائم کیا تھا۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ جن غربا و مساکین کی لڑکیاں جوان ہو گئی ہوں اور بوجہ افلاس ان کی شادی نہ ہو سکتی ہو انہیں مدد دی جائے۔ پچاس سے بیس تنکہ تک، ہر شخص کی مدد کی جاتی تھی، سراج عفیف لکھتا ہے کہ اس سلسلہ میں ہزاروں آدمیوں کی اعانت کی گئی اور خدا جانے کتنی ناکتخدا لڑکیوں کی شادی ہو گی"

یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ علماء و مشائخ کے لئے اس نے ۳۶ لاکھ تنکہ کے وظائف مقرر کئے۔ مقابر کے لئے ایک لاکھ تنکہ اس کے علاوہ تھی

لیکن اس نے خدمتِ علم صرف اسی حد تک نہیں کی، بلکہ تصانیف کی طرف بھی خاص توجہ کی۔ جب سلطان نے نگر کوٹ فتح کرنے کے بعد وہاں کے راجہ کو بدستور حکمراں قائم رکھا تو اس نے چند دن وہاں قیام بھی کیا، اس دوران میں اس سے لوگوں نے کہا کہ جب سکندر یہاں آیا تھا تو برہمنوں نے نوشابہ (سکندر بی بی) کا بت تیار کر کے اس کی پرستش شروع کر دی تھی، چنانچہ اب بھی یہاں کے لوگ اسی مجسمہ کو پوجتے ہیں۔

دار الترجمہ وکتب خانہ فیروز شاہ سے برہمنوں نے یہ کہا کہ مندر میں ۱۳۰۰ کتابیں قدیم زمانہ کی رکھی ہوئی ہیں، چنانچہ فیروز شاہ اس بت خانہ میں جس کو "جوالا مکھی" کہتے تھے گیا اور وہاں تمام علمار کو طلب کر کے بعض کتابوں کا ترجمہ کرایا انہیں کتابوں میں سے ایک کتاب حکمت نظری و عملی کی تھی جس کو اعزالدین خالدخانی نے (جو اس وقت کے مشہور شعرا میں سے تھا) نظم کر کے دلائل فیروز شاہی نام رکھا۔ ایک کتاب عروض علم موسیقی کی اور ایک فن پٹہ بازی کی بھی سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ کے عہد میں حاکم و محکوم کے درمیان ایسے تعلق پیدا ہو گئے تھے کہ ایک دوسرے کی زبان کو سیکھ رہا تھا۔ اور تعصب بڑی حد تک مٹ چکا تھا۔ ضیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی (جس میں عہد فیروز شاہی کے ابتدائی دس سال کے حالات بھی درج ہیں) اس کے عہد میں ختم ہوئی، تفسیر تاتار خانی، فتاوائے تاتار خانی (جو فن تفسیر و فن فقہ کی بے مثل کتابیں ہیں)۔

اور عین الملکی اس عہد کی مشہور تصانیف ہیں جس کی تفصیل آگے آئیگی۔

علماء و فضلاء فیروز شاہ کے عہد میں بڑے بڑے علماء پائے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک مولانا جلال الدین رومی تھے جو مدرسۂ فیروز شاہی کے پرنسپل تھے۔ دوسرے مولانا عالم آندبتی جن کی نسبت مولانا عبد الحق دہلوی نے لکھا ہے کہ فتاوائے تاتارخانی کی ترتیب میں انہیں کا خاص حصہ تھا۔ علاوہ ان کے مولانا خواجگی (قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد) مولانا احمد تھانیسری اور قاضی عبد المقتدر (جو علاوہ فاضل ہونے کے بے مثل شاعر بھی عربی، فارسی، کے تھے اور جنہوں نے لامیۃ العجم کا جواب لکھ کر شہرت دوام حاصل کرلی ہے)۔ ملک احمد ولد امیر خسرو اور مولانا مظہر کڑوی اور قاضی عاید بھی اپنی اپنی جگہ بے مثل علماء و صاحبان کمال میں شمار کئے جاتے تھے۔

فنون کی ترویج فیروز شاہ کو تمام فنون کے ساتھ دلچسپی تھی چنانچہ استاد کے ماتحت اس نے اپنے غلاموں کی بڑی تعداد کو مختلف پیشوں اور حرفوں کی تعلیم دلائی۔ اور لوگوں میں مختلف نئی نئی چیزیں بنانے کا ولولہ پیدا کردیا اس عہد کے ایک مشہور ایجاد طاس گھڑیال ہے جس سے نمازوں کے اوقات روزہ کھولنے کا وقت سایہ کا حال، شب و روز کے گھٹنے بڑھنے کی کیفیت معلوم ہوتی تھی، فیروز آباد میں جہاں یہ گھڑیال لگا تھا وہاں اس کے دیکھنے کے لئے ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اس ایجاد کو خود فیروز شاہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ہر حیثیت

کے موقعہ پر جو سال میں چار بار (عیدین، و نوروز و شب برات) ہوتے تھے اور ہر جمعہ کو نماز کے بعد داستان گو، گوئیے، ماہرین رقص، پہلوان اور کرتب دکھانے والے جمع ہو کر اپنا کمال و تماشہ دکھایا کرتے تھے، اور بادشاہ سب کو انعام دے کر رخصت کرتا تھا۔"

فیروز شاہ کو قدیم اور نادر چیزیں جمع کرنیکا بڑا شوق تھا، چنانچہ اشوکا کے سنگین ستونوں کا فیروز آباد میں نصب کرنا بھی اسی ذوق کی بنا پر تھا، اس نے ایک خاص مکان اس لئے تعمیر کرایا تاکہ وہاں ایسی عجیب و غریب چیزیں رکھی جائیں۔

سراج عفیف نے لکھا ہے کہ اس عجائب خانہ میں ایک پستہ قد شخص ایسا تھا جو صرف ایک گز لمبا تھا، لیکن اس کا سر تین آدمیوں کے برابر تھا، دو آدمی دراز قامت تھے۔ یہ اتنے لمبے تھے کہ اس وقت کا طویل سے طویل قد رکھنے والا آدمی ان کی کمر تک پہونچتا تھا۔ دو عورتیں ایسی تھیں جن کی داڑھی بالکل مردوں کی طرح تھی۔ ایک بکری تین پاؤں کی تھی جو خوب دوڑتی تھی۔ ایک سیاہ کوا سرخ چونچ کا۔ ایک سپید طوطی سیاہ منقار کی۔ ایک گائے جس کے سم گھوڑے کی طرح تھے۔ اور علاوہ ان کے اور بہت سی چیزیں اس عجائب خانہ میں تھیں۔ آدمیوں۔ اور ہاتھیوں کی وہ ہڈیاں بھی اس عجائب خانہ میں رکھی ہوئی تھیں، جو سرستی اور ستلج کے درمیان پشتہ زمین کھودنے سے برآمد ہوئی تھیں، بعض ہڈیاں ایسی تھیں جو نصف پتھر ہو گئی تھیں۔

شکار | فیروز شاہ کو کمسنی ہی سے شکار کا بہت شوق تھا۔ محمد شاہ تغلق اسے منع بھی کرتا رہتا، لیکن یہ باز نہ آتا۔ جب عنان حکومت اس کے ہاتھ میں آئی تو اس شوق نے اور زیادہ ترقی کرلی۔

یہ نہ صرف چیتوں اور سیاہ گوش کے ذریعہ سے شکار کھیلتا تھا بلکہ شیر بھی اس غرض سے اس نے پال رکھے تھے۔ شاہین، باز، جرہ بحری وغیرہ کے ذریعہ سے بھی شکار کھیلتا تھا۔

موسم گرما میں دیپال پور اور سرستی کا درمیانی حصہ گورخر کے شکار کے لئے مخصوص تھا۔ اسی طرح موسم سرما میں بدایوں، اور آنولہ کے جنگلوں میں نیل گائے کا شکار کیا کرتا تھا، اگر کسی جنگل میں شیر آجاتا تو کوئی اس کا شکار نہ کرتا، بلکہ بادشاہ کو اس کی خبر دی جاتی اور یہ فوراً وہاں پہونچ کر اس کا شکار کرتا۔

امن وسکون | چونکہ فیروز شاہ فطرتاً رحیم المزاج تھا، اس لئے فتوحات کے لحاظ سے اس نے کوئی ترقی نہیں کی، تاہم اس کی فتوحات میں سب سے بڑی فتح یہی ہے کہ محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں جو طوائف الملوکی اور بدامنی پھیل گئی تھی وہ اس کے عہد میں مفقود ہوگئی اور سلطنت میں ہر طرف امن وسکون نظر آنے لگا۔ وہ جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا اس میں جنگی قابلیت تھی پر وہ کشت وخون سے گھبراتا تھا۔

رکن جہاں حسن گنگوہ نے اپنی خود مختاری حکومت بہمنی سلطنت کے نام سے کوہ وندھیاچل کے جنوب تک قائم کرلی تھی، اور جو ۱۸۰۰ تک قائم ہوئی

بدستور مطلق العنان رہا۔ بنگال کی طرف ہر چند فیروز شاہ دو مرتبہ گیا، لیکن کشت وخون کے خیال سے لوٹ آیا۔

پہلی دفعہ جب ۷۵۴ھ / ۱۳۵۳ء میں وہ بنگال کی طرف گیا تو گیارہ مہینہ تک واپس نہیں آیا۔ اس مہم میں اس کو کامیابی حاصل ہوئی اور ایک لاکھ اسی ہزار بنگالی افواج قتل کی گئی۔ لیکن جب فیروز شاہ کو معلوم ہوا کہ اس قدر جانیں ضائع گئی ہیں تو اس نے یک ڈلہ کے قلعہ کا محاصرہ (جہاں شاہ بنگال بھاگ کر پناہ گزیں ہو گیا تھا) چھوڑ دیا اور دہلی واپس آیا۔

فتوحات

اس کے بعد ۷۶۰ھ / ۱۳۵۹-۶۰ء میں وہ پھر بنگال گیا اس وقت ستر ہزار سوار اور بے شمار پیدل فوج ساتھ تھی (۴۷۰ ہاتھی بھی ہمراہ تھے) لیکن اس مہم کا نتیجہ بھی یہ ہوا کہ صلح ہو گئی۔ واپسی میں بادشاہ ہاتھیوں کا شکار کرنے پدماوی (چھوٹا ناگپور) کے جنگل میں پہونچ گیا اور بڑی مشکل سے اپنے ساتھیوں کی جان بچا کر دہلی واپس آسکا۔ اس دفعہ وہ ڈھائی سال کے بعد دہلی آیا اور آخر ۶ ماہ میں تو کوئی خبر ہی بادشاہ کی دہلی تک نہ پہونچ سکی۔

اس کے بعد اس نے ٹھٹھہ فتح کرنے کا عزم کیا اور نوے ہزار سوار ۴۸۰ ہاتھی لے کر بھکر کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ فوج ۵۰۰۰ کشتیوں کے ذریعہ سے دریائے سندھ کو عبور کر کے پہونچی اور کچھ ساحل گئیں۔ اتفاق سے اس زمانہ میں قحط پڑ گیا، اور سما و جام (فرمانروائے سندھ) کے مقابلہ میں شکست ہوئی واپسی میں فیروز شاہ نے گجرات کا قصد کیا

لیکن راستہ بتانے والوں نے دھوکہ دے کر کچھ کی دلدلوں میں پھنسادیا۔ پھر ٦ ماہ تک بادشاہ کی کوئی خبر دہلی نہیں پہونچ سکی۔ اس مصیبت سے نجات پانے پر بادشاہ نے پھر گجرات میں فوج مرتب کی اور دہلی سے کمک طلب کر کے سندھ پر حملہ کیا اس مرتبہ بادشاہ کو کامیابی حاصل ہوئی اور وہاں کے فرمانروا کو معزول کر کے اس کے بیٹے کو تخت نشین کیا اس کے بعد نگر کوٹ پر حملہ کیا اور وہاں فتح ہوئی۔

جب فیروز شاہ، دہلی آکر انتظام سلطنت میں مصروف ہوا تو خداوندزادہ (سلطان محمد تغلق کی بہن) معہ اپنے شوہر کے وہیں ایک محل میں رہتی تھی، فیروز شاہ ہر جمعہ اس محل میں جاتا تا۔ ملک خسرو آگے کھڑا رہتا اور ملک داور (خداوندزادہ کا بیٹا) ماں کے پیچھے بیٹھتا۔ جب بادشاہ رخصت ہونے لگتا تو خداوندزادہ پان دیتی۔

واقعہ

ہرچند خداوندزادہ فیروز شاہ کی تخت نشینی پر راضی ہوگئی تھی، لیکن حقیقتاً وہ اس سے خوش نہ تھی ایک بار اس نے فیروز شاہ کو قتل کر دینے کی سازش کی اور محل کے اندر حجروں میں زرہ پوش سپاہیوں کو چھپا کر تاکید کر دی کہ "جب میں اپنے سر پر دوپٹہ کو درست کرنے لگوں تو فیروز شاہ کا کام تمام کر دیں"۔

رحم دلی

جب فیروز شاہ حسب معمول آیا تو داور ملک نے جو اس سازش میں شریک نہ تھا بادشاہ کو چلے جانے کا اشارہ کیا، یہ کچھ سمجھ کر فوراً وہاں سے چلدیا۔ خداوندزادہ روکتی رہی مگر یہ کوئی عذر کر کے

چلا آیا۔ اس کے بعد جب خداوندزادہ کے محل کا محاصرہ کیا گیا تو زرہ پوش سپاہی گرفتار ہوئے اور انہوں نے سارا حال بیان کر دیا۔ بادشاہ نے خداوندزادہ کو صرف یہ سزا دی کہ وہ گوشہ نشین ہو جائے اور اپنا وظیفہ لیتی رہے اور اس کے شوہر خسرو ملک کو جلاوطن کر دیا۔"

جب بادشاہ اوّل مرتبہ بنگال کی مہم پر گیا تو تاتارخاں بھی ساتھ تھا، بادشاہ کبھی کبھی شراب کا شغل کیا کرتا تھا، ایک دن صبح کو اتفاق سے تاتارخاں اس کے خیمہ میں پہونچ گیا۔ فیروز اس وقت اسی شغل میں مصروف تھا، فوراً شراب کا سامان پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ لیکن تاتارخاں نے دیکھ لیا اور بادشاہ کو نہایت سختی سے زجر و توبیخ کی۔ بادشاہ بہت نادم ہوا۔ اور آئندہ کے لئے عہد کیا کہ میں تمہاری موجودگی میں کبھی شراب نہ پیوں گا۔

وقائع تاتارخاں صرف ایک فوجی افسر تھا۔ لیکن یہ فیروز شاہ کی حد درجہ انصاف پسندی اور سلامت طبع تھی کہ اس نے اپنے ایک معمولی امیر کی جھڑکی سن لی اور جواب میں سوائے انفعال و ندامت کے اظہار کے اور کچھ نہ کہا۔

جب بادشاہ ضعیف ہو گیا تو اس کو ایک سخت صدمہ تو اپنے وزیر خان جہاں کی وفات کا پہونچا، اور دوسرا صدمہ بڑے بیٹے فتح خاں (ولی عہد) کا جس کی وفات وزیر کے تین سال بعد وقوع میں آئی۔ فتح خاں نہایت ہوشیار و قابل لڑکا تھا اس لئے اس کی موت نے بادشاہ کی کمر

توڑ دی۔ فیروز شاہ نے خان جہاں کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کو وزیر کر دیا۔ لیکن فیروز کے دوسرے بیٹے محمد کی سازش سے وزیر کو معزول ہو کر جان کے خوف سے بھاگ جانا پڑا۔ اس کے بعد فیروز شاہ نے ناصرالدین کا خطاب دے کر تمام انتظاماتِ سلطنت محمد کے سپرد کر دیا چونکہ محمد سخت نالائق تھا اس لئے غلاموں میں اس کے طرزِ عمل سے سخت ہنگامہ بپا ہو گیا۔ فیروز شاہ کو مجبوراً اپنی خلوت سے نکلنا پڑا اور بمشکل اس شورش کو رفع کر کے اپنے پوتے یعنی فتح خاں کے بیٹے کو تخت نشین کیا۔

وفات چند دن بعد ۱۸ رمضان ۷۹۰ھ کو انتقال کر گیا اس کی عمر نوے سال کی تھی اس نے قریب چالیس سال کے حکومت کی اور اپنے غیر فانی نقوش حسن انتظام کے چھوڑ گیا۔ فیروز شاہ، حوض خاص (شمسی) کے پاس مدفون ہوا۔ اس کا مقبرہ اب بھی شکستہ حالت میں موجود ہے[1]

علمی دربار فیروز شاہ تغلق سلطان محمد بن تغلق کی طرح صاحبِ علم و صاحبِ تصنیف تھا۔ فتوحات فیروزی اس کی مشہور تصنیف ہے علم کا بڑا قدردان تھا اس کا دربار علماء و فضلاء شعراء اور دوسرے اصحاب کمال کا مرجع تھا۔ ضیاء برنی اور عفیف جیسے مورخ اور ادیب مظہر ہندی جیسے شاعر تاتارخاں جیسے عالم اور مفسر علماء سے

---

[1] ملخص از طبقات اکبری صفحہ ۱۱۲ ۔ ۱۲۱ و تاریخ ہند ذکاء اللہ و اسلامی ہند از علامہ نیاز فتح پوری۔

اس کا دربار آراستہ رہتا تھا۔ اس نے جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے بڑی بڑی مساجد مدارس بنوائے۔ ان کے مصارف کے لئے ہزاروں روپیہ کے اوقاف مقرر کئے۔ اس نے محکمہ تراجم بھی قائم کیا۔ فرشتہ لکھتا ہے:۔

"بادشاہ علمائے آں طائفہ را طلب کردہ بعضے ازاں کتب را ترجمہ فرمودہ - ازاں جملہ اعزالدین خالد خانی کہ شعرائے آں کتابے در حکمت طبعی و شگون و تفاولات در سلک نظم کشیدہ دلائل فیروز شاہی نام کردہ و اطلاق آں کتابست متضمن اقسام حکمت علمی و عملی"[۱]

فیروز شاہ کے علمی ذوق کا ہی اثر تھا کہ امرائے سلطنت بھی علم سے شغف رکھتے تھے۔ امراء میں سے امیر تاتار خاں تھا جس نے تفسیر کلام پاک کی لکھی جو تفسیر تاتار خانی کے نام سے مشہور ہے اسی طرح اس نے درمختار اور شامی کے مثل ایک فتاویٰ کی کتاب ترتیب دی جو تین جلدوں میں ہے۔ دہلی کے تمام فتووں کو جمع کر کے ہر مختلف فیہ مسئلہ کو اس کتاب میں درج کیا اور اختلاف والے مفتی کے نام کا حوالہ بھی دیا اس کا نام فتاویٰ تاتارخانی رکھا ہے[۲]

فیروز شاہ کے عہد میں طب کو فروغ

سراج عفیف لکھتا ہے:۔ "چوں سلطان فیروز شاہ

---

[۱] فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۴۸ و طبقات اکبری صفحہ ۲۳۳ -

[۲] تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۳۹۲

بچنابریں قید ہو کلاں آستانہ شفاخانہ وصحت خانہ برائے
عامہ مریضان بنا فرمودہ واطبائے حاذق وحکمائے صادق
وقدمائے مصدق وجراحان وکحالاں دراں مقام تعین
گردانیدہ وادویہ وطعمہ واشربہ برائے مریضان از
خزانہ مقرر بردہ باب کرم عام بہ شفقت تمام برخلائق
خاص وعام کشادہ ؂

تغلق شاہ ثانی

امراء نے تغلق شاہ ثانی، فتح خاں کے بیٹے (اور فیروز شاہ کے پوتے) کو بادشاہ (۷۹۰ھ) بنا دیا[1]

چونکہ یہ ایک بے وقوف نوجوان تھا، اور سوائے لہو ولعب کے اور کوئی مشغلہ نہ رکھتا تھا۔ اس لئے امراء اور محل کے غلاموں نے جبکہ اس کی حکومت کو صرف ۶ ماہ اور کچھ دن کا زمانہ گزرا تھا ۷۹۱ھ میں قتل کر دیا۔

ظفر خاں

اس کے بعد ظفر خاں کے بیٹے ابو بکر[2] کو امراء نے تخت نشین کیا۔ رکن الدین چندہ منصب وزارت پر سرفراز ہوا۔

مگر چونکہ اس کا چچا ناصر الدین محمد جسے فیروز شاہ کے عہد میں غلاموں نے نکال دیا تھا پنجاب میں سامانہ سے نگر کوٹ تک اپنا کافی اقتدار پیدا کر چکا تھا، اس لئے وہ دہلی کی طرف بڑھا اور کئی بار شکست کھانے کے بعد ۷۹۲ھ (۱۳۹۰ء) میں تخت دہلی پر قابض ہو گیا۔ ہر چند یہ چار سال تک حکمراں رہا لیکن اس کے زمانۂ حکومت میں ہر جگہ ہندوؤں نے بغاوت شروع کر دی اور جو کچھ اقتدار سلطنت دہلی کا باقی تھا وہ بھی مٹ گیا۔

سلطان محمد کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں (سکندر شاہ کا لقب

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۶۸ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۶۸ ۔

اختیار کرکے) ۷۹۵ھ میں تخت نشین ہوا اور ڈیڑھ مہینہ کے بعد وہ بھی مر گیا۔ اس کے بعد ہمایوں کا بھائی محمود ۱۸ سال تک حکمراں رہا۔ لیکن اس شان سے کہ تخت سلطنت کبھی قنوج میں تھا کبھی دہلی میں۔

اور دہلی کا بھی یہ حال تھا کہ ادھر محمود اپنے کو بادشاہ کہتا تھا، ادھر فیروز آباد میں نصرت شاہ، فتح خاں کا بیٹا حکمرانی کر رہا تھا۔ اس طرح گویا دہلی کے تخت پر دو بادشاہ قابض تھے۔ اور ملک میں حد درجہ بدامنی پھیل رہی تھی۔ الغرض یہ تھا ہندوستان کی سلطنت کا حال جب امیر تیمور صاحبقراں نے ۹۲ ہزار سواروں کی جمعیت سے دہلی پر حملہ کیا۔ تیمور کے حملہ کا مفصل حال ظفرنامہ، ملفوظات تیموری اور مطلع السعدین میں درج ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف اس کا ایک خاکہ پیش کریں گے، کیونکہ تیمور کا شمار ہندوستان کے بادشاہوں میں نہیں ہے۔ اور اس لئے اسکے حالات سے جداگانہ بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

تیمور ہندوستان آنے سے قبل تمام عراق و فارس، افغانستان و ایشیائے کوچک کو زیرنگیں کر چکا تھا اس لئے ضروری تھا کہ وہ کسی نہ کسی وقت اس طرف بھی متوجہ ہو، چنانچہ اس نے اپنے فوجی مشیروں کے سامنے ہندوستان کے مسئلہ کو بھی پیش کیا۔ ان سب میں سے بعض نے کہا کہ پانچ دریاؤں کا عبور کرنا، گھنے جنگلوں سے گزرنا، بڑے بڑے راجاؤں کی خونخوار افواج (جو جنگلوں میں وحشی درندوں کی طرح چھپی ہوئی ہے) سے عہدہ برا ہونا، آہن پوش ہاتھیوں کو شکست دینا ایسا آسان کام

نہیں ہے۔ بعض نے محمود غزنوی کی مثال پیش کی کہ اس نے صرف تیس ہزار سواروں کی مدد سے ہندوستان کو فتح کر لیا تھا۔ اور ہمارے پاس تو ایک لاکھ جرار فوج موجود ہے۔ اس کے ساتھ شاہزادہ شاہ رخ (تیمور کے بیٹے) نے بھی ہندوستان کی دولت اور یہاں کے کفر وبت پرستی کا ذکر کر کے جہاد پر آمادہ کیا۔ مخالفین نے پھر ایک دلیل پیش کی کہ اگر وہاں کامیابی ہو بھی گئی ہو تو ہماری نسل کے لوگ جو وہاں حکمراں ہوں گے ان میں بعد کو یقیناً اختلاط پیدا ہو جائے گا۔ اور وہاں کی آب وہوا ان کو آرام طلب، عیش پسند اور غیر جنگجو بنا دے گی۔ اس پر تیمور نے کہا کہ میرا مقصد قیام کرنا نہیں ہے۔

اس سے قبل پیر محمد جہانگیر (تیمور کا پوتا جو کابل کا گورنر تھا) تمام حدود افغانستان کو زیر کر کے ہندوستان کے اندر پہونچ چکا تھا، اور دریائے سندھ کو عبور کر کے ملتان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔

اتفاق سے اس وقت جبکہ تیمور حملہ ہندوستان کی تیاریاں کر رہا تھا پیر محمد کی تحریر پہونچی جس میں سلطنت دہلی کی بدنظمی طوائف الملوکی وغیرہ کا مفصل حال درج تھا۔

اس تحریر کو دیکھتے ہی تیمور نے رجب ۸۰۰ھ مارچ ۱۳۹۸ء میں اپنے دارالسلطنت سمرقند سے ہندوستان کی طرف کوچ کر دیا۔ اور ۸ محرم کو سرحد کی سنگلاخ زمینوں، کوہستانوں کی چوٹیوں اور وادیوں کو طے کرتا ہوا اس دریائے سندھ پر پہونچ گیا جسے جلال الدین خوارزم

نے چنگیز خاں تیمور کے مورث اعلیٰ کے تعاقب سے خوفزدہ ہو کر عبور کیا تھا یہاں پہونچ کر اس نے کشتیوں کا ایک پُل دو دن کے اندر تیار کرایا اور ۱۲ محرم کو دریا سے عبور کر کے اپنے پوتے پیر محمد سے مل گیا۔ جس نے اب ملتان پر قبضہ کر لیا تھا۔

پنجاب کی حالت اس وقت یہ تھی کہ تیموری حملہ کی داستانیں عام ہو گئی تھیں۔ اور دیپل پور کے لوگ بھاگ کر بھٹنیر کے قلعہ میں پناہ لے رہے تھے۔ تیمور بھٹنیر پہونچا اور وہاں قتل عام کر کے آگے بڑھا اب فتح آباد بھی ویران تھا۔ سرستی کے لوگ بھی شہر چھوڑ کر جنگلوں میں چلے گئے تھے۔ اور تیمور جس طرف سے گزرتا تھا نصرت و کامیابی اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ آخر کار ۲۴ ربیع الاول کو پانی پت کے مشہور میدان میں پہونچ گیا۔ یہاں کوئی اس کا مقابل نہ تھا۔ اس لئے وہ آگے بڑھا اور ۷ ربیع الثانی کو دہلی پہونچ گیا جہاں محمود شاہ کی فوج اس کے مقابلہ کے لئے آمادہ تھی۔

امیر تیمور نے اپنی فوج اس طرح مرتب کی کہ پیر محمد اور امیر یادگار وغیرہ کو میمنہ سپرد کیا۔ سلطان حسین اور خلیل سلطان وغیرہ کو میسرہ میں رکھا اور خود قلب میں رہا۔

محمود شاہ کی فوج میں بارہ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادہ تھے۔ علاوہ اس کے ۱۲۰ ہاتھی بھی تھے یہ بالکل آہن پوش تھے۔ اور ان کے دانتوں میں زہریلی کٹاریں لگی ہوئی تھیں۔ اور ان کے اوپر ہودوں میں تیر انداز

اور آتش باز بیٹھے تھے۔

تیمور جب فوج کی ترتیب سے فارغ ہو گیا تو اس نے ایک بلندی پر چڑھ کر فوج کے مواقع دیکھ کر اپنی فتح کے لئے دعا مانگی اور پھر حملہ کا حکم دیا۔ تیمور کی میمنہ نے ہندی فوج کی میسرہ پر تیروں کی بارش شروع کی اور اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اسی طرح ترکیوں کے میسرہ نے دہلی فوج کے میمنہ کو پسپا کر دیا۔ قلب میں چونکہ اقبال خاں اور خود محمود شاہ موجود تھے اسی لئے اس حصہ نے تھوڑی دیر سخت مقابلہ کیا۔ مگر اسے بھی شکست ہوئی۔ اور یہ دونوں بھاگ کر شہر میں داخل ہوئے اور وہاں سے بھی رات کو چھپ کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔

۸ ربیع الثانی کو فتح کے بعد تیمور نے حوض خاص پر اپنا خیمہ نصب کیا۔ تمام امراء و اراکین حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے۔ اور علماء و فضلاء بھی آئے جن کی خواہش کے مطابق اس نے قتل عام کا حکم نہیں دیا۔ اور زر فدیہ لے کر سب کو امان دینے کا وعدہ کر لیا۔ دہلی کی جامع مسجد میں امیر تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور جشن فتح مندی شروع ہو گیا۔

ایک ہفتہ بعد ۱۶ ربیع الثانی کو زرِ فدیہ کی وصولی میں تیمور کے سپاہیوں کی طرف سے کچھ سختی ہوئی تو اس پر لوگوں میں کچھ ہنگامہ ہوا حتیٰ کہ تیموری فوج جو پہلے ہی سے غارت گری کے لئے کوئی بہانہ تلاش کر رہی تھی برہم ہو کر لوٹ مار پر آمادہ ہو گئی۔ تیمور نے بہت کوشش کی کہ خونریزی نہ ہو لیکن وہ اپنی فوج کے بڑھتے ہوئے جوش کو نہ روک سکا۔ اور پھر مسلسل ۱۹ ر

ربیع الثانی تک سوائے ان مقامات کے جہاں علماء و فقہاء وغیرہ رہتے تھے۔ سری جہاں پناہ اور دہلی کہنہ خون ریزی اور غارت گری کا نہایت ہولناک منظر بنے رہے۔ اس لوٹ میں اس قدر زر و جواہر نقرئی و طلائی برتن، زیورات اور قیمتی کپڑے ہاتھ آئے کہ شاید اس سے قبل کبھی تیموری فوج کو نصیب نہ ہوئے تھے۔ علاوہ اس کے قیدیوں کی تعداد اتنی تھی کہ ہر شخص کو بیس سے لے کر ایک سو غلام تقسیم ہوئے۔ تیمور نے دہلی کے بہت سے پیشہ ور دستکار اور حرفہ جاننے والے لوگوں کو سمرقند روانہ کر دیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو ان فنون کی تعلیم دی جائے۔

تیمور کو پندرہ دن دہلی میں قیام کئے ہوئے ہو گئے تو اسے خیال آیا کہ وہ یہاں ٹھہرنے نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس کا مقصود تو صرف جہاد تھا اس لئے وہ ۲۲ ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو دہلی سے روانہ ہوا۔ اور قلعہ فیروز آباد میں نماز پڑھ کر میرٹھ گیا۔ اس کو تباہ و برباد کر کے ہردوار پہونچا اور یہاں بھی اسے فتح حاصل ہوئی۔ اس کے بعد دریائے گنگ کو عبور کر کے مسوری کے نیچے کوہ سوالک میں نشانات فتح چھوڑتا ہوا اس نے نگر کوٹ اور جموں کو فتح کیا اور ۱۹ جمادی الآخر کو افغانستان کی وادیوں میں غائب ہو گیا[1]

خدا کا قہر ختم ہو چکا تھا۔ اور اب لوگ اپنی پوشیدہ جگہوں سے نکلنے شروع ہو گئے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی حالت اب تک

---

[1] تاریخ ہند ذکاء اللہ و اسلامی ہند۔

وہی تھی۔ اور ہر جگہ قحط و تباہی رونما تھی۔ جب تیمور نے اس کو چھوڑ دیا تو اقبال خاں نے نصر شاہ کو الگ کر کے تخت پر خود قبضہ کر لیا اور اٹاوہ و گوالیار وغیرہ کے ہندو راجاؤں کو جو خود مختار ہو گئے تھے زیر کرنے کی سخت کوشش کی۔

محمود شاہ نے قنوج میں اپنی حکومت قائم کی اور ۸۰۸ھ میں اقبال خاں، خضر خاں گورنر ملتان کے مقابلہ میں مارا گیا۔ اس کے بعد ۶۔۷ سال تک پھر وہی طوائف الملوکی، گورنروں کی باہم خونریزی قائم رہی۔ یہاں تک کہ جب محمود شاہ نے ۸۱۵ھ ۱۴۱۲ء میں انتقال کیا تو تخت دہلی پر بیٹھنے کے لئے کوئی نام کا بھی فرمانروا موجود نہ تھا۔ آخر کار لوگوں نے مجبوراً میر دولت خاں لودی کو فرمانروا بنا دیا۔ لیکن اس نے کبھی اپنے کو بادشاہ نہیں سمجھا۔ چند ماہ بعد خضر خاں (گورنر دیپال پور) نے دہلی کا محاصرہ کیا۔ اور ۸ ربیع الاول ۸۱۷ھ (۲۳ مئی ۱۴۱۴ء) کو دولت خاں نے قلعہ سیری اس کے سپرد کر دیا جس سے حکومت ہندوستان، سید خاندان میں منتقل ہو گئی۔[1]

محمود شاہ کے عہد کا مشہور شاعر قاضی ظہیر دہلوی تھا جو صاحب دیوان ہے اس نے محمود شاہ کی تعریف میں بہت سے قصائد لکھے ہیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ قاضی ظہیر کے بعد کوئی شاعر اس پائے کا نہیں گزرا۔

---

[1] تاریخ مبارک شاہی۔

سیّد خاندان

۸۱۷ھ / ۱۴۱۴ء = ۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء

خضر خاں، ملک الشرق ملک سلیمان کا بیٹا تھا "ناصر الملک مردان دولہ (گورنر ملتان) کا متبنٰے فرزند تھا اس کے مرنے پر ملک شیخ اس کا بیٹا جانشین ہوا، لیکن قضا نے اس کو بھی چند دن بعد اپنے باپ سے ملا دیا، اسلئے فیروز شاہ ملک سلیمان کو اقطاع ملتان کا مالک بنا دیا، مگر یہ بھی چند روز زندہ رہا اس لئے اس کے بعد اس کا بیٹا خضر خاں یہاں کا فرمانروا مقرر کیا گیا[1] چونکہ ملک سلیمان سید تھا اور خضر خاں اس کا بیٹا تھا، اس لئے جو عہد حکومت، خضر خاں سے شروع ہوتا ہے، اسے سید خاندان کی سلطنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ خضر خاں کو کسی مورخ نے سلطان کے لقب سے یاد نہیں کیا، مبارک شاہی میں تخت نشینی کے بعد اس کو "بندہ رایت عالی" اور تخت نشینی سے پہلے "مسند عالی" لکھا ہے۔ طبقات اکبری میں رایت عالی درج ہے اور ملائے بدایونی نے مسند عالی تحریر کیا ہے۔ فرشتہ نے صرف "سید خضر خاں" کو ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خضر خاں نے باوجود تخت نشین ہو جانے کے ہمیشہ اپنے کو تیمور کا ماتحت سمجھا اور کبھی بادشاہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ملا عبد القادر بدایونی نے بھی اپنی

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۷۵ مطبوعہ نولکشور

تصنیف میں صرف اس بیان پر کفایت کی ہے کہ "اسم بادشاہی بر خود تجویز نہ کرد و رایات اعلیٰ خطاب یافت"[1]

سکہ خضر خاں نے فیروز شاہ یا اس کی اولاد کا نام سکوں میں درج کرایا۔ چونکہ وہ خود بادشاہ کہلائے جانے کی آرزو نہ رکھتا تھا اسلئے اس کو پرواہ نہ ہو سکتی تھی کہ سکوں پر کس کا نام ہے۔ البتہ وہ سنہ ضرور درج کرتا تھا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ فلاں شخص کے عہد حکومت میں یہ سکہ مضروب ہوا۔

خضر خاں سب سے پہلے تاریخ ہند میں بہ حیثیت گورنر ملتان نمودار ہوا[2]۔ جب فیروز شاہ مر گیا اور اس کے بعد حکومت میں طوائف الملوکی پھیل گئی تو پھر وہ اس وقت نظر آیا جب سارنگ خاں ملا اقبال خاں کے بھائی نے قلعہ ملتان کا محاصرہ کر کے اس کو قید کر لیا (۷۹۸ھ) اس کے بعد خضر خاں کسی طرح قید سے اپنی جان بچا کر بیانہ چلا گیا۔ اور پھر جب تیمور نے حملہ کیا تو اس نے اپنی امیدوں کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا اور آخر کار امیر تیمور کی واپسی پر اس نے ۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء میں دولت خاں لودھی کو زیر کر کے دہلی پر قبضہ حاصل کیا۔

اس نے سات سال تک حکومت کی اور ہمیشہ اس کوشش میں رہا کہ کسی طرح سلطنت دہلی کا اگلا اقتدار پھر قایم ہو جائے۔ لیکن وہ اس میں صرف اسی قدر کامیاب ہوا کہ قرب و جوار کے راجہ ایک حد تک مطیع ہو گئے۔

---

[1] و [2] منتخب التواریخ صفحہ ۷۵

لیکن بغاوت و شورش بدستور باقی رہی اور جو اجزاء سلطنت منتشر ہو گئے تھے وہ فراہم نہ ہو سکے۔

۸۱۷ھ میں تخت نشین ہوتے ہی اپنے وزیر تاج الملک (ملک الشرق) کو بدایوں اور کہیڑ کی طرف روانہ کیا یہاں کا راجہ ہر سنگھ کوہستان آنولہ میں بھاگ گیا۔ اور پھر مطیع ہو گیا۔ اسی طرح حیات خاں امیر بدایونی نے بھی اطاعت اختیار کی۔ اس کے بعد اس نے کالی ندی اور گنگا کو عبور کر کے شمس آباد اور کمبل (کملا) کے باغیوں سے خراج وصول کیا اور دہلی واپس آیا لیکن چونکہ راجاؤں اور باغیوں کی یہ اطاعت بالکل عارضی تھی اسلئے پھر شورش و انحراف کی شکایت رہی اور ۸۱۹ھ/۱۴۱۶ء میں دوبارہ تاج الملک کو بیانہ اور گوالیار جانا پڑا خود خضر خاں کو بھی قلعہ ناگور کی طرف سفر کرنا پڑا کیونکہ سلطان احمد شاہ گجراتی نے وہاں محاصرہ کر رکھا تھا اس سے فارغ ہو کر یہ گوالیار گیا قلعہ تو فتح نہ ہوا لیکن وہاں کے راجہ سے خراج وصول کر کے بیانہ گیا اور یہاں کے حاکم شمس خاں اوحدی کو بھی زیر کیا۔

۸۲۰ھ/۱۴۱۷ء میں ملک طغائی اور ترکوں کی جماعت نے بغاوت کی اور سرہند کا محاصرہ کر لیا۔ خضر خاں نے زیرک خاں حاکم سمانہ کو اس بغاوت کے فرد کرنے کے لئے مامور کیا۔ ملک طغائی نے اطاعت قبول کی اور جالندھر اس کے سپرد کیا گیا۔

۸۲۱ھ/۱۴۱۸ء میں راجہ کیتھر نے بغاوت کی۔ تاج الملک نے اسے زیر کیا اور اٹاوہ کو تاخت کرتے ہوئے دہلی واپس آیا۔ ۸۲۲ھ میں خود

خضر خاں کو کیتھر کی طرف جانا پڑا۔ اور اس نواح کے باغیوں کو زیر کر کے بدایوں کی طرف متوجہ ہوا۔ مہابت خاں حاکم بدایوں قلعہ بند ہو گیا خضر خاں نے محاصرہ کیا اور چھ ماہ تک یہیں پڑا رہا قلعہ فتح ہونے کے قریب تھا کہ دہلی میں شورش ہونے کی خبر معلوم ہوئی اور مجبوراً واپس جانا پڑا۔ اسکے بعد معلوم ہوا کہ ایک شخص نے جو اپنے کو سارنگ خاں کہتا ہے خروج کر کے اقطاع جالندھر میں شورش برپا کر رکھی ہے بمشکل تمام اس کا فتنہ بھی فرو ہوا۔

۸۲۴ھ / ۱۴۲۱ء میں خضر خاں نے میوات کو زیر کیا اور گوالیار کی طرف روانہ ہوا یہاں سے خراج لے کر اٹاوہ پہونچا اور یہیں بیمار ہو گیا[1] چنانچہ اسی حال میں دہلی واپس آیا۔ اور ۱۷ جمادی الاول ۸۲۴ھ مئی ۱۴۲۱ء کو مر گیا۔ تاج الملک کا انتقال اس سے چار ماہ قبل محرم میں ہو چکا تھا

آثار الصنادید کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ۸۲۱ھ / ۱۴۱۸ء میں دریا کے کنارے ایک شہر بھی آباد کیا تھا اور وہاں قلعہ و محلات تعمیر کرائے تھے لیکن اب اس قلعہ کا پتہ نہیں ہے ممکن ہے کہ اب جس موضع کا نام خضر آباد ہے وہی جگہ خضر خاں کا آباد کیا ہوا شہر ہو۔

خضر خاں نے اپنی وفات سے تین دن پہلے اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کر دیا تھا چنانچہ وہ ۱۹ جمادی الاول ۸۲۴ھ کو (یعنی وفات خضر خاں کے تین دن بعد) تخت نشین ہوا۔

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۷۶۔

اسی سال شیخا کھوکر کے بھائی جسرت اور طغار تیس نے بغاوت کی اور یہ شورش اس حد تک بڑھی کہ خود مبارک شاہ کو سفر کرنا پڑا۔ اس جنگ میں جسرت کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گیا۔ لاہور بالکل ویران ہو گیا تھا۔ اس لئے چنداں قیام کر کے اس کو آباد کیا۔ عمارات بنوائیں اور پھر دہلی واپس آیا۔

۸۲۶ھ / ۱۴۲۳ء میں کیتھیرہ (روہیلکھنڈ) کی طرف فوج کشی کی اور خراج وصول کیا۔ مہابت خاں حاکم بدایوں نے بھی حاضر ہو کر معافی چاہی۔ اسی سال بیانہ میں بدامنی پھیلی اور مبارک شاہ نے اُسے فرو کیا۔

۸۲۹ھ / ۱۴۲۵ء میں میواتیوں نے شورش برپا کی اور لشکر شاہی اس طرف روانہ کیا گیا۔ ابراہیم شاہ شرقی اور مبارک شاہ سے برہان آباد ضلع اٹاوہ کے میدان میں جنگ ہوئی، لیکن ابراہیم شاہ شرقی جونپور خائف ہو کر چلا گیا اور ۸۳۱ھ / ۱۴۲۸ء میں مبارک شاہ کامیاب دہلی واپس آیا۔

۸۳۳ھ / ۱۴۲۹-۳۰ء میں فولاد غلام نے سرہند میں سر اٹھایا اور مسلسل چار سال تک مبارک شاہ اس کے پیچھے سرگرداں رہا۔ آخر کار رجب ۸۳۷ھ / ۱۴۳۳ء میں جو مبارک شاہ کا آخری سال تھا، فولاد غلام مارا گیا اور بمشکل تمام پنجاب کی شورش عارضی صورت سے رفع ہوئی۔

مبارک شاہ اپنی خصائل کے لحاظ سے نیک طینت اور کریم النفس شخص تھا، وہ اکثر و بیشتر خود اپنی فوج کے ساتھ جاکر دشمنوں سے جنگ کرتا تھا اور حد درجہ دلیر و شجاع تھا جو بدامنی اور خرابی پہلے سے چلی آرہی

تھی وہی اس کے عہد میں بھی قائم رہی جونپور اور مالوہ کے صوبوں کی جو سیاسی اہمیت قائم ہو چکی تھی۔ اس نے مبارک شاہ کو اس قدر تکلیف نہیں پہونچائی جس قدر افطاع پنجاب نے جہاں اس کا باپ خضر خاں سلطنت دہلی حاصل کرنے کے لئے دولت خاں لودی کے خلاف روانہ ہوا تھا حقیقت یہ ہے کہ محمد بن سام کے جانشینوں کا متبرک پایہ تخت پہلے ہی ہندوستان میں اپنا اقتدار کھو چکا تھا۔ اور تیمور کے حملہ نے تو ایسی کاری ضرب لگائی کہ گجپتی بادشاہوں کی جو عزت ہندوستانی آبادی کے دل میں مرتسم تھی وہ دفعتہً زائل ہو گئی۔

کیتھر کے ہندو زمینداروں نے اس کے عہد میں بغاوت کی۔ دہلی کے جنوب میں جو ایک حصۂ ملک نصف دائرہ کی صورت میں مختلف جاگیرداروں راجاؤں اور امراء کے قبضہ میں تھا۔ اس نے سر اٹھایا۔ مبارک شاہ نے ان کو دبایا خراج وصول کیا۔ عارضی طور سے وہ مطیع ہو گئے اور پھر سرکشی اختیار کی الغرض یہی مار و جزر قائم رہا۔ لیکن سب سے زیادہ تکلیف پنجاب کے گھکروں یا کھوکروں سے پہونچی جن پر حقیقت یہ ہے کہ تیمور کو بھی برائے نام فتح حاصل ہوئی تھی اور ان تاتاری حملوں سے جو شاہ رخ کے گورنر کابل کی امداد سے فولاد نے پے در پے پنجاب میں جاری رکھے اور ان کی سازشوں سے خود دہلی بھی محفوظ نہ رہ سکا۔

مبارک شاہ اپنے نئے شہر مبارک آباد کی مسجد میں تھا کہ خود اس کے وزیر سرور الملک کے اشارہ سے ہندوؤں نے اسے قتل کر ڈالا۔ تاریخ وفات

مصنف مبارک شاہی نے ۹ رجب ۸۳۷ھ (۱۹ جنوری ۱۴۳۴ء) تحریر کی ہے۔

مبارک شاہ کے قتل ہوتے ہی چند گھنٹے بعد مکار وزیر (سرور الملک) نے محمد شاہ کو جو خضر خاں کا پوتا، فرید خاں کا بیٹا اور مبارک شاہ کا متبنّٰی فرزند تھا تخت نشین کر دیا۔ اور چونکہ یہ تخت نشینی بالکل برائے نام تھی اور وزیر خود بادشاہ بننا چاہتا تھا اس لئے اس نے خزانہ و جیل خانہ پر قبضہ کر لیا اور بڑی بڑی جاگیریں اپنے ہی آدمیوں کو (جن میں سدپال اور سدھارن کھتری قاتلِ مبارک شاہ بھی شامل تھے) تقسیم کیں اور امرائے مبارک شاہ میں سے بعض کو قتل اور بعض کو مقید کر دیا۔ چونکہ سرور الملک (جسے اب خان جہاں کا خطاب مل گیا تھا) کی دغابازی اور مکاری کا حال سب کو معلوم ہو گیا تھا اس لئے ان امراء نے جو خضر خاں کے ممنون تھے (مثلاً الہ داد، کاکا لودی، امیر سنبھل، ہاربیا حاکم بدایوں، امیر علی گجراتی، امیر کمبل ترک بچہ) سرور الملک کی مخالفت شروع کر دی۔ اس نے اپنے خاص سرداروں کو مخالف امراء کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ انہیں میں ایک کمال الملک بھی تھا جو درپردہ سرور الملک کا سخت دشمن تھا اور مبارک شاہ اپنے آقا کے خون کا بدلہ اس سے لینا چاہتا تھا۔ یہ لوگ برن (بلند شہر) پہونچے تو کمال الملک کے ساتھی امراء کو معلوم ہوا کہ یہ خود ہمارا ہی دشمن ہے۔ اس لئے انہوں نے سرور الملک کو اس کی اطلاع کی۔ سرور الملک نے اس کا انسداد کرنا چاہا

تھا۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا اور اسی اثنا میں کمال الملک نے ملک الہ داد وغیرہ موافق امراء کو ساتھ لے کر دہلی کا رخ کیا اور قلعۂ سری کو محصور کر لیا۔ یہ محاصرہ تین ماہ تک قایم رہا۔ بادشاہ کو بھی سارے حالات معلوم ہو چکے تھے اسلئے اس نے سرور الملک کو جبکہ وہ خود بادشاہ کے قتل کی فکر میں تھا ہلاک کرا دیا اور اس کے ساتھیوں کو بھی عبرتناک سزائیں دیں۔ اب محمد شاہ کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنے تئیں خود مختار بادشاہ سمجھا اس کے بعد ۸۴۴ھ میں بادشاہ سامانہ گیا اور وہاں کے گھکڑوں کے خلاف ایک فوج روانہ کی جو تاخت و تاراج کے بعد واپس آئی۔

محمد شاہ نے ان جھگڑوں سے فارغ ہو کر کچھ دنوں تک انتظام سلطنت کی طرف توجہ کی لیکن پھر عیش وعشرت میں مشغول ہو گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں پھر وہی بدامنی شروع ہو گئی اور قرب وجوار کے خود مختار فرمانرواؤں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ابراہیم شاہ شرقی (جونپور) نے بہت سے اضلاع کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ مالوہ کے فرمانروا محمود خلجی کی جرأت تو اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے خود دہلی پر حملہ کیا ان مصائب سے آزاد ہونے کے لئے محمد شاہ نے بہلول لودی کو طلب کیا جو لاہور اور سرہند کا گورنر (لیکن حقیقتاً وہاں کا حکمراں) تھا اس کی مدد سے یہ خطرات اس وقت دور ہو گئے۔ بادشاہ نے بہلول لودی کو اپنا بیٹا بنایا اور خان خاناں کا خطاب دیا۔ ہر چند

اس کے بعد اسی بہلول نے خود محمد شاہ کو معزول کرنے کی غرض سے دہلی پر حملہ کیا لیکن کامیاب نہیں ہوا۔

محمد شاہ بن فرید خان ۸۴۷ھ میں اپنی طبعی موت سے مرا۔ محمد شاہ کے بعد تمام امراء نے سوائے بہلول لودی کے علاؤ الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسے دہلی کا حکمراں تسلیم کیا۔ لیکن اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی عادت و اطوار سے ظاہر کر دیا کہ اس میں حکمرانی کی اہلیت بالکل نہیں ہے اس وقت سلطنت دہلی کی تفریق و انتشار کی یہ حالت تھی کہ:۔

(۱) دکن، گجرات، مالوہ، جونپور، بنگال، کے گورنر خود مختار بادشاہ تھے۔ اور اپنے نام کا سکہ و خطبہ انہوں نے جاری کر رکھا تھا۔

(۲) پنجاب میں پانی پت سے لاہور، دیپال پور، اور سرہند تک بہلول لودی کی حکومت تھی۔

(۳) مہرولی اور میوات میں (دلی سے سات کوس تک) احمد خاں میواتی قابض تھا۔

(۴) سنبھل سے حدود دہلی تک دریا خاں لودی کی فرمانروائی تھی۔

(۵) کمپلا اور پٹیالی میں، پرتاب سنگھ کی حکومت تھی۔

(۶) بیانہ میں داؤد خاں لودی کا تصرف تھا۔

(۷) گوالیار و دھولپور بھدو را میں جدا جدا راجہ فرمانروا تھے۔

(۸) راپری اور اس کے مضافات میں قطب خاں افغان حکمراں تھا۔

چنانچہ تاریخ خان جہاں لودی میں لکھا ہے کہ اس وقت علاؤ الدین

کی سلطنت کے متعلق عام طور سے یہ فقرہ ضرب المثل ہو گیا تھا کہ "بادشاہی شاہ عالم۔ از دہلی تا پالم" الغرض سلطنت دہلی کے حدود یہ رہ گئے تھے کہ ایک جانب صرف ایک میل اور باقی اطراف میں ۱۲ میل سے زائد زمین نہ تھی۔ پھر اس کے ساتھ یہ طرہ ہوا کہ بادشاہ کو بدایوں کی آب و ہوا زیادہ اچھی معلوم ہوئی۔ اور دارالحکومت اس کو بنانا چاہا ہر چند امراء نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا اور باوجود اس کے کہ اس اثناء میں دو بار بہلول لودی حملہ کر چکا تھا۔ (ہر چند وہ حملے کامیاب نہ ہوئے) بادشاہ نے اپنا عزم پورا کیا اور دہلی میں اپنے دو سالوں کو حکومت سپرد کر کے بدایوں چلا گیا۔ یہ پہلی غلطی علاؤ الدین کی تھی۔ دوسری حماقت یہ ہوئی کہ اس نے اپنے وزیر حمید خاں کو دشمنوں کے کہنے سے مقید کر لیا جو بعد میں بدایوں سے بھاگ کر دہلی آ گیا۔ اس نے علاؤ الدین سے انتقام لینے کے لئے بہلول لودی کو دہلی میں آنے کی دعوت دی یہ پہلے ہی سے تیار تھا فوراً دہلی آ گیا اور قبضہ کر لیا۔

لیکن علاؤ الدین کا نام خطبہ اور سکہ میں بدستور جاری رکھا۔ بعد کو جب اس کا پورا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے حمید خاں کو قید کر کے علاؤ الدین کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے لکھ بھیجا کہ میرے باپ نے تمہیں بیٹا بنایا تھا اس لئے تم میرے بھائی ہو۔ دہلی کی سلطنت میں تمہیں دیتا ہوں اور خود بدایوں پر قناعت کرتا ہوں۔ اس کے بعد ۸۵۵ھ میں اس نے خطبہ سے علاؤ الدین کا نام خارج کرا دیا اور چتر شاہی سر پر

رکھ کر دہلی کا بادشاہ ہو گیا۔"

علاؤالدین بدایوں میں ۸۸۳ھ تک زندہ رہا اس نے دہلی میں سات سال چھ ماہ تک حکومت کی اور بدایوں ۲۸ سال تک۔ اس کے ساتھ ہی سید خاندان کی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور بہلول لودی کے وقت سے دہلی کے تخت پر ایک اور جدید خاندان نظر آنے لگا جسے خاندانِ لودی کہتے ہیں۔[1]

---

[1] یہ بیان فرشتہ کا ہے۔ بدایونی اور طبقات میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے (اسلامی ہند)۔

لودی خاندان

(۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء = ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء)

فرشتہ نے بہلول کے خاندانی حالات کی صراحت کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ لودی، افغانوں کی ایک جماعت تھی جو ہندوستان میں بہ سلسلۂ تجارت آمدورفت رکھتی تھی۔ بہلول کا دادا ملک بہرام، فیروز شاہ کے عہد میں ملتان آیا۔ اور یہاں کے حاکم مردان دولت کا ملازم ہو گیا۔ اس کے پانچ بیٹے ملک سلطان شۂ، ملک کالا، ملک فیروز، ملک محمد، ملک خواجہ بھی اس کے ہمراہ تھے۔

جب ملتان کا حاکم خضر خاں ہوا تو ملک شۂ اس کا ملازم ہو گیا۔ اس نے خضر خاں کی طرف سے ملو اقبال سے جنگ کی اور اس کو قتل کر دیا۔ اس صلہ میں خضر خاں نے اسلام خاں کا خطاب دیکر سرہند کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔

ملک شۂ کا بڑا بھائی ملک کالا، جو دورالہ کا حاکم تھا، ایک جنگ میں مارا گیا۔ لیکن اس کی بیوی حاملہ تھی، وضع کے دن قریب تھے کہ اتفاق سے ایک مکان کی چھت گر پڑی۔ وہ تو مر گئی لیکن جنین زندہ رہا جو اس وقت ماں کا پیٹ چاک کر کے نکالا گیا۔ یہی تھا وہ یتیم فرزند (ملوج) جس کی قسمت میں آئندہ بہلول لودی ہونا لکھا تھا۔

اس بچہ کی تربیت اس کے چچا اسلام خاں نے کی، جب بہلول جوان ہوا تو اسلام خاں اس کی خدمات سے اسقدر خوش ہوا کہ اپنی بیٹی اس سے منسوب کردی اور اپنے بعد اس کو جانشین کر گیا۔ اسلام خاں کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا تھا کہ بارہ ہزار افغانی سپاہیوں کو وہ اپنے پاس سے تنخواہ دیتا تھا، ہر چند اسلام خاں کے بعد اس کے بھائی (ملک فیروز) اور بیٹے (قطب خاں) نے بہلول کا مقابلہ کیا لیکن کامیاب نہیں ہوئے اور بہلول کا اقتدار بڑھتا گیا[1]

یہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بہلول لودی سلطنت دہلی حاصل کرنے کے لئے عرصہ سے بیتاب تھا، اور متواتر حملے بھی اس نے کئے تھے چنانچہ جب حمید خاں وزیر نے اس کو بلایا تو وہ فوراً چلا گیا اور وہاں حمید خاں کو قید کر کے ۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء میں خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔

بہلول لودی کو سلطنت دہلی جس حال میں ملی تھی اس کا حال ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ کس طرح تمام صوبے خود مختار ہو گئے تھے اور حکومت دہلی گویا صرف شہر دہلی سے تعبیر کی جاتی تھی لیکن باوجود اس بدامنی اور انتشار کے بہلول لودی نے جس قابلیت اور عزم و ثبات سے ایک مٹی ہوئی سلطنت کا اقتدار دوبارہ قائم کیا وہ تاریخ کا حیرت ناک واقعہ ہے۔

بہلول لودی نے ۳۸ سال تک حکومت کی اور اس طویل زمانہ

---

[1] فرشتہ صفحہ ۱۷۳

ہیں ایک بار بھی اس نے کسی ایسے طرز عمل کو پیش نہیں کیا جو شاہانہ عزائم وملوکانہ خصائل کے منافی ہوتا۔

تخت نشین ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے پنجاب کی طرف توجہ کی اور دہلی کا انتظام اپنے بیٹے بایزید اور دیگر امراء کے سپرد کر کے دیپالپور کی طرف روانہ ہوا۔ محمود شاہ فرمانروائے جونپور نے اس فرصت کو غنیمت جان کر اپنی بیوی کے اصرار سے (جو علاؤ الدین، سید خاندان کے آخری حکمراں کی بیٹی تھی) دہلی پر حملہ کر دیا۔ بہلول یہ خبر سن کر پنجاب سے دہلی آیا اور افغانوں کی ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ اطراف پنجاب سے فراہم کر لایا۔ ہر چند اس مقابلہ میں محمود شاہ کو شکست ہوئی اور وہ جونپور چلا گیا لیکن بعد کو مسلسل ۲۶ سال تک بہلول لودی اور فرمانروایان جونپور کے درمیان آتش جنگ مشتعل رہی اور آخر کار بہلول لودی نے ۸۹۳ھ[۱] (۱۴۸۶ء) میں سلطنت جونپور کی جداگانہ ہستی کو ہمیشہ کے لئے مٹا کر سلطنت دہلی میں شامل کر لیا۔ اور حسین شاہ شرقی کو (جو سلطنت جونپور کا آخری فرمانروا تھا) ایسی سخت شکست دی کہ پھر وہ سر نہ اٹھا سکا۔

ہر چند جونپور کے لئے اسے بہت کوشش کرنی پڑی اور تمام وقت اسی میں صرف ہو گیا، لیکن وہ سلطنت کے دیگر اقطاع سے بھی غافل نہیں رہا۔ اس نے تمام ملک کا دورہ کیا اور اپنے حسن تدبیر سے سلطنت دہلی میں پھر وسعت پیدا کر دی۔ میوات جا کر اس نے احمد خاں

۱؎ بدایونی ۸۸۴ھ تحریر کرتا ہے۔

حاکم میوات کو اطاعت پر مجبور کیا اور سات پرگنے اس سے نکال کر دہلی میں شامل کر لئے۔ اسی طرح بلند شہر میں جا کر دریا خاں لودی حاکم سنبھل سے سات پرگنے لے لئے، یہاں سے فارغ ہو کر سلطان کول میں آیا اور عیسیٰ خاں سابق حاکم کو اپنی جگہ بحال کر کے برہان آباد میں اپنا اقتدار قائم کیا۔ پھر راجہ پرتاپ سنگھ کو زیر کر کے صرف بھوگاؤں اس کی جاگیر میں رکھا اور باقی سب مقامات سلطنت دہلی میں شامل کر لئے۔ یہاں سے چل کر قلعہ رابری اور چندوار کو فتح کیا اور اٹاوہ کے حاکم کو بھی مطیع بنا لیا۔

علاوہ اس کے حسب روایت تاریخ سلاطین افاغنہ اس نے رانا اودے پور کو بھی شکست دے کر تمام اقطاع اجمیر پر قبضہ کر لیا۔ اور سنبھل میں احمد خاں کو شکست دے کر حدود سلطنت کوہ ہان تک وسیع کر لیا۔

الغرض ۳۸ سال کے اندر بہلول لودی نے، کٹرہ، بہرائچ، لکھنؤ، کالپی، بدایوں، دوآبہ کا تمام حصہ، اٹاوہ، گوالیار، سندھ، اودے پور، سنبھل، میوات، کول، (علی گڑھ) برہان آباد کو پھر سلطنت دہلی میں شامل کر لیا۔ اور پنجاب میں بھی وہی اقتدار قائم کر دیا جو اس سے قبل کسی وقت پایا جاتا تھا۔

یقیناً یہ امر حیرت ناک معلوم ہوتا ہے کہ ایسی مردہ سلطنت میں کیونکر بہلول لودی پھر نئی روح پھونک سکا۔ لیکن اس کا جواب صرف

اس کے خصائل کے بیان سے دیا جاسکتا ہے جنہیں صاحب تاریخ داؤدی نے تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بہلول لودی مذہب کا سخت پابند اور بے انتہا سخی وشجاع بادشاہ تھا۔ رحم ورافت اس کی فطرت تھی اور احکام شرع کی پابندی اس کا نصب العین۔ وہ اکثر علماء و مشائخ کو اپنی صحبت میں رکھتا اور غرباو مساکین کے حالات ہمیشہ تحقیق کرتا رہتا۔ اس نے کبھی کسی سائل کو محروم نہیں کیا۔

وہ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتا۔ اور لوگوں کی شکایتیں خود سن کر فیصلہ کیا کرتا تھا۔ وہ بے انتہا دانشمند تھا اور حد درجہ غور و تامل لطف و مہربانی سے کام لے کر انصاف کرتا تھا۔ (جو کچھ اسباب وغیرہ) اسے ملتا وہ سب فوج کو تقسیم کر دیتا تھا۔ اور خود صرف خشک روٹی پر زندگی بسر کرتا تھا۔ دوستانہ صحبتوں میں وہ کبھی تخت پر نہ بیٹھتا اور نہ رؤسا۔ کو اپنے سامنے کھڑا رہنے دیتا۔ وہ سب کو اپنے برابر جگہ دیتا اور اگر کوئی امیر ناراض ہو جاتا تو اس کے خوش کرنے کے لئے بعض اوقات یہاں تک ایثار سے کام لیتا کہ اس کے قدموں پر پگڑی تک ڈال دیتا۔

اسکی تخت نشینی سے پہلے دہلی کے پٹھانوں میں یہ رسم تھی کہ مردہ کے سیوم میں مٹھائی، شربت اور پان وغیرہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس نے اس رسم کو بالکل ممنوع قرار دیا کیونکہ اس رسم میں فضول مصارف ہوتے تھے۔

اس کے ضبط کی عجیب وغریب شان وہ تھی جب ایک دن جامع مسجد

کے اندر ایک ملّا نے اس کو اور اس کے خاندان والوں کو صاف طور پر ذریات شیطان سے تعبیر کیا اور اس نے ہنسکر صرف یہ کہا کہ "ملّا صاحب ہم سب بندگان خدا ہیں"۔ تعمیرات کا بھی اسے شوق تھا، لیکن اس طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ تاہم اگر یہ جدید تحقیق صحیح ہے کہ آگرہ کی بنیاد اس نے رکھی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس لحاظ سے بھی اس نے اپنے کو غیر فانی بنا دیا۔ لیکن تمام مورخین آگرہ کی بنیاد سکندر لودی سے منسوب کرتے ہیں۔

مآثر رحیمی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے متعدد مدارس بھی قائم کئے۔ بہلولی سکّہ جو پیسہ کے قائم مقام رائج ہوا اسی کی یادگار ہے۔ اٹاوہ کی مہم سے فارغ ہو کر دہلی آرہا تھا کہ راستہ میں بیمار ہوا اور بھداولی (ضلع سیکت) میں پہونچ کر ۸۹۴ھ / ۱۴۸۸ء میں مر گیا۔[1] اس نے ۳۸ سال ۸ ماہ ۸ روز حکومت کی۔

بہلول لودی نے اپنی وفات سے پہلے ہی نظام خاں کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا، اس لئے وہ تھوڑی سی مخالفت کے بعد سلطان سکندر کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہو گیا۔

---

[1] منتخب صفحہ ۳۰۳۔

سلطان سکندر بن سلطان سکندر

سنہ ۸۹۴-۹۲۳ھ

جب سلطان بہلول نے ۸۸۳ھ ۱۴۷۸ء میں ملک کے مختلف صوبوں پر گورنروں کا تقرر کیا تو اسی سلسلہ میں جونپور کی حکومت اپنے بیٹے باربک کو سپرد کردی تھی۔

جب سکندر تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے بھائی (باربک) سے کہا کہ خطبہ میں اس کا نام پڑھا جائے لیکن باربک نے انکار کیا۔ مجبوراً سکندر کو اس کے خلاف فوج بھیجنی پڑی، اور باربک کو مغلوب کرنے کے بعد بدستور اسی عہدہ پر بحال رکھا گیا۔

سکندر کا سارا عہدِ حکومت باغیوں اور سرکشوں کی سرکوبی میں صرف ہوگیا۔ ان میں بیانہ، جونپور، اور اودھ کی مہمیں خاص طور سے اہمیت رکھتی ہیں۔ جن میں سکندر کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ بیانہ کے قلعہ پر قبضہ کرلیا گیا اور جونپور و اودھ کی بغاوتیں بھی پوری طرح فرو کردی گئیں۔

۸۹۷ھ ۱۴۹۱ء میں سکندر نے سلطان حسین کو (جو جونپور کی سلطنت کا آخری فرمانروا اور بہ حمایت علاؤالدین شاہِ بنگال تھا اس پناہ گزیں تھا) مفتوح و معزول کرکے بہار تک اپنی سلطنت وسیع کرلی اور سلطان

علاؤالدین فرمانروائے بنگال سے حدودِ سلطنت وحقوق حکمرانی کے متعلق باہمی مفاہمت ہوگئی۔

علاوہ اس کے دھول پور، چندیری اور گوالیار کے راجپوتوں نے بھی اسکی اطاعت اختیار کرلی اور تمام پنجاب، دوآبہ، جونپور، اودھ، بہار، ترہت اور ملک مابین ستلج وبندیلکھنڈ اس کے قبضہ میں آگیا۔

محمد تغلق اور فیروز شاہ کے بعد جو تفریق سلطنت دہلی کے تمام اجزاء میں پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا حال آپ کو علاؤالدین بن محمد شاہ سید خاندان کے آخری فرمانروا کے ذکر کے سلسلہ میں معلوم ہوگیا ہوگا۔ اور کون کہہ سکتا تھا کہ پھر یہ تمام اجزاء یکجا ہوجائیں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلطان بہلول لودی نے اپنے عزم وثبات ودیگر ملوکانہ خصائل سے دہلی کی مردہ سلطنت میں از سر نو جان ڈالنی شروع کی اور سکندر کے عہد میں قریب قریب ہی اقتدار پھر قائم ہوگیا، جو اس سے قبل کسی وقت عہد تغلق میں پایا جاتا تھا۔ اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ بہلول لودی کے تمام خصائل مع شئے زائد اس کے اندر پائے جاتے تھے۔ اور اس نے اپنی محنت وجانفشانی، انصاف وبیدار مغزی، اخلاق وعادات کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ اس کا تمام ماحول متاثر ہوگیا۔ اور اس کے علوی صفات کے سامنے تمام قوتیں جو سلطنت سے منحرف ہوگئی تھیں جھک گئیں۔

سلطان سکندر کے تمام فتوحات، نہایت شرح وبسط کے ساتھ

تمام کتبِ تاریخ میں درج کئے گئے ہیں لیکن ہم ان کی تفصیل کو غیر ضروری اور غیر دلچسپ خیال کرتے ہوئے، صرف اپنے موضوع کے لحاظ سے سکندر کے خصائل و عادات آئین عدل و حکمرانی، تہذیب و شائستگی، علم پروری و ہنر شناسی کو ذرا واضح طور پر دکھانا چاہتے ہیں جو حقیقی اسباب تھے اس کی کامیابی کے۔

سلطان سکندر اپنی ظاہری صورت کے لحاظ سے جیسا حسین و جمیل[۱] تھا اسی قدر اس کا باطن پاکیزہ تھا۔ وہ اپنے باپ کی طرح حد درجہ سادگی پسند تھا۔ اور کبھی شاہانہ تکلفات میں اپنا وقت ضائع نہ کرتا تھا۔ اس کی فطرت نہایت سلیم اور اس کی طبیعت رافت و عطوفت کی طرف از بس مائل تھی۔ وہ خدا سے ڈرتا تھا۔ اور بندگانِ خدا پر ہمیشہ رحم کرتا تھا۔

جیسا وہ شجاع تھا ویسا ہی عادل بھی تھا انتظامِ سلطنت، تصفیہ معاملات میں وہ ہندو مسلمان، قوی و ضعیف کو برابر سمجھتا تھا اور چاہتا تھا کہ سرِ مو انصاف سے احتراز نہ ہو۔

بادشاہ ضبطِ اوقات کا بے انتہا پابند تھا۔ اور جو معمول اس نے اپنے یا کسی اور کے لئے مقرر کر دیا اس میں کبھی تبدیلی پیدا نہیں کی۔

بادشاہ کا معمول تھا کہ وہ نمازِ ظہر ادا کر کے مجلسِ علماء میں جاتا اور قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔ مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر کے حرم سرا میں جاتا۔ اور ایک گھنٹہ وہاں قیام کر کے خلوت خاص میں جاتا اور وہاں

---

[۱] مصنف تاریخ داؤدی نے لکھا ہے کہ اسکے حسن کا یہ عالم تھا کہ جو شخص دیکھتا تھا متحیر رہ جاتا۔

لوگوں کے استغاثے سنانا۔ امور سلطنت کی اصلاح کرنا۔ فرامین تحریر کرنا اور سلاطین ہم عصر کے نام خطوط لکھنا۔ رات کو بہت کم سوتا۔ بڑے جیادار اور زبردست ستره عالم خلوت خاص میں اس کے پاس رہتے۔ اور نصف شب تک مذہبی احکام وغیرہ ان سے دریافت کرتا رہتا۔ اسکے بعد کھانا چنا جاتا۔ اس کی ساری عمر گزر گئی لیکن یہ معمول کبھی ترک نہیں ہوا۔

اس کی وضع داری اور پختگی انتظام کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایکبار گرمی کے موسم میں شیخ عبدالغنی جونپوری بادشاہ سے ملنے آئے ان کیلئے جو کھانا آیا اس میں موسم گرما کی وجہ سے شربت کے ۶ شیشے بھی موجود تھے اس کے بعد اتفاق سے شیخ صاحب جاڑوں میں آئے لیکن شربت کے قرابے اب بھی پیش کئے گئے ایک بار وہ جس طرح ایک آدمی سے ملتا پھر عمر گزر جاتی اسی طرح پیش آتا اور اس میں سرمو تفاوت نہ ہوتا۔

اس کی عدالت و بیدار مغزی کا یہ عالم تھا کہ متدین شخص سلطنت کا اپنی جگہ پر مطمئن اور ہر خائن شخص ہر وقت لرزاں رہتا تھا۔ اس طرح اس کی دیانت و سیر چشمی کی یہ کیفیت تھی کہ اگر دنیا کی ساری دولت اس کے سامنے رکھدی جاتی تو وہ خلاف احکام مذہب اسپر نگاہ نہ کرتا۔

جب لشکر کو وہ کسی پر روانہ کرتا تو روزانہ دو فرمان لشکر کے نام پہونچتے ایک نماز صبح کے وقت جس میں اور ہدایتیں درج ہوتیں۔ سرایوں میں گھوڑوں کی ڈاک ہر وقت تیار رہتی اگر لشکر ۵۰۰ کوس پر بھی ہوتا تو بھی اس معمول میں فرق نہ آتا۔

روزانہ اس کے سامنے کل اشیاء کا نرخ نامہ اور سلطنت کے تمام حالات و واقعات رپورٹ پیش ہوتی۔ اور وہ فوراً تحقیقات کا حکم دیتا اگر کوئی نامناسب بات اسے نظر آتی۔ یہی انتظام تھا کہ اس کے عہد میں غلہ اور تمام زندگی کے ضروری چیزیں بہت ارزاں تھے اور قلیل آمدنی رکھنے والا بھی فراغت سے زندگی بسر کرتا تھا۔

اس نے ایک قاضی کے علاوہ بارہ علماء بھی صرف مقدمات فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کئے تھے اور جاسوس متعین تھے۔ جو عدالت کی تمام خبریں روزانہ بادشاہ تک پہونچاتے تھے۔ درباخاں وکیل کو حکم دیا تھا کہ عدالت کے اندر پہر رات گئے تک بیٹھا رہے، کیونکہ ممکن ہے اس وقت کوئی مستغیث آجائے علاوہ اسکے وہ بعض اہم مقدمات کی خود تحقیقات کرتا اور سلطنت کے انتظام پر آپ توجہ کر کے آئین مقرر کرتا اور رعایا کے امن وسکون کی تدابیر ہر وقت سوچتا رہتا۔ اس غرض کے لئے اس نے کثرت سے مخبر و جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو رعایا و حکام کے تمام حالات اس تک پہونچاتے تھے اور یہ انتظام اس قدر مکمل تھا کہ بسا اوقات لوگوں کا خیال تھا کہ سلطان کے قابو میں کوئی جن ہے جو تمام باتوں سے آگاہ کر دیتا ہے[1]

وہ انصاف کرنے میں حد درجہ کاوش کرتا اور خاص فراست و دانائی سے کام لے کر حقیقت تک پہونچتا چنانچہ صاحب طبقات اکبری نے ایک دفعہ بیان کیا ہے کہ:۔

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ۷۱؛

"گوالیار کے دو غریب آدمی جو بھائی بھائی تھے مفلسی سے تنگ آکر فوج میں شامل ہو گئے ایک لڑائی میں انہیں غارت کے سلسلہ میں دو لعل بھی مل گئے۔ ایک اس دولت پر قانع ہو کر واپس جانا چاہتا تھا اور دوسرا اس کے بعد بھی قسمت آزمائی پر مصر تھا جب ایک بھائی گھر جانے لگا تو دوسرے بھائی نے لعل سپرد کئے۔ کہا کہ میری بیوی کو دیدینا جب یہ گوالیار واپس آیا تو اس نے اور چیزیں تو دیدیں لیکن لعل نہ دیا۔ جب مالک واپس آیا تو اس نے اپنی بیوی سے استفسار کیا اس نے انکار کیا الغرض یہ معاملہ میاں بھوراؔ تک پہونچا جو دربار سکندر لودی کے امراء کبار میں سے تھے اور وہاں کے میر عدل بھی تھے انہوں نے گواہ طلب کئے۔ خائن بھائی نے ایک قمار خانہ سے دو جھوٹے گواہ پیش کر دئے، اور میاں بھوراؔ نے ان گواہوں پر اعتبار کر کے فیصلہ کر دیا کہ "دو لعل بیوی سے وصول کر لینا چاہیے" یہ غریب بہت پریشان ہوئی اور سیدھی آگرہ جا کر بادشاہ کی خدمت میں پہونچی بادشاہ نے فریقین اور گواہوں کو طلب کیا یہاں بھی وہی صورت پیش آئی۔ بادشاہ کو یقین تھا کہ لعل اس عورت کو نہیں دیا گیا۔ لیکن گواہوں کی موجودگی میں وہ کوئی خلاف حکم نہ دے سکتا تھا۔ آخر کار اس نے سوچ کر گواہوں سے

لے اس نام میں اختلاف ہے بعض مورخین نے بھوہ اور بعض نے بھورا لکھا ہے

پوچھا کہ جب تمہارے سامنے اس عورت کو لعل دیا گیا ہے تو تم نے اسے ضرور دیکھا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے دیکھا تھا۔ یہ سن کر بادشاہ نے موم کا ایک ٹکڑا ان دونوں کو دیا۔ اور کہا کہ جاؤ الگ الگ اس لعل کی صورت و مقدار موم کے ذریعہ سے ظاہر کرو۔ جب یہ دونوں بنا کر لائے تو ایک کا بنایا ہوا نمونہ دوسرے کے نمونہ سے بالکل مختلف تھا۔ اور لعل کی ہیئت و صورت سے کوئی مناسبت نہ تھی بادشاہ نے گواہوں کو دھمکایا اور انہوں نے سارا حال بیان کر دیا جس سے حقیقت واضح ہو گئی۔[۱]

انصاف کے باب میں وہ ضعیف اور قوی کو بالکل برابر سمجھتا اور کسی کی رعایت نہ کرتا۔ ایک بار کسی سید نے شکایت پیش کی کہ میاں ملک جاگیردار نے اس سے زمین چھین لی ہے۔ بادشاہ نے میاں بھورہ کو تحقیقات کا حکم دیا۔ لیکن اس مسئلہ میں کچھ ایسے نزاعات پیش آگئے کہ دو ماہ تک فیصلہ نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے میاں بھورہ کو بلا کر کہا کہ کیوں اب تک فیصلہ نہیں ہو سکا ہے آج اس وقت تک عدالت گاہ سے کوئی نہ جائے جب تک یہ معاملہ طے نہ ہو جائے۔ چنانچہ علماء تین پہر رات گئے تک بیٹھے رہے اور اسی وقت بادشاہ کو نتیجہ سے اطلاع دی گئی جو مستغیث سید کے حق میں تھا بادشاہ نے میاں ملک جاگیر کو بلا کر دریافت کیا کہ کیوں تم نے میرے خلاف حکم

---

[۱] طبقات اکبری صفحہ ۱۷۲۔ فرشتہ صفحہ ۱۸۹

ظلم کیا اور وظائف واملاک کی زمین تم نے کیوں چھینی ۔ میاں ملک نے منفعل ہو کر اعتراف جرم کیا ۔ بادشاہ نے اس سے تین بار سب کے سامنے اعتراف جرم کرا کے نادم کیا اور پھر کبھی اس کو کوئی جاگیر نہ دی ۔

وہ فطرتاً بے انتہا سیر چشم واقع ہوا تھا ۔ ایک بار سنبھل کے ضلع میں کسی شخص کو زمین سے ۵۰۰۰ اشرفیوں کا دفینہ مل گیا لیکن میاں قاسم حاکم سنبھل تھا اس نے لے لیا ۔ اس نے بادشاہ کی خدمت میں درخواست روانہ کی ۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دفینہ پانے والے کو واپس دیا جائے ۔ حاکم سنبھل نے عرضداشت روانہ کی کہ اتنی بڑی رقم پانے کا یہ شخص مستحق نہیں ہے ۔

بادشاہ نے ایک فرمان اس کے پاس بھیجا کہ "اے بیوقوف جس نے اس کو یہ دفینہ عطا کیا ہے وہ بہتر جاننے والا ہے ۔ اگر یہ شخص مستحق نہ ہوتا تو وہ کیوں دیتا ۔ ہم لوگ سب خدا کے بندے ہیں اور وہی بہتر جانتا ہے کہ ہم میں سے کون کس چیز کا مستحق ہے ۔

اسی طرح ایک بار اجودھن میں ایک درویش شیخ محمد کے کھیت میں بہت بڑا دفینہ برآمد ہوا اس میں کچھ طلائی برتن ایسے بھی تھے جن پر سکندر کی مہر ثبت تھی ۔ علی خاں حاکم لاہور و دیبل پور نے شیخ کو لکھا کہ یہ دفینہ میرے حدودِ حکومت کے اندر سے برآمد ہوا ہے اس لئے میرے پاس بھیج دو ۔ شیخ نے انکار کیا ۔ اس پر علی خاں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ "جودھن میں شیخ محمد کو شاہی خزانہ دستیاب ہوا ہے ۔" بادشاہ نے اسکے

جواب میں صرف یہ لکھدیا کہ :- "تم کو اس سے کیا واسطہ ہے اور تم کیوں شیخ محمد کے حالات سے اعتناء کرتے ہو۔"

اس کے بعد شیخ محمد نے کچھ طلائی برتن بادشاہ کی خدمت میں روانہ کئے لیکن اس نے واپس کردئے اور کہا کہ :-

"تمہیں رکھو، ہمیں تمہیں سب کو خدا کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے۔"

یہ واقعہ تاریخ سلاطین افاغنہ اور واقعات مشتاقی میں بھی درج ہے۔ اگر وہ کسی کو جاگیر عطا کردیتا اور پھر کسی سبب سے اس کی آمدنی بڑھ جاتی تو مطلقاً پرواہ نہ کرتا۔

ایک بار اس نے ملک بدرالدین کا وظیفہ سات لاکھ تنکہ مقرر کرکے ایک پرگنہ تفویض کردیا۔ پہلے ہی سال اس کی آمدنی ۹ لاکھ تنکہ ہوگئی اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ "زائد دو لاکھ کی بابتہ کیا حکم ہوتا ہے" بادشاہ نے کہا کہ "تم رکھ لو" دوسرے سال گیارہ لاکھ آمدنی ہوئی اور بادشاہ نے پھر یہی حکم دیا۔ تیسرے سال آمدنی پندرہ لاکھ ہوگئی اس نے پھر عرض کیا۔ بادشاہ نے کہا "جاگیر تمہاری ہے اس لئے اس کی آمدنی بھی صرف تمہاری ہی ہوسکتی ہے۔ مجھ سے کیوں بار بار ذکر کرتے ہو؟"[1]

چونکہ خود بادشاہ کی نیت ایسی اچھی تھی اس لئے تمام امراء و جاگیر دار بھی ایسے ہی دیانت دار و امین تھے۔

---

[1] تاریخ داؤدی (ایلیٹ) ص ۴۷۵-۴۷۶

جاگیر مقرر کر لے کے بعد وہ کبھی اس میں تغیر نہ کرتا لیکن اس وقت کہ اگر کسی جاگیردار پر کوئی قصور ثابت ہو جائے تو اس صورت میں اس کی جاگیر لے لیتا لیکن اس کی توقیر و عزت میں کمی نہ کرتا۔

وہ حرص و طمع کے جذبات سے بالکل ناواقف تھا اور ہمیشہ جرموں میں جن کا تعلق سلطنت کی آمدنی سے ہوتا بہت نرمی سے کام لیتا۔ جشن عید اور ۱۲ ربیع الاوّل[1] کو قیدیوں کی فہرست اس کے سامنے پیش کی جاتی اور بقایائے مالگذاری کے سبب سے جتنے لوگ قید ہوتے سب کو رہا کر دیتا۔

مذہب کی طرف بہت غلو تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی کام خلاف شریعت اس کی سلطنت میں نظر نہ آئے۔ چنانچہ اس نے اسی سلسلہ میں حکم نافذ کر دیا کہ مزاروں پر عورتوں کا جانا اور سالانہ سالار مسعود کی چھڑیاں نکالنا ممنوع قرار دیا جائے۔ مولانا مشتاق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیہ داری اور سیتلا کی پوجا کو بھی اس نے روک دیا تھا۔

اس نے کثرت سے مساجد تعمیر کرائیں اور ہر مسجد میں ایک واعظ ایک قاری اور ایک جاروب کش مقرر کیا جن کو ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ موسم سرما میں محتاجوں کو کثرت سے کپڑے اور شالیں تقسیم کی جاتیں اور ہر جمعہ کو ایک مقررہ رقم غربا کو تقسیم کی جاتی۔ رمضان اور ربیع الاول کے مہینوں میں مساکین و مستحقین کو بے دریغ روپیہ دیتا۔

---

[1] رسول اللہ کی تاریخ رحلت۔

اس نے حکم دے رکھا تھا کہ ہر ششماہی پر سلطنت کے تمام غربا رو مساکین کی فہرست پیش کی جائے۔ جب یہ فہرست پیش ہوتی تو وہ ان کو اس قدر روپیہ دیتا کہ ۶ ماہ کے لئے کافی ہو جاتا۔ علاوہ اس کے مختلف شہروں میں مدِ خیرات کے متعلق بہت سے مہتمم مقرر تھے جو غریبوں اور محتاجوں کا حال معلوم کر کے بادشاہ تک خبر پہونچاتے اور خزانۂ شاہی سے روپیے کر انہیں تقسیم کرتے۔[۱]

چونکہ بادشاہ کو اس طرف بہت توجہ تھی اس لئے تمام امرا ارا کین خوانین و ملوک نے بھی غربار و مساکین کے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ واقعات مشتاقی میں لکھا ہے کہ اس داد و دہش کا نتیجہ تھا کہ اگر کوئی فقیر مر جاتا تو اس کے پاس سے کافی دولت نکلتی جو اس کے اعزہ کو دی جاتی اور اگر کوئی عزیز نہ ہوتا تو پھر فقرار کو تقسیم کر دی جاتی۔

اس کے عہد میں زراعت کثرت سے ہوتی تھی۔ چیزیں بہت ارزاں تھیں۔ تاجر بہت خوش حال تھے۔ اور تمام اہل پیشہ اپنے اپنے مشاغل میں نہایت اطمینان کے ساتھ مصروف نظر آتے تھے۔ سلطنت میں کہیں چوروں اور رہزنوں کا پتہ نہ تھا۔ اور قافلے نہایت امن و سکون کے ساتھ رات دن سفر کیا کرتے تھے۔ سکندر شاہ کو مغربی مورخین نے عام طور سے حد درجہ متعصب ظاہر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مذہب اسلام کا پابند تھا لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ ہندوؤں کی

---

[۱] تاریخ داؤدی (الیٹ) ۴ — ۴۴۶

رواداری نہیں کرتا تھا بالکل غلط ہے۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ جو عنداللہ حق ہے وہی کیا جائے۔ چنانچہ جس زمانہ میں وہ اپنے بھائی باربک شاہ سے لڑ رہا تھا۔ ایک قلندر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہا "فتح تیری ہو" بادشاہ نے جھنجھلا کر ہاتھ الگ کر لیا اور جواب دیا کہ "دعا یہ کرنی چاہیے کہ اللہ اس کو فتح دے جو حق پر ہے اور وہی ظہور میں آئے جو بہتر و مناسب ہو"

قبل تخت نشینی کے ایک بار سکندر کو معلوم ہوا کہ تھانیسر میں ایک گاؤں ہے۔ وہاں کے ایک تالاب میں ہندو جمع ہو کر اشنان کرتے ہیں۔ اس نے علماء سے استصواب کیا۔ میاں عبداللہ اجودھنی نے جو بڑے جیّد عالم تھے کہا کہ:۔

"ہندوؤں کے کسی قدیم معبد کو غارت کرنا یا ان کی کسی مذہبی رسم سے تعرض کرنا مناسب نہیں ہے"

سکندر نے یہ سن کر کچھ نہیں کہا اور اپنے خیال سے باز آگیا[1] وہ ان تمام صفات کے ساتھ علم دوست بھی اس درجہ کا تھا کہ اس کے عہد میں آگرہ (جو اس کا دارالحکومت تھا) علماء و فضلاء مشائخ و صوفیہ شعراء و ادباء کا مرکز ہو گیا تھا۔ فارس و عرب۔ ہند و بخارا کے تمام صاحبان کمال کھینچ کھینچ کر آگرہ چلے آرہے تھے اور بادشاہ کی فیاضیوں سے مالا مال نظر آتے تھے۔

مذہبی مباحث کا اسے بہت شوق تھا۔ اور اکثر علماء کو جمع کرکے وہ

---

[1] تاریخ فرشتہ ۱۸۷۔ تاریخ داؤدی (الیٹ) ۴۔ ۳۹ ۴۔

ان کی گفتگو سنا کرتا تھا۔ ایک بار جب بودھن نامی ایک برہمن نے یہ دعوے کیا کہ تمام مذاہب برابر ہیں تو سکندر شاہ نے بہت سے مقتدر[1] علماء کو حکم دیا کہ وہ اس سے بحث کریں۔

شعر و سخن کا بھی اسے ذوق تھا گل رخ اس کا تخلص تھا۔ کبھی کبھی شعر کہتا تھا[2] اور شیخ جمال کنبوہ[3] سے جو بڑے پایہ کا شاعر تھا اصلاح لیا کرتا تھا۔

اس کی صحبت میں علماء کے ساتھ شعراء بھی رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک ڈونگر برہمن بھی تھا جو عربی و فارسی کا عالم ہونے کے علاوہ شاعر بھی اچھا تھا۔

ملائے بدایونی، عہد سکندری کے بعض مقتدر علماء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ بڑے پایہ کے فاضل تھے جب ملتان تباہ ہوا تو دہلی کی طرف آئے اور چالیس علماء (مثلاً جمال خاں دہلوی، شیخ لودی، سید جلال الدین بدایونی وغیرہ) شیخ عبداللہ کی درسگاہ سے نکل کر اشاعت علوم کا باعث ہوئے ہندوستان میں علوم معقولی کا رواج شیخ عبداللہ

---

[1] ان علماء کی فہرست حسب روایات فرشتہ

[2] ملائے بدایونی نے یہ غزل اسکی منتخب التواریخ میں درج کی ہے۔

[3] عہد سکندر شاہ میں شیخ جمال بڑا مشہور شاعر تھا۔ اور بادشاہ اس سے بہت مانوس تھا اور مشورہ بھی لیا کرتا تھا۔ شیخ جمال کا یہ ایک شعر فرشتہ اور ملائے بدایونی نے نقل کیا ہے۔

کے وقت سے ہوا اور نہ اس سے قبل علم منطق وکلام میں صرف شرح شمسیہ اور شرح صحائف پڑھائی جاتی تھیں۔

سکندر شاہ مولانا شیخ عبداللہ کا حد درجہ احترام کرتا تھا۔ جب کبھی درس کے وقت پہونچتا تو پوشیدہ طور سے کسی کونہ میں جاکر بیٹھ جاتا تاکہ درس وتدریس میں ہرج واقع نہ ہو۔ جب وہ فارغ ہو جاتے تو بادشاہ سلام علیک کہہ کر سامنے آجاتا۔

شیخ عزیز اللہ کے استحضار علوم کا یہ حال تھا کہ مشکل سے مشکل کتاب بائی پڑھاتے تھے۔ انہیں کے شاگردوں میں میاں قاسم سنبھلی تھے۔

اسی عصر کے ایک اور زبردست عالم الہ دیا بھی تھے جنہوں نے ہدایہ کی شرح کئی جلدوں میں تحریر کی ہے۔ علاوہ اس کے تفسیر مدارک پر اُن کے حواشی اور شرح کافیہ کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں ان کی یہ تمام کتابیں درسیات میں داخل تھیں۔

ایک بار سلطان سکندر نے تمام علماء کو جمع کر کے ایک جانب شیخ عبداللہ[۱] اور شیخ عزیز کو، دوسرے جانب شیخ الہ دیا اور ان کے بیٹے بھکاری کو کر کے مباحثہ سنا اور آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ وہ دونوں تقریریں اور یہ دونوں تحریر میں اپنا جواب نہیں رکھتے[۲]

الغرض سکندر شاہ کے دربار میں ہر وقت علمی چرچہ ہوا کرتا تھا۔ اور یہ فخر اس بادشاہ کو حاصل ہے کہ اس کے عہد میں سب سے پہلے ہندوؤں

۱؎ شیخ عبداللہ کا انتقال ۹۲۲ھ میں ہوا ہے۔ ۲؎ منتخب التواریخ۔۳۲۶۔

نے فارسی کی طرف توجہ کی اور مسلمانوں کے علوم حاصل کرنے شروع کئے۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان کافی تعلقات قائم ہو گئے تھے اور وہ ایک دوسرے کی زبان کو نہایت شوق سے حاصل کرتے تھے۔ مسٹر بلاک مین کلکتہ ریویو میں ظاہر کرتے ہیں کہ "ہندوؤں نے سولہویں صدی عیسوی سے فارسی کی طرف ایسی توجہ کی کہ ایک صدی گزرنے سے قبل وہ اس زبان میں مسلمانوں کے برابر ہو گئے۔
اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ہندو مسلمانوں کے تعلقات میں زیادہ اتحاد پیدا ہو گیا تھا اور دوسرے یہ کہ سکندر لودی نے قصداً ہندوؤں میں یہ مذاق پیدا کیا تاکہ انہیں سلطنت میں انتظامی عہدے دئے جائیں چنانچہ جب فارسی خواں ہندوؤں کی ضرورت ہوئی تو اس نے پہلے برہمنوں سے درخواست کی کہ فارسی سیکھیں۔ انہوں نے انکار کیا تو چھتریوں سے کہا گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اہل سیف اہل قلم بننا پسند نہیں کرتے۔ اس کے بعد ویش طبقہ کو توجہ دلائی گئی لیکن اس نے تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے عذر کیا۔ آخر کار کایستھوں نے اسے قبول کیا اور قلیل زمانہ میں ایسی دستگاہ حاصل کرلی کہ وہ مسلمانوں کے علوم کا درس دینے لگے اور سلطنت میں بڑے بڑے عہدے ان کو ملے۔
سلطان سکندر کے عہد میں تصانیف کثرت سے ہوئیں جن میں خود بادشاہ اور اس کے امراء کا ذوق علمی بہت کچھ شامل تھا۔ تاریخ داؤدی میں لکھا ہے کہ ارکر مہا ویدک جو فن طب کے متعلق سنسکرت کی

مشہور کتاب تھی۔ فارسی زبان میں طب سکندری کے نام سے ترجمہ کی گئی اور بعد کو اطبا، ہند نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

بادشاہ کو دیگر فنون وصناعات کے علاوہ جن کے کارخانہ کثرت سے قائم تھے موسیقی کا بھی بہت ذوق تھا۔ وہ دربار عام میں تو کبھی گانا سننا پسند نہ کرتا تھا لیکن تنہائی میں اہل موسیقی کو اپنا کمال ظاہر کرنے کی اجازت دیتا۔ اس وقت صرف سید روح اللہ اور سید ابن رسول جو مقربان خصوصی میں سے تھے، اس کے خیمہ کے قریب ہوتے اُسے سُرنا اور شہنائی کا بھی شوق تھا جو دربار میں ۹ بجے شب تک بجائی جاتی تھی۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ صرف چار راگنیاں مالی گور (غالباً مالکوس) کلیان۔ کانرا اور حسینی بجائی جائیں۔

عمارات کی طرف بھی اسے خاص توجہ تھی۔ چنانچہ جب وہ مہم بابکہات سے کامیاب واپس آیا تو اس نے حکم دیا کہ دارالحکومت آگرہ سے لے کر دھولپور تک جا بجا باغات اور مکانات تعمیر کرائے جائیں تا کہ شکار سے واپس آنے کے بعد یہاں توقف کیا جائے[1]

پھر علاوہ اس کے خود آگرہ کی رونق وترقی، جس کو اس نے ایک معمولی گاؤں سے بڑے شہر میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس کے ذوقِ تعمیر آرائشِ شہر و امور رفاہ عام کا کافی ثبوت ہے۔

یہ خصوصیت بھی اسی بادشاہ کو حاصل ہوئی کہ اس کے عہد میں ایسے ایسے

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۸۵ ..

امراء گزرے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے خصائل وعادات اپنے اخلاق و شائستگی، اپنے علم پرستی و ہنر پروری کے لحاظ سے ایک مستقل تصنیف چاہتا ہے۔ چنانچہ تاریخ داؤدی اور واقعات مشتاقی میں بعض امراء کے مفصل حالات درج ہیں۔

ان میں سے خاص امراء یہ تھے :- اسد خاں ابن مبارک خاں یوسف خلیل۔ خان جہاں لودی جسے مسند علی حسین خاں کہتے تھے۔ میاں زین الدین۔ خواص خاں اور میاں معروف فرلی۔

ان کے حالات دیکھنے سے (جو مختصراً ہم نے فٹ نوٹ میں درج کردئیے ہیں) ایک شخص اچھی طرح معلوم کرسکتا ہے کہ سکندر لودی کا عہد کیسا عجیب وغریب عہد تھا اور امراء وارکین سلطنت پر خود اس کی سیرت کا کیسا زبردست اثر پڑا تھا۔

عہدِ سلطان سکندر کے خاص واقعات میں زلزلہ آگرہ کا بھی شمار کیا جاتا ہے۔ یہ زلزلہ ۹۱۱ھ ۳ ماہ صفر کو تمام ہندوستان میں آیا تھا یہ اس قدر شدت کے ساتھ محسوس ہوا کہ لوگوں نے سمجھ لیا کہ قیامت آگئی ہے۔ اس میں جان ومال کا سخت نقصان ہوا۔ تمام مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔

جب بادشاہ بیمار ہوا اور اس نے خیال کیا کہ شاید وہ زندہ نہ رہیگا تو اس نے اپنے مشیر مذہبی شیخ لادن دانشمند سے پوچھا کہ قضائے نماز۔ ترک صیام۔ شراب خوری وغیرہ کا کفارہ کیا ہوسکتا ہے۔ شیخ نے

تفصیل لکھ کر بھیجدی۔ سلطان نے وقائع نگار سے دریافت کیا کہ اس قسم کے گناہ مجھ سے کتنی مرتبہ سرزد ہوئے ہیں۔ جب اس نے بھی تفصیل لکھ دی تو بادشاہ نے حساب لگاکر حکم دیا کہ اس قدر سونا غربار کو دیا جائے لیکن خزانۂ شاہی سے ایک پیسہ نہ لیا جائے۔ علمار کو اس پر حیرت ہوئی۔ بادشاہ کے پاس سلاطین و امرام کی طرف سے جو تحائف آتے تھے وہ علیحدہ رکھے جاتے تھے اور ان کا سالانہ حساب تیار ہوتا تھا۔

بادشاہ کا مرض بڑھتا جاتا تھا لیکن وہ امور سلطنت سے غافل نہ تھا اور برابر اپنے فرائض انجام دیتا جاتا تھا۔ آخر کار، ذی قعدہ ۹۲۳ھ (نومبر ۱۵۱۷ء) کو اس نے انتقال کیا۔

تاریخ خان جہاں لودی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو اس کا جنازہ دہلی گیا اور وہاں ایک باغ میں مدفون ہوا۔

سلطان ابراہیم

۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء سے ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء تک

سلطان سکندر لودی نے اپنے دو بیٹے چھوڑے جو حقیقی بھائی ایک ہی ماں سے تھے، بڑے کا نام ابراہیم تھا۔ اور چھوٹے کا نام جلال خاں تھا۔

چونکہ ابراہیم اپنی حسن صفات کی وجہ سے امرار کے طبقہ میں بہت مقبول تھا اور یوں بھی وہ بڑا بیٹا تھا۔ اس لئے دہلی کا فرمانروا بنا کے ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء میں ہندوستان کی سلطنت چغتائیہ تیموریہ خاندان میں منتقل کر دی۔

سلطان ابراہیم نے کل ۹ سال تک سلطنت کی (جس کو فرشتہ نے خدا جانے کس حساب سے بیس سال تحریر کیا ہے) اور اس کے دوران حکومت میں اگر کوئی خاص بات نظر آتی ہے تو وہ غیر معمولی ارزانی ہے۔

مصنف تاریخ داؤدی کا بیان ہے کہ سلطان بہرام کے عہد میں غلہ، کپڑا اور تمام چیزیں ایسی ارزاں تھیں کہ اس سے قبل کبھی نظر نہیں آئیں۔

سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد میں جو ارزانی تھی وہ جبر و سختی سے

پیدا ہوئی تھی۔ لیکن ابراہیم کے زمانہ میں پیداوار اس قدر کثرت سے ہوتی تھی کہ لوگ خود ارزاں فروخت کرنے پر مجبور تھے۔

سکندر لودی کے وقت میں بھی ارزانی بہت تھی، لیکن نہ اس قدر۔ اس کے عہد میں ایک بہلولی سکہ[1] کا دس من غلہ آتا تھا۔ پانچ سیر گھی۔ اور دس گز کپڑے کی قیمت بھی ایک بہلولی تھی۔

علاوہ ان کے اور تمام اشیاء کی ارزانی کا بھی یہی عالم تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ بارش کی موزونی سے وہ چند غلہ پیدا ہونے لگا اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ لگان میں بجائے روپیہ کے غلہ وصول کیا جائے جس نے سکہ کی قیمت کو گھٹا دیا اور امراء و جاگیرداروں کو مجبور کر دیا کہ اپنے اپنے اقطاع کا غلہ نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کریں۔ ایک معزز آدمی معہ اپنے خاندان کے پانچ تنکہ ماہوار کی آمدنی میں نہایت امن و راحت سے زندگی بسر کرتا تھا۔ اور اگر کوئی سوار[2] دہلی سے آگرہ تک کا سفر کرتا تو صرف ایک بہلولی سکہ اس کے، اس کے گھوڑے اور سائیس کے مصارف کے لئے کافی ہوتا تھا[3]

---

[1] تانبہ کا سکہ تقریباً پونے دو تولہ کے برابر۔

[2] سوار کی تنخواہ بیس سے تیس تنکہ تک تھی اور اس سے اس عہد کی خوشحالی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

[3] تاریخ داؤدی (ایسٹ) (اسلامی ہند) ۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ -

عہد سکندر لودھی کا دور علمی

فیروز شاہ تغلق کے بعد تیموری یلغار نے اسلامی حکمرانی کی جو حالت کردی تھی وہ ظاہر ہے۔ اس کے ساتھ ہی علمی اداروں پر بھی اس کا اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ مگر سیدوں کے دور میں کچھ ساز گار حالات رونما ہوئے۔ سیاسی حالات نے بھی تبدیلی اختیار کی۔ نئے سرے سے عدل وانصاف کا دور شروع ہوا۔ رعایا فارغ البال نظر آنے لگی۔ سکندر نے جو تیموری تہذیب طوفان سے نقصان ملک کو پہونچا تھا اس کی تلافی کی طرف توجہ کی۔ اس کی علمی سرپرستی اور شاہانہ فیاضی نے علم وادب کے مردہ قالب میں از سر نو روح پھونک کر اس وقت کے محو شدہ علوم و فنون کو اس قدر فروغ دیا کہ علم و ادب کا چاہ بجا چرچا ہونے لگا۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی اسلامی لسانیات وادبیات میں دلچسپی لینے لگے۔ طبقات اکبری میں ہے:۔

"درعہد فرخندہ او علم معراج یافت و امرازادگان دولت و سپاہیان بکسب فضل اشتغال نمودند و ہندوان بخواندن و نوشتن خط فارسی کہ تا آں زمان درمیان ایشان معمول نبود پرداختند" (طبقات اکبر شاہی صفحہ ۱۷۱)

حتیٰ کہ ہندوؤں میں فارسی زبان سے اتنا لگاؤ ہوگیا کہ فارسی میں شعر کہنے لگے چنانچہ منتخب التواریخ میں ہے کہ ایک برہمن جس کا نام ڈونگر مل

تھا ہے کہا ہے ؎

دل خوں نشدے چشم تو خنجر نشدے گر
رہ گم نشدے زلف تو ابتر نشدے گر

سکندر طبعاً شاعر تھا۔ گلرخ تخلص کرتا تھا۔ منتخب میں ہے کہ:-
"خود ہم صاحب طبع بود وگاہ گاہے نظمے بہ تخلص گلرخ
زبان روش قدیم ہندوستانیانہ میگفت وصحبت او بشیخ
جمال الدین رہگذر خوش بیر آمدہ بود۔" ؎۱

سرو یکہ سخن پیرہن وگل بدنستش
روحیست مجسم کہ دراں پیرہنستش
گلرخ چہ کند جوہر دندان ترا وصف
ہم چو در سیراب سخن در دہنستش ؎۲

سکندر علماء و فضلاء کی حوصلہ افزائی میں دریغ نہ کرتا تھا۔ مصنف
تاریخ داؤدی لکھتا ہے:-
"در زمان سلطنت او اکابر و مشائخ و علماء از ولایت عرب
عجم واز اطراف ہند بہ جاذبہ عنایت او بدہلی و آگرہ آمدہ
توطن مے کردند۔" ؎۳

اخبار الاخبار میں ہے:-

؎۱ منتخب صفحہ ۸۶ مطبوعہ نول کشور۔ ؎۲ منتخب التواریخ صفحہ ۸۶-
؎۳ تاریخ داؤدی ورق ۳۸۔

"زمان دولت سکندر زمان صلاح و تقویٰ دیانت و امانت و حلم و وقار داد و را با علما و صلحا ہوا کا یروا شراف میلے عظم شد ولہذا از اکناف عالم از عرب و عجم بعضے بسابقہ استدعا و طلب و بعضے بلے آن در عہد دولت او تشریف آوردہ و توطن ایں دیار اختیار کردند۔ بالحقیقت محامد زمان سلطنت آن سلطان سعادت نشان از حد تقریر و تحریر خارج است۔"

علمائے عصر

شیخ جمالی حامد بن فضل اللہ خاں اصلی نام جلال خاں کنبو شیخ سماء الدین کے مرید تھے صاحبِ تصانیف ہیں۔ ۹۴۳ھ میں وفات پائی۔ سیر العارفین۔ مثنوی مہر و ماہ۔ دیوان یادگار رہے ہیں۔ شیخ الہ دیا جونپوری ان کے فرزند شیخ بھکاری۔ شیخ عبداللہ طلبنی اور عزیز اللہ یہ دربار سکندر سے تعلق رکھتے تھے۔ باہمی سکندر ان سے علمی مناظرہ کراتا تھا۔

شیخ عبداللہ طلبنی بن شیخ اللہ داد عثمانی معقول شخص تھا۔[1] طلبنہ (ملتان) میں اصحاب درس تھا۔ اس نے دلی آکر علم معقول کو فروغ دیا۔ میاں لادن۔ جمال خاں میاں شیخ میراں۔ سید جلال الدین بدایونی

[1] تذکرہ علمائے ہند۔ بدیع المیزان شرح میزان منطق تصنیف سے ہیں۔

ارشد تلامذہ سے تھے۔[1] ۹۲۲ھ میں انتقال کیا۔

شاہ جلال شیرازی مصنف گلشن راز۔ شیخ رزق اللہ دہلوی شیخ عبدالحق دہلوی کے چچا فاضل خدا شناس بزرگ تھے ہندی میں راجن ۸۹۷ھ میں وصال ہوا۔ ہندی میں دو رسالہ پیم آہن اور جوت نرنجن مشہور ہیں۔

شیخ عبدالوہاب بن سید احمد بخاری سید جلال بخاری کی اولاد میں تھے۔ ملتان سے حجاز حج بیت اللہ کے لئے گئے۔ واپس دہلی ہوئے۔ سکندر ان کا معتقد ہو گیا۔ ۹۳۲ھ میں وفات پائی۔ ایک تفسیر دقائق عشق یادگار رہے ہے۔

شیخ حسن طاہر راجی حامد شاہ کے مرید تھے۔ ملتان سے بہار ان کے والد چلے گئے وہاں یہ پیدا ہوئے پھر جونپور گئے۔ علوم حاصل کئے۔ پھر سکندر کی استدعا پر آگرہ آ گئے۔ ۹۰۹ھ میں انتقال کیا۔ مفتاح الفیض تصنیف ہے۔

میاں بہو خواص خاں کے فرزند امراء سکندری میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ میر عدل۔ صحاب خاص بھی رہے۔ سکندر ان کو بہت چاہتا تھا۔ فاضل حال تھے۔ معدن الشفاء طب سکندری تصنیف کی ابراہیم نے مروا ڈالا۔

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۸۶۔

محمد بن شیخ ضیاء - تحفۃ السعادت یا فرہنگ سکندری تصنیف ہے - یہ کتاب سنہ ۹۱۶ھ میں مکمل ہوئی ۔

ختم شد

تاریخِ اسلام کا مکمل کورس

تاریخ ملّت کے بقیّہ حصّے

"تاریخ اسلام کا یہ مفید سلسلہ جو تاریخ ملت کے نام سے مشہور ہے اور مقبولِ عوام و خواص ہو چکا ہے، مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے نہایت ہی ممتاز ہے زبان کی سلاست، ترتیب کی دل نشینی اور جامعیت و اختصار اسکی ایسی خصوصیتیں ہیں جو آپکو اس سلسلہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملینگی۔ خلفاء اور سلاطین کی شخصی زندگی کے سبق آموز واقعات کو اس میں اہتمام کے ساتھ اُجاگر کیا گیا ہے۔

جلد اوّل: نبی عربی (مؤلفہ قاضی زین العابدین میرٹھی) ۲ عہ/

جلد دوم: خلافت راشدہ " " " " ۸ ہے/

جلد سوم: خلافت بنی امیہ " " " " ۹ ہے/

جلد چہارم: خلافت ہسپانیہ (مؤلفہ مفتی انتظام اللہ شہابی) ۶ صہ/

جلد پنجم: خلافت عباسیہ (حصّہ اوّل) " " " ۱۲ ہے/

جلد ششم: خلافت عباسیہ (حصّہ دوم) " " " ۱۲ للعہ/

جلد ہفتم: تاریخ مصر " " " ۴ ہے/

جلد ہشتم: خلافت عثمانیہ " " " ۴ ہے/

جلد نہم: تاریخ صقلیہ (سسلی) " " " ۱۲ عہ/

مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی

نعتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ہندوستان کے مشہور و مقبول شاعر بہزاد لکھنوی کے نعتیہ کلام کا دل پذیر مجموعہ جسے مکتبہ برہان نے تمام ظاہری دل آویزیوں کے ساتھ بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ جن حضرات کو آل انڈیا ریڈیو سے ان نعتوں کے سننے کا موقعہ ملا ہے وہ اس مجموعہ کی پاکیزگی اور لطافت کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں۔ قیمت ۱۲؍

جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات

"بین الاقوامی سیاسی معلومات" میں سیاسیات میں استعمال ہونے والی تمام اصطلاحوں، قوموں کے درمیان سیاسی معاہدوں، بین الاقوامی شخصیتوں اور تمام قوموں اور ملکوں کے سیاسی اور جغرافیائی حالات کو نہایت سہل اور دلچسپ انداز میں ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب اسکولوں، لائبریریوں اور اخباروں کے دفتروں میں رہنے کے لائق ہے، جلد اول جدید ایڈیشن جس میں سینکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد عہ ۸ (آٹھ روپے)

منیجر مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی